

عَمَلَةُ الْإِقَابِيلِ

فِي تَحْقِيقِ الْأَبَاطِيلِ

غیر معتبر احادیث کی تحقیق مع مقدمہ مبسوط

جلد اول

مؤلف:

مولانا رضوان الدین صاحب معروفی
شیخ الحدیث جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا

نظر ثانی:

مفت مولانا فیض محمد اللہ صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند
مفت مولانا ابوبکر العابدی صاحب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

www.besturdubooks.net

معروفی کتب خانہ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، ننڈربار

www.besturdubooks.net

إن جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا (القرآن)

عمدة الأقاويل فی تحقیق الأباطیل

(غیر معتبر احادیث کی تحقیق)

مع مقدمه مبسوطه

(۱)

مؤلف

مولانا محمد رضوان الدین معرونی

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا

ضلع نندور بار، مہاراشٹر

ناشر

معرونی کتب خانہ، جامعہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندور بار، مہاراشٹر

تفصیلات

نام کتاب	: عمدۃ الأقاویل فی تحقیق الأباطیل مع مقدمة مبسوطۃ
مصنف	: مولانا محمد رضوان الدین معروفی جامعہ اکل کوا
نظر ثانی	: حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب (محدث: دارالعلوم دیوبند) حضرت مولانا زین العابدین صاحب (محدث: مظاہر علوم سہارنپور)
کمپوزنگ	: مولانا ادریس پشور، مولانا اسلم نانڈیڑ، مولانا عبید اللہ و مولانا شفیق الرحمن (فضلاء جامعہ)
سینک	: محمد جہانگیر دیوبند (یو پی) +91-9045293126
پروف ریڈنگ	: جماعۃ من العلماء والطلباء
دوسرا ایڈیشن	: رجب المرجب ۱۴۳۲ھ مطابق جون ۲۰۱۳ء
تیسرا ایڈیشن	: ربیع الاول ۱۴۳۵ھ مطابق جنوری ۲۰۱۴ء
صفحات	: ۴۱۰
تعداد	: ۱۱۰۰
قیمت	:

ملنے کے پتے:

- ✽ معروفی کتب خانہ، جامعہ اشاعت العلوم، اکل کوا
- ✽ مندور بار، مہاراشٹر، فون: 09326675070
- ✽ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ✽ دارالکتب، دیوبند
- ✽ مکتبہ الفہیم، صدر بازار، چوک، مٹو (یو پی)

قال الله تعالى:

يا ايها الذين امنوا ان جاءكم فاسق بنبأ فتبينوا. (حجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق فاجر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لو۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

(الف) من يقل على ما لم اقل فليتبوأ مقعده من النار.

(رواه البخاری)

ترجمہ: جس نے میری جانب ایسے قول کی نسبت کی جو میں نے نہیں کہا تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔

(ب) اياكم و كثرة الحديث عنى فمن قال على فلا يقل

إلا حقاً و صدقاً. (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: میرے حوالہ سے بہت زیادہ احادیث بیان کرنے سے بچو۔

جو میری کوئی حدیث بیان کرے تو صرف اور صرف حق اور سچ ہی

بیان کرے۔

فہرست مقدمہ ”عمدة الاقوال فی تحقیق الأباطیل“

نمبر	مضامین	صفحہ
	عرض مؤلف	۲۰
	تعارف کتاب	۲۴
	تشکر و امتنان	۲۵

کلمات دعائیہ

۲۷	از فضیلۃ الشیخ مولانا خیر محمد الحجازی المکی المدرس والخطیب بالمسجد الحرام بمکۃ المکرمۃ
۲۸	از حضرت مولانا غلام محمد وستا نوی صاحب رئیس الجامعۃ الاسلامیۃ اشاعۃ العلوم اکل کوا

تقریظات و تائثرات

۳۰	حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی صدر شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند
۳۱	حضرت مولانا زین العابدین صاحب صدر شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور
۳۴	حضرت مولانا عبد اللہ صاحب معروفی استاذ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند
۳۷	حضرت الاستاذ مولانا قاری ظفر الاسلام صاحب صدیقی شیخ الحدیث دارالعلوم منو یوپی
۳۸	حضرت الاستاذ مولانا مفتی انور علی صاحب اعظمی مفتی و استاذ حدیث دارالعلوم منو یوپی
۴۰	حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مفتی و شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات
۴۳	حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

صدر المدرسین مدرسہ شیخ الاسلام اعظم گڑھ و مدیر مجلہ ”الماثر“ منو

۴۷	حضرت مولانا مفتی کوثر علی سبحانی صاحب استاذ حدیث مظاہر علوم (وقف) سہارنپور
----	--

۵۵

پیش لفظ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی رئیس المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد

۶۲

تقدیم

حضرت مولانا الدكتور تقی الدین صاحب مظاہری ندوی سابق
استاذ حدیث جامعۃ الامارات العربیۃ العین ابو ظہبی

۶۶

مقدمۃ الکتاب

تمہید

۶۶

۶۷

باب اول

۶۷

قرآن کی طرح احادیث کی حفاظت بھی نظام غیبی کے سائے میں

۶۹

حفاظت حدیث کے بعض اہم اسباب و عوامل

۷۱

حفاظت حدیث کے تین بنیادی ذرائع

۷۱

پہلا ذریعہ: حفظ روایت

۷۳

دوسرا ذریعہ: تعامل بالروایۃ

۷۳

تیسرا ذریعہ: کتابت روایت

۷۵

عہد نبوی اور حفاظت حدیث

۷۶

عہد صحابہ اور حفاظت حدیث

۷۹

عہد تابعین و ائمہ محدثین اور حفاظت حدیث

باب دوم

۸۱

۸۱

۸۱

۸۱

۸۲

۸۲

۸۳

۸۳

۸۵

۸۷

۸۷

۸۷

۸۸

۸۹

۹۴

۹۷

باب سوم

۹۷

۹۷

۹۸

۹۹

۱۰۱

شہ پاروں میں خنزف ریزوں کی ملاوٹ

حدیث موضوع/تعریف حکم

فائدہ: جھوٹا آدمی بھی کبھی سچ بولتا ہے

حدیث موضوع کی وجہ تسمیہ

وضع حدیث کی صورتیں

کیا موضوع حدیث کو حدیث کہا جاسکتا ہے؟

حدیث موضوع کی روایت کا حکم

وضع حدیث پر وعید شرعی

وضع حدیث اور واضعین حدیث کا حکم

کیا اسلام میں وضع حدیث کی کوئی گنجائش ہے؟

مذہب اہل سنت والجماعت

مذہب فرقہ گرامیہ اور ان کے دو استدلال

اہل حق کی طرف سے دس جوابات

ایک اہم فائدہ از محدث وقت شیخ محمد یونس صاحب مدظلہ العالی

موضوع احادیث کا چلن کیوں کر ہوا؟

واضعین حدیث کی تقسیمات و اقسام

تقسیم اول: واضعین کی چار قسمیں

فائدہ: از حضرت مولانا محمد یونس صاحب جوہوری مدظلہ العالی

تقسیم دوم: واضعین کی تین قسمیں

- ۰۲ تقسیم سوم: واضعین کی سات قسمیں
 ۱۱۰ بعض مشہور و ضائعین و کذابین
 ۱۱۷ وضع حدیث کے دس بنیادی اسباب و محرکات

باب چہارم

- ۱۲۱ فتنہ وضع حدیث کی سرکوبی
 ۱۲۲ فتنہ وضع حدیث اور محدثین کرام و سلاطین اسلام کی دفاعی کوششیں
 ۱۲۲ احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے دواہم طاقتیں
 ۱۲۳ حفاظت حدیث اور سلاطین اسلام
 ۱۲۴ حفاظت حدیث اور محدثین کرام
 ۱۲۶ محدثین کرام کے دواہم کام
 ۱۲۶ پہلا کام: واضعین و کذابین کے متعلق صاف گوئی اور سخت گوئی
 ۱۲۷ دوسرا کام: علوم الحدیث کی فنی تدوین

باب پنجم

- ۱۲۸ فن اسماء رجال کی داغ بیل
 ۱۲۸ علم اسماء رجال کیا ہے؟
 ۱۲۹ قرآن میں علم اسماء رجال کی بنیادیں
 ۱۳۰ احادیث میں علم اسماء رجال کی بنیادیں
 ۱۳۱ علم اسماء رجال یا علم الاسناد کی اہمیت اور محدثین کا اس سے خصوصی شغف
 ۱۳۵ فن اسماء الرجال اس امت کا امتیازی فن
 ۱۳۶ فن اسماء رجال سے متعلق ایک دشمن اسلام کا تاثر
 ۱۳۶ راویان حدیث کے طبقات

۱۳۶	طبقہ صحابہؓ
۱۳۷	طبقہ غیر صحابہ
۱۳۷	اس اجمال کی تشریح
۱۳۷	پہلا طبقہ: طبقہ صحابہ:
۱۴۰	دوسرا طبقہ: طبقہ غیر صحابہ اور ان کے تین گروہ
۱۴۰	پہلا گروہ: کبار تابعین
۱۴۱	دوسرا گروہ: اوساط تابعین وغیرہم
۱۴۱	تیسرا گروہ: دشمنان اسلام
۱۴۳	فن اسماء رجال کی خشت اول
۱۴۴	تحقیق رجال ورواات کے سلسلہ میں محدثین کی بیداری
۱۴۷	باب ششم
۱۴۷	علم اسماء الرجال اور علم الجرح والتعديل کا باہمی ربط
۱۴۸	علم جرح و تعديل کا لغوی و اصطلاحی مفہوم
۱۴۸	تقسیم جرح و تعديل
۱۴۹	قبولیت و عدم قبولیت جرح و تعديل
۱۴۹	شرط قبولیت جرح و تعديل
۱۴۹	بعض اسماء محدثین جو جرح میں متعصب ہیں
۱۴۹	بعض اسماء محدثین جو جرح میں معتنت ہیں
۱۴۹	بعض اسماء محدثین جو جرح میں متشدد ہیں
۱۵۰	بعض اسماء محدثین جو جرح میں معتدل ہیں
۱۵۰	الفاظ جرح و تعديل کے مراتب
۱۵۰	الفاظ تعديل کے مراتب

۱۵۱	الفاظ جرح کے مراتب
۱۵۲	جرح و تعدیل میں تعارض
۱۵۲	فن اسماء رجال کی بنیادی شخصیات
۱۵۶	اسماء رجال اور جرح و تعدیل سے متعلق چند مشہور و اہم کتب
۱۵۶	(الف) عام کتب
۱۵۷	(ب) معتمد رواۃ سے متعلق کتب
۱۵۷	(ج) ضعفاء سے متعلق کتب
۱۵۷	(د) کتب مخصوصہ کے رواۃ کے متعلق کتب
۱۵۸	(ھ) قواعد جرح و تعدیل سے متعلق کتب
۱۵۸	(۱) حالات صحابہ پر
۱۵۸	(۲) تاریخ رجال پر
۱۵۹	(۳) طبقات پر
۱۵۹	(۴) اسماء و کنیٰ اور القاب پر
۱۶۰	(۵) انساب پر
۱۶۰	(۶) جرح و تعدیل پر
۱۶۱	(و) احادیث موضوعہ سے متعلق کتب
۱۶۲	احادیث موضوعہ پر مشتمل بعض تصانیف کا تعارف
۱۶۶	باب ہفتم
۱۶۶	تحقیق احادیث کی تین بنیادیں
۱۶۶	پہلی بنیاد: نقد اسانید
	کیا جرح راوی غیبت ہے؟
	سند میں وضع کی غلامتیں

- ۱۷۰ پہلی علامت: اقرار راوی
- ۱۷۰ دوسری علامت: راوی کا کذب بیانی میں مشہور ہونا
- ۱۷۱ تیسری علامت: راوی کی اپنے شیخ سے ملاقات کا نہ ہونا
- ۱۷۲ چوتھی علامت: حالت راوی میں قرینہ کذب کا پایا جانا
- ۱۷۳ پانچویں علامت: راوی کا بدعتی ہونا
- ۱۷۳ بدعتی راوی کا مفہوم
- ۱۷۳ دوسری بنیاد: نقد متن
- ۱۷۴ نقد متن کی اصل
- ۱۷۴ (الف) قرآن مجید سے
- ۱۷۵ (ب) حدیث سے
- ۱۷۶ (ج) اقوال صحابہؓ سے
- ۱۷۶ (د) اقوال محدثینؒ سے
- ۱۷۷ متن حدیث میں وضع کی علامتیں
- ۱۷۷ (۱) رکاکۃ اللفظ
- ۱۷۷ (۲) رکاکۃ المعنی
- ۱۷۸ رکالت لفظی اور رکاکت معنوی کے متعلق ایک اہم تنبیہ
- ۱۷۹ (۳) مخالفة الحديث لصريح القرآن
- ۱۷۹ (۴) مخالفة الحديث للسنة الثابتة
- ۱۸۰ (۵) مخالفة الحقائق التاريخية
- ۱۸۰ (۶) نقل الفرد الواحد مع توافر الدواعی
- ۱۸۱ (۷) مخالفة الحس والمشاهدة
- ۱۸۱ (۸) مخالفة العقل العام او مخالفة العقل الصريح

- ۱۸۱ (۹) مخالفة الحکمة والا خلاق
- ۱۸۱ (۱۰) الدعوة الى الشهوة والمفسدة
- ۱۸۲ (۱۱) مخالفة القواعد الطبية المجمع عليها
- ۱۸۲ (۱۲) مخالفة الشواهد الصحيحة
- ۱۸۲ (۱۳) مخالفة شان الالوهية
- ۱۸۲ (۱۴) مخالفة شان النبوة
- ۱۸۳ (۱۵) تکلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغة عجمية
- ۱۸۳ (۱۶) ذم لغة اوقوم
- ۱۸۳ (۱۷) ذم اهل الحرفة
- ۱۸۴ (۱۸) ان يكون في الحديث تاريخ كذا و كذا
- ۱۸۴ (۱۹) ان يكون ناشئا عن باعث نفسى
- ۱۸۴ (۲۰) ان يكون منشاء الحديث العصبية
- ۱۸۶ تیسری بنیاد: شهادة الذوق (محدثین کی ذوقی فراست)
- ۱۸۶ علامہ ابن القیم کا ایک گراں قدر ملفوظ
- ۱۸۷ تنبیہ
- ۱۸۷ بعض دوسرے محدثین کے اقوال و احوال
- ۱۸۹ باب ہشتم
- ۱۸۹ حدیث و اقسام حدیث مع تعریفات و امثله
- ۱۸۹ حدیث کی تعریف
- ۱۸۹ حدیث، خبر، اثر، سنت کا فرق
- ۱۸۹ حدیث کی قسمیں
- ۱۹۰ (۱) متواتر کی تعریف

۱۹۰	حدیث متواتر سے متعلق ایک اہم فائدہ
۱۹۱	(۲) خبر واحد کی تعریف
۱۹۱	خبر واحد کی تقسیمات: (پہلی تقسیم)
۱۹۲	مرفوع
۱۹۲	موقوف
۱۹۲	مقطوع
۱۹۲	خبر واحد کی دوسری تقسیم
۱۹۲	مشہور اور اس کے اقسام
۱۹۳	مشہور و مستفیض کا فرق
۱۹۳	عزیز
۱۹۳	غریب
۱۹۴	خبر واحد کی تیسری تقسیم
۱۹۴	مقبول
۱۹۴	مردود
۱۹۴	اقسام مقبول
۱۹۴	صحیح لذاتہ
۱۹۵	صحیح لغيرہ
۱۹۵	حسن لذاتہ
۱۹۶	حسن لغيرہ
۱۹۷	فائدہ (۱) اصطلاحات ذیل کا تعارف:

جید، قوی، صالح، معروف، محفوظ، مجود، ثابت، مستحسن

فائدہ (۲) صحیح اور صحیح الاسناد نیز حسن اور حسن الاسناد کا فرق

۱۹۸

۱۹۸

۱۹۹

۱۹۹

۲۰۰

۲۰۰

۲۰۱

۲۰۲

۲۰۲

۲۰۲

۲۰۳

۲۰۳

۲۰۳

۲۰۳

۲۰۳

۲۰۵

۲۰۵

۲۰۶

۲۰۶

۲۰۶

۲۰۷

۲۰۸

اقسام مردود

ضعیف

متروک

شاذ و محفوظ

منکر و معروف

مضطرب

مقلوب

مصحف

مدرج

معلل

خبر واحد کی چوتھی تقسیم

متصل

مسند

منقطع

معلق

معطل

مرسل

مدلس

تدلیس کی تین قسمیں

تدلیس الاسناد

تدلیس الشیوخ

تدلیس التسویہ

فہرست الکتاب

صفحہ	عناوین	شمار
۲۱۱	احادیث موضوعہ کے متعلق محدثین کی بعض اہم اصطلاحات کا تعارف	۰
۲۱۸	ابی اللہ ان یصح الا کتابہ	۱
۲۲۱	اتق شر من احسنت إلیہ	۲
۲۲۳	اتقوا مواضع التہم - موقوفہ	۳
۲۲۵	إذا حضر العشاء والعشاء فابدؤا بالعشاء	۴
۲۲۷	أربع لا يشبعن من أربع ارض من مطر..... الخ	۵
۲۳۰	افضل العبادات احمزها	۶
۲۳۲	اللہم أید الإسلام بأحد العمرین	۷
۲۳۳	اللہم اغفر للمعلمین ثلاثاً واطل اعمارهم وبارک لهم فی کسبهم	۸
۲۳۵	انا عند المنکسرة قلوبہم لاجلی	۹
۲۳۶	الأنبیاء قادة و الفقهاء سادة و مجالستهم زیادة	۱۰
۲۳۷	انفق ما فی الجیب یا تک ما فی الغیب	۱۱
۲۳۸	ان اهل الجنة لیحتاجون إلی العلماء فی الجنة... الخ موقوفہ	۱۲
۲۴۱	ان العالم والمتعلم اذا مرا علی قریة فان اللہ تعالیٰ یرفع العذاب عن مقبرة تلک القریة أربعین یوماً	۱۳
۲۴۱	إن اللہ یقبل الصلوة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۴

٢٣٢	(الف) ان لله مدينة تحت العرش من مسك اذفر على بابها ملك ينادى كل يوم الا من زار عالمًا فقد زار الرب و من زار الرب فله الجنة (ب) ان لله مدينة تحت العرش من مسك اذفر على بابها ملك ينادى كل يوم الا من زار العلماء فقد زار الانبياء	١٥
٢٣٣	ان الميت يرى النار في بيته سبعة ايام	١٦
٢٣٣	اين الله في الارض أو في السماء؟ قال في قلوب عباده المؤمنين	١٧
٢٣٥	البطنة أصل الداء و الحمية أصل الدواء	١٨
٢٣٥	البطنة تذهب الفطنة	١٩
٢٣٦	التائب حبيب الله	٢٠
٢٣٧	تفكر ساعة خير من عبادة سنة / فكر ساعة خير من عبادة ستين سنة	٢١
٢٥١	الجزاء من جنس العمل	٢٢
٢٥٢	حب الوطن من الإيمان	٢٣
٢٥٣	حب الهرة من الإيمان	٢٣
٢٥٥	الحبيب لا يعذب حبيبه	٢٥
٢٥٧	حسنوا نوافلكم فيها تكمل فرائضكم	٢٦
٢٥٨	الخمول نعمة وكل ياباها	٢٧
٢٦٠	دعاء الوالد لولده مثل دعاء النبي لامته	٢٨
٢٦١	الدنيا مزرعة الآخرة	٢٩
٢٦٢	ريق المؤمن شفاء (ب) سور المؤمن شفاء	٣٠
٢٦٣	زكاة الأرض يبسها	٣١
٢٦٦	سين بلال عند الله شين	٣٢

٢٦٨	الشيخ في قومه كالنبي في امته	٣٣
٢٦٩	صغروا الخبز واكثروا عدده يبارك لكم فيه	٣٣
٢٧١	صلوة بخاتم تعدل سبعين بغير خاتم	٣٥
٢٧١	صلوة بعمامة تعدل خمسا وعشرين وجمعة بعمامة تعدل سبعين جمعة	٣٦
٢٧٣	الصلوة خلف للعالم باربعة آلاف واربع مائة واربعين صلوة	٣٧
٢٧٣	الصلوة على النبي لا ترد / الصلوة على النبي مقبولة	٣٨
٢٧٦	صلوة النهار عجماء	٣٩
٢٧٧	عرضت على أعمال امتي فوجدت منها المقبول و المردود الا الصلوة على	٣٠
٢٧٧	علماء امتي كأنبياء بنى اسرائيل	٣١
٢٨١	العلم علمان: علم الأبدان وعلم الأديان	٣٢
٢٨٢	عليكم بحسن الخط فانه من مفاتيح الرزق	٣٣
٢٨٢	عليكم بدين العجائز	٣٣
٢٨٣	عند ذكر الصالحين تنزل الرحمة	٣٥
٢٨٥	الفقر فخري و به الفخر	٣٦
٢٨٦	فكر ساعة خير من عبادة ستين سنة	٣٧
٢٨٦	قدس العدس على لسان سبعين نبيا آخرهم عيسى	٣٨
٢٩٠	القلب بيت الرب	٣٩
٢٩١	الكلام في المسجد يأكل الحسنات كما تأكل النار الحطب	٥٠
٢٩٣	كن ذنبًا ولا تكن رأسًا فان الرأس يهلك و الذنب يسلم	٥١
٢٩٣	كنت كنزًا مخفيًا فاحببت ان اعرف فخلقت خلقا	٥٢

۲۹۶	کنت نبیا و آدم بین الماء والطين	۵۳
۲۹۸	لا ادرى نصف العلم	۵۴
۳۰۰	لا تلد الحية الا الحية	۵۵
۳۰۱	لا تمارضوا فتمرضوا ولا تحفروا قبوركم فتموتوا	۵۶
۳۰۲	لكل شيء معدن ومعدن التقوى قلوب العارفين	۵۷
۳۰۳	لو احسن احدكم ظنه بحجر لنفعه الله به	۵۸
۳۰۶	لو كان الارز رجلاً لكان حليماً (چاول سے متعلق روایات)	۵۹
۳۰۹	لو كشف الغطاء ما ازددت يقينا	۶۰
۳۱۰	لولاك لما خلقت الأفلاك	۶۱
۳۱۲	لهدم الكعبة حجراً حجراً اهون على الله من قتل المسلم	۶۲
۳۱۳	ليلة اسرى بى إلى السماء سقط الى الأرض من عرقى فينبت منه الورد فمن احب ان يشم رائحتى فليشم الورد. (گلاب کے پھول سے متعلق روایات)	۶۳
۳۱۸	لى مع الله وقت لا يسع فيه ملك مقرب ولا نبى مرسل	۶۴
۳۱۹	ما تعاظم على أحد مرتين	۶۵
۳۲۰	ما من نبى نبى إلا بعد الأربعين	۶۶
۳۲۱	ما وسعنى ارضى ولا سمائى و وسعنى قلب عبدى المومن.....	۶۷
۳۲۳	مداد العلماء افضل من دماء الشهداء	۶۸
۳۲۶	رتن ہندی کون؟	☆
۳۲۶	رتن ہندی کی روایات کے کچھ نمونے حافظ ذہبی کے حوالے سے	☆

۳۲۷	المريض انينه تسبيح وصياحة تكبير ونفسه صدقة	۶۹
۳۳۰	المصائب مفاتيح الأرزاق	۷۰
۳۳۱	المعدة بيت كل داء والحمية رأس كل دواء / البطنة اصل الداء والحمية أصل الدواء	۷۱
۳۳۶	المعرفة رأس مالى و العقل أصل دينى و الحب اساسى ... الخ	۷۲
۳۳۸	المعلمون خيرة الناس كلما خلق الذكر جدوده عظموهم..... (معلم کی فضیلت پر مشتمل روایت)	۷۳
۳۳۹	معلمو صبیانکم شرار کم (معلم کی مذمت پر مشتمل روایات)	۷۴
۳۴۲	من ابتلى ببلیتین فلیختر أهونهما	۷۵
۳۴۳	من اكرم حبيته فلا يكتب بعد العصر	۷۶
۳۴۴	من بلغ الأربعين ولم يمسك العصا فقد عصى	۷۷
۳۴۷	من تزوج امرأة لمالها احرمه الله مالها وجمالها	۷۸
۳۴۸	من تكلم بكلام الدنيا فى المسجد احبط الله أعماله أربعين سنة	۷۹
۳۴۹	من حفر لأخيه قليباً اوقعه الله فيه قريباً	۸۰
۳۵۰	من زار العلماء فكانما زارنى ومن صافح العلماء فكانما صافحنى	۸۱
۳۵۲	من زرع حصداً	۸۲
۳۵۳	من صلى خلف تقى فكانما صلى خلف نبى	۸۳
۳۵۵	من عرف نفسه استراح	۸۴
۳۵۶	من عرف نفسه عرف ربه	۸۵
۳۵۹	من علامة الساعة التدافع على الإمامة	۸۶

۳۶۰	من علم اخاه آية من كتاب الله فقد ملك رقبته	۸۷
۳۶۱	من فتنه العالم ان يكون الكلام احب اليه من الاستماع	۸۸
۳۶۲	من قص اظفاره مخالفا لم ير في عينيه رمدا	۸۹
۳۶۷	من قضى صلوة من الفرائض في آخر جمعة من شهر رمضان كان ذلك جابرا لكل صلوة فاتته في عمره إلى سبعين سنة	۹۰
۳۶۹	امه عبدالحی لکهنوی کا ایک نہایت محققانہ کلام	☆
۳۷۶	من كثرت صلواته بالليل حسن وجهه بالنهار	۹۱
۳۷۹	موت العالم موت العالم	۹۲
۳۸۱	موتوا قبل ان تموتوا	۹۳
۳۸۲	الناس على دين ملوكهم	۹۴
۳۸۵	الناس كلهم هالكون إلا العالمون والعالمون كلهم.....الخ	۹۵
۳۸۷	نظرة في وجه العالم احب إلى الله من عبادة ستين سنة صياما و قياما	۹۶
۳۸۸	نوم العالم عبادة / نوم العلماء عبادة	۹۷
۳۹۰	ولدت في زمن الملك العادل	۹۸
۳۹۲	الولد سر لأبيه	۹۹
۳۹۵	يكون في أمي رجل اسمه النعمان و كنيته أبو حنيفة و هو سراج أمي (امام ابو حنيفة سے متعلق روایات)	۱۰۰
۴۰۰	(الف) يوم الأربعاء يوم نحس مستمر (ب) آخر أربعاء في الشهر يوم نحس مستمر	۱۰۱
۴۰۵	مصادر ومراجع	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض مؤلف

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد !

یہ کتاب کیا اور کیوں؟:

”الإنسان مرکب من الخطأ و النسیان“ انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے، اور خطا و نسیان ایک ایسی صفت ہے، جو ہر آدمی کے ساتھ لگی ہوئی ہے، مگر اسی کے ساتھ اس کی ایک بہت حسین صفت یہ بھی ہے کہ وہ فطرۃً حق پسند، حق جو، حق گو واقع ہوا ہے۔

اور سچ تو یہ ہے کہ انسان اگر باہر کی ہوا سے متاثر نہ ہو تو اپنے اندر کی آواز کو ہی راہ حق کا ترجمان اور اپنی منزل کا نشان پاتا ہے، اور بغیر کسی خارجی ذریعہ ہدایت کے بھی محض اپنے قلب سلیم کی رہبری سے وہ اپنی منزل سے ہمکنار ہوتا جاتا ہے، اور تمام طوفانی تھپیڑوں سے بچ بچا کر وہ اپنی کشتی کو ساحل سے لگا لیتا ہے، مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کو بھول لگ جاتی ہے، یا کسی حق کی حقانیت کے سمجھنے میں دھوکہ کھا جاتا ہے، مگر جب اسے کوئی متنبہ کرتا ہے، اور کسی طرح اس کو چوک پر اطلاع ہو جاتی ہے تو پہلے اس تنبیہ اور ضلال و نسیان سے بچنے پر شکر کرتا ہوا کہتا ہے: ”الحمد لله الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لولا ان هدانا الله“۔

اور اپنے باپ آدم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرتے ہوئے اقرار و اعتراف کے ساتھ

کہتا ہے: ”ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنكونن من الخاسرین“۔

پھر تصفیہ کاملہ کے لیے مزید کہتا ہے ”ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا و اخطانا“ پھر

مزید مرتقی ہو کر مستقبل کے تحفظ کی لیے بارگاہ الہی میں ایک اور آواز لگاتا ہے ”ربنا لا تنزع

قلوبنا بعد اذ هديتنا الخ“ یہ ہے ایک اچھے انسان کی کہانی اس کی فطری زندگی کی زبانی۔
آدم برسر مطلب:

اسی مقیاس و معیار پر سمجھنا چاہئے کہ اسلام تو ایک ابدی، آفاقی، فطری، بے عیب و عوج اور بے داغ و بے غبار مذہب ہے، اپنی اصلی ذاتی دائمی اور ابدی صفائی، خوبی چمک دمک، کمالات و محاسن کے سبب جب ابھرا تو ابھرتا ہی گیا ”لَبْنَا سَائِغًا لِّلشَّرْبِینَ“ کے بمصداق ہر ایک کی پیاس بجھاتا ہوا انسانی روحانی قوت کا سبب بنتا گیا، مگر بقول قائل۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

یہاں بھی باطل نے انگڑائیاں لینا شروع کیں، اور حق کے خلاف اپنی توانائیاں جمع کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ دشمنان اسلام نے اسلام کے چہرہ پر نور کو بے نور و داغدار بنانے کے لیے اسلامی اصولوں (قرآن و سنت) کو مشکوک کرنے کا بہت ہی مضبوط پلان بنایا، قرآن میں تو وہ کچھ کرنے سے رہے احادیث کو انہوں نے اپنی کوشش کا میدان بنایا، اور بہت سی غیر واقعی، غیر ثابت، من گھڑت باتیں احادیث ثابتہ صحیحہ کے ذخیرہ میں ملانے کی کوشش کی، مگر فیصلہ الہی کے مطابق محافظین اسلام نے تفریق بین الحق والباطل اور تمیز بین الحدیث والخبیث کا پورا پورا حق ادا کیا، اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کر کے دکھا دیا۔

ہاں حق دشمنوں کی اس ناپاک مہم کی یہ زہر افشانی اتنا ضرور اپنا اثر چھوڑ گئی کہ امت کے اہل نظر و اہل بصیرت طبقہ کے علاوہ دوسرے حضرات نے جنہیں احادیث کے شہ پاروں اور باطلیل ناس کے خرف ریزوں کے درمیان تمیز کی اہلیت یا فرصت یا دلچسپی نہیں تھی، وہ ان

کنکروں کو ہیرے اور کانٹوں کو پھول تصور کر کے اپنی تقریر و تحریر میں ان سے استفادہ کرنے لگے، اور رفتہ رفتہ یہ سلسلہ اس قدر دراز ہوا کہ روایت پرستی کی فضاء بن گئی، بالخصوص وہ روایات جن میں غرائب و عجائب کا ذکر تھا اس کو بھوکے کی حلق کا قلم تر سمجھا جانے لگا۔

شاید ایسے ہی ذہن و خیال والوں سے متعلق پیشین گوئی کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: ”علیکم بکتاب اللہ و سترجعون الی قوم یحبون الحدیث عنی فمن قال علی مالہ اقل فلیتبعوا مقعده من النار ومن حفظ شیئا فلیحدث به“۔ (رواہ احمد و البزار طبرانی)

یعنی: اللہ کی کتاب ”قرآن“ کو مضبوطی سے تھام لو غنقریب تمہارا سابقہ ایسے لوگوں سے ہوگا جن کو ہماری احادیث سنانے کا شوق بہت زیادہ ہوگا، پس سن لو کہ جو شخص میری طرف وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی ہے تو اس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں تلاش کر لینا چاہیے۔

نیز آپ نے فرمایا ”سیکون فی آخر زمان اناس من امتی یحدثونکم بما لم تسمعوا انتم ولا آبائکم فایاکم وایاہم“ (اخرجه مسلم)

آخری زمانہ میں میری امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو تم کو ایسی ایسی احادیث سنائیں گے جن کو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے کبھی نہ سنا ہوگا، لہذا تم ان سے خود کو بچا کر رکھنا۔

اور شدہ شدہ نوبت بایں جا رسید کہ ہمارے درمیان پائی جانے والی بہت سی اصلاحی تذکیری کتابیں بالخصوص تقریر و موعظت پر مشتمل تصنیفات اس کی سب سے زیادہ شکار ہوئیں، اور ان کا چلن اس قدر پر شور اور پر جوش ہوا اور ہر کس و ناکس کی زباں پر ایسا مثل تو اتر رہا کہ اس کے غلط ہونے کا خیال بھی نہیں گزرتا تھا، تحقیق کی جستجو و تلاش تو بہت دور کی بات! یہی وجہ ہوئی کہ بہت سے مستند علماء و محققین کی وہ کتابیں جو اصلاحیات و خطابیات کے عنوان

سے آئی ہیں، ان میں بھی یہ روایات درآئی ہیں، جب کہ ان کا تحقیقی ذوق، نبوغ علمی، ان کی حق پسندی، حق شناسی، اور حق گوئی ہرگز ہرگز اس کی روادار نہیں ہو سکتی تھی، چنانچہ ان کے اسی علمی و تحقیقی مقام کی بناء پر ان مقتدر شخصیات سے ان روایات کا انتساب ہی ان کے ثبوت و صداقت کی دلیل سمجھا جاتا تھا، جبکہ واقع میں وہ روایات بے سند تھیں یا باسند مگر غیر معتبر۔

اب ایسی صورت حال میں ضرورت محسوس ہوئی کہ محدثین کرام اور محققین عظام کی تحقیقات اور ان کے اصول و قواعد کی روشنی میں ان روایات کی صحیح حیثیت واضح کر دی جائے، چنانچہ اسی بنیاد پر اس عاجز نے یہ ہمت کی اور اللہ کا نام لے کر قلم کو حرکت دی اور ان اوراق و سطور کو جمع کیا جن کا مقصد صرف یہ ہے کہ کھرے کھوٹے کا فرق اور شہ پارے و خرف ریزے یعنی حدیث اور غیر حدیث کی تمیز ہو جائے، تاکہ امت اپنے اصلی و فطری ذوق کے مطابق غیر حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کرے، اور دانستہ یا نا دانستہ ہو جانے والی اب تک کی غفلتوں و غلطیوں اور بے احتیاطیوں پر ندامت ہو اور آئندہ اس کی تلافی کی کوشش کرے، کیوں کہ اس جرم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی ناراضگی اور سخت وعید سنائی ہے، ارشاد نبوی ہے ”من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار“۔ (رواہ البخاری)

اور آپ نے ارشاد فرمایا: ”کفی بالمرء ان یحدث بكل ما سمع“۔

(رواہ مسلم)

نیز آپ نے ارشاد فرمایا: ”اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم فإنہ من

کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار“۔ (مسند احمد)

ایک جگہ ارشاد نبوی ہے: ”من کذب علی فی حدیث جاء یوم القیامۃ مع

الخاصرین“ . (رواہ ابن شاہین عن انسؓ)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ”ثلاثة لا يريحون رائحة الجنة رجل ادعى إلى غير ابيه ورجل كذب على نبيه ورجل كذب على عينيه“ .

(وراه البزار وابن عدی عن ابی ہریرہؓ مرفوعاً)

یہ وہ روایات ہیں جن کی بنیاد پر علماء امت نے حدیث کے نقل میں انتہائی درجہ صحت کا اہتمام و التزام ضروری قرار دیا ہے اور جھوٹ بلکہ شائبہ جھوٹ کی بھی کوئی گنجائش روا نہیں رکھی نیز کسی قسم کی لاپرواہی کو بھی گوراہ نہیں کیا۔

مگر افسوس کہ جس قدر احادیث میں احتیاط مطلوب ہے، اسی قدر بے احتیاطی برتی جا رہی ہے چنانچہ عوام و خواص کی زبانوں اور ان کی کتابوں میں بڑی کثرت سے ایسی احادیث پائی جا رہی ہیں جن کی یا تو کوئی سند اور اصل نہیں یا اس کی سند تو ہے مگر محدثین کے نزدیک وہ سند معتبر نہیں، اس کتاب میں اسی قسم کی احادیث کو جمع کر کے محدثین کرام کی تحقیقات پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تعارف کتاب:

بنیادی طور پر اس کتاب میں چند کام کئے گئے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے اس روایت کو لکھا گیا اور اگر وہ روایت مختلف الفاظ میں پائی جاتی ہے تو ان الفاظ مختلفہ کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) ترجمہ یا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

(۳) اقوال محدثین کی روشنی میں اس روایت کا حکم لکھا گیا ہے۔

(۴) محدثین کے اقوال و آراء اور ان کی تحقیقات ان کی کتابوں کے حوالے کے ساتھ جمع

کردی گئی ہیں۔

(۵) بعض روایات ایسی ہیں جو حدیث کی حیثیت سے تو ثابت نہیں ہیں مگر ان کا مضمون فی نفسہ صحیح ہے، قرآن کی کسی آیت یا کسی دوسری حدیث یا مجموعی طور پر مزاج شرع سے میل کھاتا ہے، یا یہ روایت کسی بزرگ وغیرہ کا کلام ہے تو ان باتوں کی وہاں پر وضاحت کردی گئی ہے۔

(۶) اصل کتاب چوں کہ احادیث موضوعہ کی تحقیق پر مشتمل ہے، اور دوران تحقیق بکثرت راویوں پر جرح و تعدیل کی گئی ہے۔

اس لیے اس کی مناسبت سے وضع، واضح، موضوع، زمانہ وضع، اسباب وضع، نتائج وضع اور پھر ائمہ محدثین و علماء محققین کی طرف سے دفاع اور اس کے لیے علم اسماء رجال، علم جرح و تعدیل کی تدوین وغیرہ پر مشتمل ایک مبسوط مقدمہ لکھ دیا گیا تاکہ اس موضوع پر قاری کو یک گونہ بصیرت حاصل ہو جائے۔

تشکر و امتنان:

ع اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

ان حروف و کلمات اور سطور و نقول کا جمع ہو کر ایک کتابی شکل میں آجانا یہ صرف اور صرف حق تعالیٰ شانہ کا فضل و احسان ہے، اس مالک حقیقی اور محسن حقیقی سے دعاء ہے کہ اے مولیٰ جس طرح تو نے حرف کشی کی توفیق دی ہے تو ان جمع شدہ حروف کو پسند بھی کر لے؛ اور اس عاجز کے حق میں اپنی رضا و خوشنودی کا ذریعہ بنادے؛ اور نافع خلألق بنا کر احادیث نبویہ علی صاحبہا التحیۃ کے خدام میں اس حقیر کو شمار فرمالے۔

نیز ان تمام حضرات اساطین علم و جیال فن علماء کرام کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے

اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود ان اوراق پر نظر اصلاح ڈالی اور تائید و تقویت پر مشتمل گراں قدر تقریظات اور کلمات دعائیہ و تہنیت سے نواز کر اس کتاب میں وزن پیدا کیا موضوع کتاب اس قدر نازک اور علمی و تحقیقی تھا کہ قلم اٹھانے پھر ترتیب پا جانے کے بعد منظر عام پر لانے کی ہمت کرنا مجھ جیسے بے بضاعت اور ظلوم و جہول کے لیے انتہائی مشکل امر تھا، مگر ان ہی بزرگوں کی حوصلہ افزائیوں، اور دعاؤں سے یہ قدم اٹھ رہا ہے، حتیٰ المقدور صحت و صواب کا اہتمام کیا گیا ہے، پھر بھی نہ معلوم کتنی جگہوں پر خطا و نسیان اور غفلت و زلت واقع ہوئی ہوگی؛ اہل علم و اہل نظر سے گزارش ہے کہ جہاں کہیں کوئی سقم و خطا محسوس ہو ”الدین النصیحة“ کے تحت ضرور اطلاع فرمائیں، انشاء اللہ وضوح حق کے بعد اس کو ضرور قبول کیا جائے گا۔

اخیر میں ہم اپنے ان تمام معاونین کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب میں، کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، اور بعض مواقع پر جمع مواد کے سلسلے میں کسی بھی نوعیت کی ہماری مدد کی ہے، اسی طرح جن کے مالی تعاون سے طباعت کی مشکل آسان ہوئی وہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں، سچ یہ ہے کہ یہ کتاب کسی ایک تنہا شخص کی کاوش کا ثمرہ نہیں ہے بلکہ کئی مخلصین کے تعاون، دعاء، فکر، مشورہ، حوصلہ افزائی، وغیرہ کی برکات کا مجموعہ ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام مخلصین و معاونین کو دارین میں نیک بدلہ عطا فرمائیں، اور ان کو اور ان کی نسلوں کو علمی و دینی شادابی سے آباد رکھے۔ آمین!

معرونی

کلمۃ الدعاء

از

فضیلۃ الشیخ مولانا خیر محمد الحجازی المکی المدرس و الخطیب
بالمسجد الحرام بمکة المکرمۃ

(ایسے علمی نوادرات پر میں تقریظ کا اہل نہیں)

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبى بعده

سرزمین حرم میں کتاب اور مقدمہ کتاب ”عمدة الاقوال في تحقيق الأباطيل“
مؤلفہ سماحۃ الشیخ رضوان الدین معرونی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا
مہاراشٹر الہند ملا عاجز رویاہ اپنے افراد خانہ کی بیماری کی بنا پر محزون و مشغول اور ایسے علمی
نوادرات پر تقریظ کا اہل بھی نہیں ہے۔ عربی زبان میں تو ایسے موضوع پر متعدد کتب موجود
ہیں؛ اردو زبان اور سہل اسلوب کے ساتھ ایسی کتاب عاجز کی نظر سے نہیں گذری اس دور
پُر فتن میں دفاع عن الباطل اور احقاق حق تو جہاد اکبر ہے۔

خداوند کریم سماحۃ الشیخ کی اس عظیم محنت کو قبول فرما کر قبولیت عامہ تامہ سے نوازیں
اور ذریعہ نجات اخروی بنائیں۔ آمین ثم آمین!

والسلام

محمد مکی حجازی خادم العلم بالحرم المکی الشریف

۱۴۳۴/۴/۲۲

بسم الله الرحمن الرحيم

کلمات دعاء و تہنیت

از

حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستا نوی دامت برکاتہم

رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کواہندور بارمہار شٹرا

(ماشاء اللہ مؤلف نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔)

اردو زبان میں اپنے موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔)

حامدا و مصلیا و مسلما۔

اما بعد! اللہ جل جلالہ نے ہر دور میں ہر زمانہ میں ایسے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے جو اپنے

آپ کو دین اسلام کی ترویج و اشاعت، دعوت و تبلیغ اور تربیت و تزکیہ میں لگائے رہے۔

ماضی قریب میں ہمارے اکابرین میں حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے تلامذہ کی ایک بہت

بڑی جماعت گذری ہے، جنہوں نے مدارس اسلامیہ سے وابستہ رہ کر درس و تدریس اور تصنیف

و تالیف کی لائن سے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں، جنہیں قیامت تک یاد رکھا جائے گا۔

خدائے پاک ان مرحومین کی قبروں کو جنت نشان بنائے اور شبانہ روز بے شمار رحمتیں

اور برکتیں نازل فرمائے۔ آمین!

اس وقت آپ کے سامنے جو کتاب ہے (عمدة الاقوال فی تحقیق

الاباطیل) اسی سلسلہ تصنیف و تالیف کی ایک سنہری کڑی ہے جس کو جامعہ اکل کوا کے نوجوان

شیخ الحدیث مولانا محمد رضوان الدین صاحب معروفی نے بڑی تحقیق و تدقیق اور عرق ریزی

سے مرتب فرمایا ہے، ماشاء اللہ ہمارے شیخ الحدیث صاحب ایک کامل مدرس ماہر فن شیخ الحدیث اور صاحب بصیرت، عالم دین ہیں، درس و تدریس کے ساتھ لوح و قلم کا بھی پاکیزہ مشغلہ رکھتے ہیں، قبل ازیں ان کے گوہر بار قلم سے کئی مستند کتابیں وجود پذیر ہو کر عوام و خواص کی نظر میں قبولیت حاصل کر چکی ہیں مولانا موصوف نے جب پیش نظر کتاب کے بارے میں مجھ سے ذکر کیا تو میں نے دلی مسرت کا اظہار کیا، تہہ دل سے مبارکباد دی اور جلد از جلد اس کی تکمیل کی خواہش ظاہر کی، اور یہ بھی مشورہ دیا کہ تکمیل کے بعد محدث کبیر حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری مدظلہ کی خدمت میں پیش کر کے ان کی رائے لیکر کتاب کی اشاعت فرمائیں، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، اور حضرت مولانا تقی الدین صاحب مدظلہ نے کتاب کو دیکھ کر اپنے بڑے وقیع کلمات سے توثیق فرمائی، محدث وقت کی تحریر آنے کے بعد میری تحریر کی بالکل ضرورت نہ تھی لیکن مولانا کے اصرار کے پیش نظر چند سطریں سپرد قریطاس کی ہیں میرے خیال میں اس موضوع پر یہ سب سے پہلی کتاب ہے، کتنی باتیں ایسی رائج ہو چکی ہیں، جنہیں عام طور پر حدیث سمجھا جاتا ہے حالانکہ وہ حدیث نہیں ہیں، مولانا نے ایک نہایت ضرورت اور اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور ماشاء اللہ اس کا حق ادا کر دیا ہے اور سب سے بڑی خوبی کی بات یہ ہے کہ، جو کچھ لکھا ہے حوالوں کے ساتھ لکھا ہے تاکہ رجوع اور استصواب میں سہولت ہو میں دست بدعا ہوں کہ خدائے پاک ان کی دیگر کتابوں کی طرح اسے بھی قبولیت عامہ و تامہ سے نوازے، قارئین کو استفادے کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمائے، اور مؤلف کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین!

غلام محمد دستاوی

دفتر اہتمام جامعہ اکل کو/ ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ بوقت ۱۱ بجے دن

تقریظات و تاثرات

از

حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم

صدر شعبہ تخصص فی الحدیث درالعلوم دیوبند

(یہ کتاب ضرورت کی بروقت تکمیل ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العلمین، والصلوة والسلام علی سید

المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔ اما بعد!

قرآن کریم ہر دور میں تو اتر کے ساتھ منقول ہوتا چلا آ رہا ہے، جس کی وجہ سے کسی کے لیے قرآن میں کمی زیادتی اور تحریف و تبدل کرنا ممکن نہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث زیادہ تر اخبار و آحاد کے قبیل سے ہیں، جس کی وجہ سے مختلف طرح کے لوگوں نے مختلف اغراض کے لیے حدیثیں وضع کیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان باتوں کو منسوب کیا جو آپ نے نہیں فرمائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کے ضمن میں حدیث کی حفاظت کا بھی وعدہ فرمایا ہے، اس بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ایسے علماء، و حفاظ حدیث اور جرح و تعدیل کے ائمہ کو پیدا فرمایا، جنہوں نے تحقیق و تفتیش اور بحث و تمحیص کر کے تمام موضوع حدیثوں کو الگ کر دیا، اور پھر ان کو کتابوں میں مدون کر دیا، حدیث کو وضع کرنے والے لوگ مختلف اغراض کے لیے

وضع کیا کرتے تھے، جن میں ایک طبقہ واعظین و مقررین کا بھی تھا، وعظ و نصیحت دار آخرت کی تذکیر یقیناً لوگوں کی اصلاح کے واسطے ایک مطلوب اور پسندیدہ عمل ہے، لیکن اس کو انجام دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر علم بھی ہو، اسی کے ساتھ ساتھ تقویٰ، نیز صالحین، زاہدین اور اسلاف کے واقعات سے آگاہی بھی ہو، اور کیا چیز بیان کی جائے اور کیا چیز بیان نہ کی جائے اس کے بارے میں اس کو بصیرت بھی ہو تو یہ وعظ مفید ہوتا ہے، لیکن افسوس کہ ہر دور میں بیشتر واعظین ان صفات سے خالی رہے، اور اس دور میں تو واعظین کی کثرت، جلسے جلوس کی زیادتی، اور ”قلیل فقہاؤہم و کثیر خطباؤہم“ کا منظر ہے، اس طرح کے واعظین گھڑی ہوئی حدیثیں اور عجیب و غریب حکایات بیان کرنے لگے، جس کی وجہ سے بروقت ضرورت محسوس ہوئی کہ موضوع احادیث کو کتابوں سے نقل کر کے پوری تحقیق کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا جائے۔

مولانا رضوان الدین صاحب معروفی استاذ حدیث اشاعت العلوم اکل کو ا مہاراشٹرانے اسی احساس کے تحت سو ۱۰۰ سے زائد احادیث کو ”عمدة الاقوال فی تحقیق الابطاطیل“ کے نام سے ترتیب دی ہے، اور اس میں ہر حدیث کے سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ علماء کی تحقیقات کو ان کی کتابوں کے حوالہ کے ساتھ نقل کیا ہے، اسی طرح جو مضمون فی نفسہ صحیح ہے اور اس کو حدیث کے عنوان سے بیان کرنا صحیح نہیں ہے، اس کو بھی وضاحت کے ساتھ نقل کر دیا ہے، جس سے اس کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ موضوع حدیثوں کے بیان کرنے اور سننے سے اجتناب و پرہیز کی توفیق عطاء فرمائے، اور مولانا موصوف کو اس کا اجر عطاء فرمائے۔

نعمت اللہ اعظمی

حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی (نورہ اللہ مرقدہ)

صدر شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور

(مؤلف محقق کی یہ کتاب اپنے مقصد میں مایہ ناز کتاب ہے)

حامدًا و مصلیًا و سلمًا!

زیر نظر کتاب ”عمدة الاقوال فی تحقیق الأباطیل“ (غیر معتبر احادیث کی تحقیق) کو میں نے حرف بحرف پڑھا، پورہ معروف ضلع مئو کے ایک علمی خانوادہ کے ممتاز فرد عزیزم مولوی محمد رضوان الدین ولد مولانا محمد نعمان ولد مولانا ہدایت اللہ المعروف فی سلمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب اس مقصد سے لکھی گئی ہے کہ امت باخبر ہو جائے کہ وہ روایات جو عام طور پر اصلاحی پسند و نصائح پر مشتمل کتابوں میں موجود ہیں، یا غیر محتاط و اعظین کے بیانات و خطابات میں پائی جاتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں ہیں بلکہ بالارادہ یا بلا ارادہ دوسروں کی باتیں احادیث کے نام سے مشہور ہو گئی ہیں۔

مؤلف محقق نے اس کتاب میں پہلے قرآن و حدیث کی حفاظت کے سلسلے میں امت مرحومہ کی کوششوں کا ذکر کیا ہے، پھر جعلی اور بناوٹی احادیثوں کا کیسے چلن ہوا، اور اس کے کیا کیا اسباب تھے، اس پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے امت مرحومہ کے رجال کا رنے وضع اور تخلیق کے گھناؤنے اعمال کو کس طرح فرامین رسالت سے الگ فرمایا ہے، اور اس سلسلے میں علم اسماء الرجال، علم جرح و تعدیل کی بنیاد کس طرح پڑی یہ سب تفصیلات اس کتاب میں ہیں، آخر میں مصطلح الحدیث کی جزئیات کو بھی تفصیل سے ذکر کر دیا، کہ حدیث کسے کہتے ہیں، حدیث، سنت، خبر اور اثر کے درمیان کیا فرق ہے؛ اور خبر متواتر کے بعد خبر واحد کی کتنی اقسام

آتی ہیں، پھر مقبول حدیثوں کی کتنی قسمیں ہیں؛ اور مردود حدیثوں کی کتنی قسمیں ہیں، یہ سب تفصیلات اس مقدمہ میں آپ کو ملیں گی، جس کی ضرورت علم حدیث کے طلبہ کو ہمیشہ پڑتی ہیں، پھر اصل کتاب میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی موضوعات کبیر کی طرح الف بائی ترتیب سے موضوع احادیث کو ذکر کر کے علامہ سیوطی کے طرز پر مختلف الفاظ میں منقول شدہ روایات کو جمع کر کے حکم لگایا ہے، اس کی تعداد اگرچہ بظاہر ایک سو ایک ہیں مگر وہ جلی احادیث ہیں، یا جلی عنوانات ہیں، ورنہ کتاب میں اس سے بہت زیادہ حدیثیں آپ کو ملیں گی مثلاً حدیث نمبر ۵۹ چاول سے متعلق اس ایک نمبر کے ماتحت آٹھ حدیثیں ہیں؛ اور جیسے حدیث نمبر ۶۳ گلاب کے پھول سے متعلق ہے اس ایک نمبر کے ماتحت چار حدیثیں ہیں۔ اسی طرح اور بھی نمبرات کا حال ہے، کتاب کے یہ سب مشمولات و محتویات طبقہ اہل علم اور طالبان علوم نبوت کے لیے انشاء اللہ بہت مفید ثابت ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کو مزید علمی خدمات کرنے کی توفیق بخشے، اور حاسدین کی نگاہِ حسد سے عزیز موصوف کو محفوظ رکھے۔ والسلام فقط۔ زین العابدین الاعظمی

صدر شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور ساکن پورہ معروف ضلع متو/ (سابق اعظم گڑھ) ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ مطابق ۳۱ مارچ ۲۰۱۳ء

☆ حضرت والا نے سخت علالت کی حالت میں کتاب کے پورے مسودے پر نظر اصلاح ڈالی، اور کلمات دعاء و حوصلہ افزائی پر مشتمل گراں قدر تقریظ سے اس کتاب کی استنادی حیثیت کو وزن بخشا، مگر افسوس کہ آج جب یہ کتاب پریس کے حوالہ کی جا رہی ہے، حضرت والا ہمارے درمیان نہیں رہے بلکہ بتاریخ ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ بروز یکشنبہ بوقت ظہر تقریباً دو بجے ہم تشنگانِ علم و فن کو پیاسا اور یتیم چھوڑ کر اپنے رب حقیقی سے جا ملے۔

انا لله وانا اليه راجعون۔ اللهم اغفر له وارحمه وكنه الجنة!

حضرت مولانا عبداللہ صاحب معروفی مدظلہ العالی

استاد شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

(صحت و استناد کی ضمانت کے لیے مصنف کا نام ہی کافی ہے)

الحمد لله رب العلمین، و الصلاة والسلام علی رسولہ محمد،

و علی آلہ و صحبہ أجمعین. و بعد!

زیر نظر کتاب ”عمدة الأقاویل فی تحقیق الأباطیل“ (غیر معتبر احادیث کی تحقیق) کے مؤلف محترم حضرت مولانا رضوان الدین صاحب معروفی زید مجتہد، ایک مستند اور صاحب بصیرت عالم دین ہیں، مطالعہ کتب، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف ہی ان کی غذا اور شب و روز کا مشغلہ ہے، ملک کے مشہور ادارہ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوامہاراشٹرا کے شیخ الحدیث ہیں، بندہ ان سے نہ صرف واقف ہے، بلکہ ”معروفیت“ میں اشتراک کے ساتھ ”منتدی المتأدبین“ کے ایک رکن کی حیثیت سے عمر کا ایک معتد بہ حصہ مولانا کی رفاقت میں گزرا، اس دوران بہت سے مسائل میں مولانا موصوف سے تبادلہ خیالات ہوئے اور ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ مولانا اپنی اصابت فہم، وسعت مطالعہ اور ذوق تحقیق میں قابل رشک شخصیت کے مالک ہیں۔

کسی کتاب کی صحت و استناد کی ضمانت کے طور پر مولانا موصوف کا نام ہی بحیثیت مؤلف کافی ہے، کتاب کا موضوع جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، ان نصوص یا عبارتوں کی تحقیق ہے جو حدیث کے عنوان سے طبقہ علماء یا عوام میں زباں زد ہیں، اور ثبوت و استناد سے عاری

ہیں، اس طرح کی احادیث کی تحقیق کا کام ہر دور کے علماء و محدثین نے اپنے اپنے زمانے کے حالات اور تقاضوں کے مطابق انجام دیا ہے، جس کی تفصیل زیر نظر کتاب کے مقدمہ میں قارئین ملاحظہ فرمائیں گے۔

اس میں شبہ نہیں کہ دشمنان اسلام یا مسلم نما غیر مسلم جعل سازوں نے جہاں دین اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ خراب کرنے کی غرض سے حدیثیں گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلانے کی کوشش کی ہیں، وہیں بھولے بھالے بعض صالحین یا واعظین بھی شعوری یا غیر شعوری طور سے بزعم خود اس کارِ ثواب میں شریک ہو گئے ہیں، چنانچہ بعضوں نے یا تو خود ترغیب و ترہیب اور زہد و رقاق سے متعلق احادیث وضع کیں، یا دوسروں کی وضع کردہ احادیث کو کارِ ثواب سمجھتے ہوئے عام لوگوں میں پھیلانے کا کارنامہ انجام دیا۔

موجودہ زمانہ میں بھی بعض بھولے بھالے مسلمان شعوری یا غیر شعوری طور سے اس بلاء کے شکار ہو رہے ہیں، خاص طور سے دعوت و تبلیغ میں نکلنے والے وہ احباب جو صاحب علم نہیں ہوتے، اور بعض مصالح کی بناء پر انہیں ”دین کی بات“ کرنی پڑتی ہے، علم نہ ہونے کی وجہ سے بعض حکمت آمیز اقوال، یا تعجب خیز مضامین جو انہوں نے کبھی اپنے بڑوں سے سنے ہوتے ہیں بطور خوش گمانی انہیں حدیث شریف یا ”ایک حدیث جس کا مفہوم یہ ہے...“ کے عنوان سے بیان کر ڈالتے ہیں، جب کہ روایات میں دور دور تک ان کا نام و نشان نہیں ہوتا، اسی طرح بعض پیشہ ور قسم کے مقررین حضرات بھی بے سروپا باتیں اسٹیج پر بیان کر ڈالتے ہیں جو عوام کے لیے موجب فتنہ ہوتی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ ان بے سروپا باتوں میں سے بہت کچھ اس ذخیرہ سے ماخوذ ہوتی ہیں جو پہلے سے نقل ہوتا ہوا چلا آیا ہے، اور ماضی میں تصنیف شدہ ”کتب موضوعات“ یا ”

زباں زد احادیث کے مجموعوں“ میں اس کی تحقیق کر کے اس کا کھوٹا کھرا ہونا واضح کر دیا گیا ہے، اور بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں کہ کتب سابقین میں بھی ان کا کہیں ذکر نہیں ہوتا وہ نئے سرے سے بحث و تحقیق کی محتاج ہیں، اور پیش رو محدثین و ناقدین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان پر حکم لگانے کی ضرورت ہے، جو یقیناً ایک وقت طلب اور دیر طلب کام ہے۔

مؤلف محترم زید مجدہ نے پیش نظر کتاب کا جب تذکرہ کیا تو بندہ کو گمان ہوا کہ شاید موجودہ وقت کے تقاضے کے مطابق مذکورہ بالا دونوں قسموں پر مشتمل یہ کتاب ہو، مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ صرف پہلی قسم کی احادیث کا ایک مختصر مگر مفید انتخاب ہے، اور دوسری قسم کی احادیث شاید کسی اور موقع یا کسی اور مؤلف کے لیے رکھ چھوڑی گئی ہیں۔

اس مجموعہ میں جن موضوعات یا غیر معتبر احادیث کا مؤلف محترم نے انتخاب فرمایا ہے وہ اگرچہ ان عربی تصنیفات میں آچکی ہیں، جو ماضی میں اس طرح کی زباں زد باتوں کی تحقیق کے لیے تصنیف کی گئی تھیں، تاہم برصغیر کے اردو خواں طبقہ میں آج بھی عموماً بعض غیر محتاط علماء اور واعظین کے بیانات، یا مضامین و رسائل میں ان کا ذکر ہو جایا کرتا ہے، جن کے متعلق لوگ اہل علم کی جانب رجوع ہوتے ہیں، اور وقتاً فوقتاً دریافت کرتے رہتے ہیں، اس ضرورت کے پیش نظر مؤلف زید مجدہ نے اردو زبان میں یہ دل آویز مرقع ترتیب دیا ہے جو یقیناً لائق تحسین اور قابل استفادہ ہے۔

بہ خلوص دل یہ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف محترم کی اس سعی جمیل کو اپنی بارگاہ میں حسن قبول اور علمی و عوامی طبقہ میں عام مقبولیت نصیب فرمائے اور اپنی رضا کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

مفتی عبداللہ صاحب معروفی

خادم طلبہ شعبہ تخصص فی الحدیث دارالعلوم دیوبند

حضرت الاستاذ مولانا قاری ظفر الاسلام صاحب صدیقی مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم منو

(یہ کتاب مؤلف کی وسعتِ علم و قلم کی پختگی کا مظہر ہے)

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبی بعده. و بعد!

مولانا رضوان الدین صاحب معروفی زید فضلہ (شیخ الحدیث مدرسہ اشاعت العلوم اکل کوا) جن کے تبحر علمی پر عباقر علماء کی تقاریر موصوف کی تالیف ”اللؤلؤ والمرجان فی لطائف القرآن“ و ”الاکسیر فی قواعد التفسیر“ پر موجود ہیں، ان کتب کے مطالعہ سے مولانا کی وسعت علمی و قلم کی پختگی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، آں محترم نے ”عمدة الاقوال فی تحقیق الباطل“ (جس کا موضوع کتاب کے نام سے واضح ہے) ۲۱۰ صفحات پر محیط ۱۰۱ روایات کا جو یا تو موضوع ہیں یا ان الفاظ سے ثابت نہیں ہیں مستند مراجع و مأخذ سے جائزہ لے کر ایک عظیم علمی خدمت انجام دی، بلاشبہ آپ کی یہ خدمت لائق تحسین ہے، امید ہے کہ دیگر تالیفات کی طرح یہ کاوش بھی بنظر استحسان دیکھی جائے گی، دعا ہے کہ الہ العالمین اپنی شان کے اعتبار سے مؤلف کو اجر نصیب فرمائے اور اسے ذخیرہ آخرت بنائے ”اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه، اللهم وفقنا لما تحب وترضى“. آمین آمین یا رب العالمین!

ظفر الاسلام صدیقی

دارالعلوم منو پنی

حضرت الاستاذ مولانا مفتی انور علی صاحب اعظمی مدظلہ العالی

مفتی و استاد حدیث دارالعلوم منو

(یہ کتاب اہل علم کی آنکھوں کا سرمہ بنے گی)

حمداً و سلاماً. اما بعد!

حدیث کا فن بے انتہا وسیع ہے، حدیث کے اصول و فنون پر دسترس حاصل کرنا محنت شاقہ، طویل تدریسی تجربہ، اور وسیع مطالعہ کا متقاضی ہے، حدیث بیان کرنا بہت نازک کام ہے، اور بے حد احتیاط کو چاہتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بلا تحقیق کسی بات کی نسبت کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جو شخص جان بوجھ کر میرے طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔ (مقدمہ مسلم ص ۷)

بہت سے مقررین اور مؤرخین نادانستہ طور پر ایسی غلطیاں کرتے ہیں، اور بے بنیاد باتیں حدیث کے نام پر لوگوں میں رواج پا جاتی ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مشہور حدیث کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کی زبان پر مشہور ہو اور اس کی کوئی بنیاد ہی نہ ہو۔ (نخبۃ الفکر: ص ۱۳)

ایسی بہت سی باتیں عوام الناس میں بلکہ خواص میں بھی حدیث کے نام سے جاری و ساری ہیں لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث رسول نہیں ہیں۔

عزیز فاضل مولانا رضوان الدین معروفی شیخ الحدیث اشاعت العلوم اکل کو انے ایسی ہی احادیث پر ایک وقیع اور تحقیقی کام کیا ہے، موصوف کی یہ کتاب جو ”عمدة الاقوال فی تحقیق الأباطیل“ کے نام سے شائع ہو رہی ہے انشاء اللہ العزیز اہل علم کی آنکھوں کا سرمہ بنے گی، اور حدیث سے تعلق رکھنے والے حضرات اسے انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے، اصل کتاب اور اس کا مقدمہ دونوں بہت شاندار ہیں اور مفید معلومات سے بھرپور ہیں، اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ عزیز محترم کو حدیث شریف کی بڑی بڑی خدمت کے لیے شرف قبول عطا فرمائیں اور ان کی تصانیف کو قبول عام بخشیں۔

فقط والسلام

مفتی انور علی الاعظمی

خادم الحدیث الشریف و مفتی دارالعلوم مئو (یو پی)

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانیپوری مدظلہ العالی
مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات
(ایک کامیاب تالیف کی ساری خوبیاں اس کتاب میں موجود ہیں)
بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

احادیث مبارکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا مقدس روزنامہ ہے، اس کی اولین حفاظت کے لیے ایک ایسی جماعت کا انتخاب ہوا جو قوت حفظ، حب رسولؐ، ہمت و حوصلہ میں سب سے ممتاز تھی، وہ صحابہ کرامؓ کا گروہ عادل ہے، جو قمر نبوتؐ کے ارد گرد ہالہ لگائے رہا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول و فعل، عمل و کردار، نقل و حرکت، اخلاق و عادات، حتیٰ کہ حلیہ شریفہ کو محفوظ رکھا، اور بے کم و کاست بعد میں آنے والوں کو اس قدر دیانت و امانت سے حوالہ کیا کہ ”عدالت“ ان کی شناخت اور پہچان بن گئی۔

ان کے بعد حافظہ و ذکاوت میں بے نظیر صد ہا ایسے باہمت تازہ دم افراد پیدا ہو گئے جنہوں نے دنیا کا چپہ چپہ چھان مارا اور احادیث کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا۔

اس جماعت نے حفاظت حدیث اور اشاعت حدیث کے لیے سفر کی وہ طرح ڈالی کہ جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایک حدیث کے لیے میلوں کا سفر ان کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا، اس جفاکش گروہ نے صرف احادیث کی روایت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ درمیانی کڑیوں اور واسطوں کی بھی تحقیق کی، اور ان کی زندگی کو محفوظ کر لیا، ان

کے حالات زندگی میں عادات و اخلاق، قوت و ضعف، احتیاط و بے احتیاطی، دیانت و تقویٰ، علم و حافظہ کے متعلق مقدور بھر صحیح معلومات جمع کر لیں۔

محدثین کی اس معلومات نے قیامت تک کے لیے احادیث مقبولہ اور مردودہ کو علیحدہ کرنا آسان کر دیا، چنانچہ امام دارقطنیؒ اس علم رجال اور موہوبہ ملکہ اور فراست ایمانی کے بل بوتے پر کس قدر وثوق سے فرماتے ہیں۔ ”یا اهل بغداد لا تظنوا ان احدا يقدر ان يكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا حي“۔

(حاشیہ شرح نخبة: ص ۵۶)

وضاع بھی ایک سے بڑھ کر ایک پیدا ہوئے، ملا علی قاریؒ ”شرح نخبة الفكر: ص ۴۴۹“ پر جعفر بن محمد الطیالسی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے رصافہ کی مسجد میں نماز پڑھی، اور نماز کے بعد ایک قصہ گو کھڑا ہوا، اور کئی اوراق پر مشتمل حدیث اس سند سے سنائی: ”حدثنا احمد بن حنبل ويحيى بن معين قال حدثنا عبد الرزاق قال حدثنا معمر عن قتادة عن انس قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قال لا اله الا الله يخلق الله من كل كلمة منها طائراً منقاره من ذهب وريشه من مرجان..... الخ“ ادھر احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سراپہ تعجب بنے ہوئے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ: آپ نے اس شخص سے یہ بات بیان کی؟ دونوں نفی میں جواب دیتے ہیں، جب وہ شخص قصہ سنا کر تحفہ لے چکا تو یحییٰ بن معین نے اس کو بلایا، اور اپنا اور امام احمد کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ میں یحییٰ بن معین ہوں، اور یہ احمد بن حنبل ہیں، ہم نے تو اس قسم کی حدیث نہ سنی نہ بیان کی، تو اس نے کہا میں سنا کرتا تھا کہ یحییٰ بن معین احمق ہیں، واقعی وہ احمق ہیں، کیا تم دونوں کے علاوہ دنیا میں یحییٰ بن

معین اور احمد بن حنبل کوئی اور نہیں ہیں؟ میں نے سترہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے حدیثیں نقل کی ہیں، وہ شخص ان دونوں کا ٹھٹھا کرتا ہوا نکل گیا، علم رجال شناسی ہی کی وجہ سے حدیث کی درجہ بندی ہوئی، اور موضوع روایتوں کا پتہ لگایا جاسکا، اور اس قسم کے وضائیں حدیث کھل کر سامنے آگئے، الغرض محدثین کرام کا بڑا احسان ہے کہ انہوں نے بادیہ پیائی کرتے ہوئے لوگوں کے احوال کی جستجو کر کے ان کو قلم بند فرمادیا۔

واضعین اور احادیث موضوعہ اور اس کے متعلق ضروری معلومات عربی زبان میں پوری شرح و بسط کے ساتھ موجود ہیں، البتہ اردو زبان میں اس کتاب ”عمدة الاقوال فی تحقیق الأباطیل“ جیسی کوئی مفصل کتاب اب تک سامنے نہیں آئی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے مولانا محمد رضوان الدین صاحب معروفی مدظلہ (شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا) کو، کہ انہوں نے بعض غیر معتبر احادیث کی تحقیق علماء و خطباء، مبلغین و واعظین کے سامنے پیش فرمائی، اور اس پر ایک معلومات سے پر مبسوط و مرتب مقدمہ تحریر فرمایا، جس میں قارئین کے سامنے احادیث موضوعہ کے موضوع پر اور ضروری چیزیں یکجا پیش کر دیں۔

ایک کامیاب تالیف کے لیے جو چیزیں درکار ہوتی ہیں مواد، حسن ترتیب، حوالجات وغیرہ بحمد اللہ وہ اس میں موجود ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ آپ کی اس خدمت کو حسن قبول عطا فرما کر دیگر کتابوں کی طرح اس کتاب کو بھی علماء و طلباء اور دیگر قارئین کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔ آمین!

العبد احمد عفی عنہ خانپوری

۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

حضرت مولانا اعجاز صاحب اعظمی مدظلہ العالی

صدر المدرسین شیخ الاسلام اعظم گڑھ متوود مدیر مجلہ ”المآثر“ متو

(اردو زبان میں اتنا مفصل اور جامع مقالہ شاید کہیں موجود ہو)

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين و

على اله وصحبه اجمعين. اما بعد

دین اسلام کا آغاز اور اس کا ظہور عربی زبان میں ہوا، قرآن کریم عربی مبین میں نازل ہوا، اور ایسے اسلوب میں اور ایسی معنویت، اور داخلی و خارجی کمالات کے ساتھ نازل ہوا؛ نیز فصاحت و بلاغت کا وہ بلند مقام اسے حاصل ہوا کہ دنیا آج تک انگشت بدنداں اور سرگرمیاں ہے، اور کیوں نہ ہو، اللہ کا کلام ہے، اللہ کی صفت ہے، تو جس طرح اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے، ایسے ہی اس کا کلام بھی یکتا اور بے نظیر ہے۔

اسلامی علوم و معارف کا تمام تر ذخیرہ عربی زبان میں ہے، فرامین و ارشادات رسول عربی زبان میں ہیں، آثار صحابہ و تابعین عربی زبان میں ہیں، تفسیری کنوز و ذخائر عربی زبان میں ہے، حدیث رسول کے متعلقہ تمام علوم و فنون عربی زبان میں ہیں، علوم فقہ کے تمام شعبے عربی زبان میں ہیں، عربی زبان اسلام کی بنیادی زبان ہے، اس لیے فطری بات ہے کہ اسلام کے علوم و فنون کا تمام تر ذخیرہ عربی زبان میں ہوں۔

پھر جوں جوں اسلام کا حلقہ وسیع ہوتا گیا، دوسری زبانیں بھی اسلامی سرمایہ سے مالا مال ہوتی رہیں، بالخصوص فارسی زبان میں اس کا بڑا سرمایہ منتقل ہوا، مگر اردو زبان کی خوش بختی دیکھئے کہ اس کا وجود بہت بعد میں ہوا، ابھی چند ہی صدیاں گزری ہیں کہ یہ زبان

عہد طفولیت سے نکل کر نشوونما پاتے ہوئے عہد شباب تک پہنچی ہے، مگر دیکھا جائے تو عربی زبان کے بعد، اسلامی علوم و معارف کی سب سے زیادہ سرمایہ دار یہی اردو زبان معلوم ہوتی ہے، ہر علم و فن کا ذخیرہ اردو زبان میں موجود ہے، تفسیر قرآن سے متعلق احادیث رسول سے متعلق، فقہ اسلامی سے متعلق جو دین کے بنیادی علوم ہیں، اردو زبان میں ہر ایک کا معتد بہ ذخیرہ جگمگا رہا ہے، کسی کا بہت زیادہ کسی کا قدرے کم۔

تفسیر قرآن پر نظر کیجئے تو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کی تفسیر موضح القرآن سے شروع ہو کر موجودہ دور کے متعدد علامہ و مشائخ کی تفسیری کاوشوں، بالخصوص حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، اور حضرت مولانا ادریس کاندھلوی کی معارف القرآن اور مولانا عاشق الہی بلند شہری کی تفسیر انوار البیان تک ایک زبردست تفسیری سرمایہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے، لیکن بعض تفسیری نکات و دقائق جن کا تعلق زبان و بیان کی گہرائیوں سے ہے، حضرت علماء نے انہیں عربی زبان کے سفینوں میں ہی باقی رکھا اردو ایک اجنبی زبان ہے، ان نکات و دقائق کو اس زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی کیوں کہ اس کے مخاطب علماء ہیں، اور وہ عربی زبان میں دسترس رکھتے ہیں۔

اسی طرح حدیث کے متعلق بہت سے فنون اردو میں آچکے ہیں، مگر کچھ فنی چیزیں جن کا تعلق خاص اہل علم سے ہے، انہیں بھی عموماً اردو زبان میں منتقل نہیں کیا گیا، مثلاً اسماء رجال کا وسیع و غریض علم، عربی زبان کی ابھی تک امانت ہے، احادیث رسول کے بحرناپید اکنار میں ایک بڑا علم احادیث کی مختلف حیثیات کی معرفت ہے، جب کسی حدیث کا ذکر ہوتا ہے تو ذہن میں یہی بات راسخ ہوتی ہے کہ وہ ارشاد رسول ہے، مگر جاننے والے جانتے کہ کتنی ہی باتیں، لوگوں کی زبانوں پر، کتابوں کے دفاتر میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کر چل پڑی ہیں، حالانکہ تحقیق کے بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ ارشاد رسول نہیں ہے، ایسی

باتوں کا جاننا اہل علم کے لیے؛ بالخصوص عام اہل اسلام کے لیے بالعموم ضروری ہے، کیوں کہ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو، اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا سخت گناہ کبیرہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرمان دین ہے، اور جو کچھ آپ نے نہیں فرمایا ہے اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا گویا دین میں اضافہ کرنا ہے، اور یہ درحقیقت افتراء علی اللہ وعلی الرسول ہے، اردو زبان میں اس کی طرف پیش رفت کم ہوئی ہے، کیوں کہ اہل علم عربی زبان میں مہارت کی وجہ سے اصل بنیادی مراجع سے اس کو دریافت کر سکتے ہیں، لیکن اب جب کہ حدیث کا ایک بڑا ذخیرہ اردو میں آچکا ہے، ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اردو خواں طبقہ کو بھی اس کی واقفیت بہم پہنچائی جائے، تاکہ تمام اہل اسلام ایک بڑی غلطی سے محفوظ رہ سکیں۔

مولانا رضوان الدین معرونی سلمہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث جامعہ اشاعت العلوم اکل کووا کو تفسیر و حدیث کے ان خاص موضوعات کی طرف پیش رفت کی خصوصی توفیق اللہ کی جانب سے مرحمت ہوئی، انہوں نے تفسیری نکات و معارف اور اس کے حقائق و دقائق جن سے اردو زبان کا دامن خالی تھا بڑی خوبصورتی کے ساتھ اور عام فہم انداز میں ”اللؤلؤ و المروجان فی لطائف القرآن“ نامی کتاب میں اردو زبان میں انہیں تحریر فرمایا ہے، ایسے ایسے علوم و معارف جن سے علم و معرفت کی دنیا روشن ہوتی ہے، دل شاد ہوتا ہے، آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

اس خدمت کے بعد وہ احادیث رسول کے اس خاص عنوان کی طرف متوجہ ہوئے جس کا اوپر ذکر کیا گیا، اور انہوں نے ان احادیث کی تحقیق کا بیڑا اٹھایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کر رائج ہو گئی ہیں، حالاں کہ وہ کلام نبوت نہیں ہیں، انہوں نے اپنی اس تحقیق کے آغاز میں ایک مفصل اور مبسوط مقدمہ لکھا ہے جو بہت ہی معلومات افزا ہے، اس میں انہوں نے حفاظت حدیث پر مفصل گفتگو کی ہے، پھر حدیثیں گھڑنے کے آغاز، اس کے اسباب و محرکات پر تفصیلی کلام کیا ہے، پھر موضوع حدیثوں کی شناخت اور ان کی علامات پر بڑی جامع

بحث کی ہے، اردو زبان میں اس موضوع پر اتنا مفصل اور جامع مقالہ شاید کہیں موجود ہو۔
اس مفصل مقدمہ کے بعد ایک سو سے زائد ایسی روایتوں کی تحقیق کی ہے، جو حدیثوں کے نام سے رائج ہیں، مگر وہ حقیقت میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں، ہر ایک کی مکمل تحقیق کی ہے، اگلے پچھلے علماء و محدثین اور نقاد و اہل تحقیق کے حوالے سے کلام کو مدلل کیا ہے۔

یہ ایک بڑی محققانہ علمی و دینی خدمت ہے، مولانا موصوف قابل مبارک باد ہیں، اور حق تعالیٰ کا ان پر بڑا احسان ہے کہ انہوں نے حدیث پاک کی تدریس کے ساتھ اس اہم موضوع کو تحقیق و تنقید کا ہدف بنایا اور ماشاء اللہ ان سے یہ عظیم اور مفید خدمت کمال حسن و خوبی کے ساتھ لی گئی، اور کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دانستہ یا نادانستہ ایسی باتیں منسوب کی ہیں، جن سے آپؐ بری ہیں، تو حق تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو کھڑا کر دیا اور انہیں توفیق دی کہ اس غلط نسبت کی غلطی ظاہر کر کے آپؐ کی برأت کو واضح کریں۔

خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں ایک زندیق کو قتل کے لیے لایا گیا وہ کہنے لگا تم مجھے تو قتل کر دو گے، لیکن ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کر کے امت میں رائج کر دی ہیں، ہارون رشید نے جواب دیا اے دشمن خدا! تو ابواحق فزاری اور عبد اللہ بن مبارک سے بچ کر کہاں جاسکتا ہے، جو انہیں تحقیق کی چھلنی میں چھان کر ایک ایک حرف الگ کر دیں گے۔
غلط روایات کی غلطی واضح کر دینا ایک بڑی علمی دینی خدمت ہے، جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے مولانا رضوان الدین صاحب سلمہ کو عطاء فرمائی۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں اور انہیں علم و عمل اور روحانیت کے بلند درجات پر فائز کریں؛ اور امت کو ان کی خدمات سے بیش از بیش فائدہ پہنچائیں۔ آمین!
مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی

حضرت مولانا مفتی کوثر علی سبحانی صاحب مدظلہ العالی

استاذ حدیث مظاہر علوم قدیم سہارنپور

(اہل علم کے دل کو چھو لینے والا اور علمی تسکین پہنچانے والا قیمتی خزانہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه والصلاة والسلام على سيدنا و مولانا محمد سيد الأولين والآخرين وعلى آله الاطهار واصحابه الاخيار و اتباعهم الابدان الى يوم الدين. اما بعد !

اللہ تعالیٰ خالق الکائنات ہیں انسان تمام مخلوقات میں مکلف مخلوق ہے کہ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر چلے اس کے لیے ہر دور ہر زمانہ میں مختلف انبیاء مبعوث کئے گئے اور ان کو کتاب شریعت دی گئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور آپ کی کتاب قرآن تمام کتب سماویہ کے لیے تاسخ ہے، آپ کا دین اسلام آخری ابدی اور سرمدی دین قرار پایا، اس دین کا اصل ماخذ قرآن ہے مگر اس میں اجمال ہے اس کی تفسیر و تشریح حدیث ہے، زیادہ تر شریعت اسلامیہ کے احکام احادیث ہی سے ثابت ہیں، اسلئے حدیث دین اسلام کا بنیادی مصدر، حجت شرعیہ اور معیار حق ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس فن کے ساتھ افراط و تفریط کا معاملہ برتا گیا، تفریط یہ ہے کہ اس کی حجیت کا انکار کیا گیا، مگر حضور کے بعد بارہ سو سال تک مطلقاً انکار حدیث کا نظریہ کبھی بھی امت میں نہیں رہا، یہ صرف تیرویں صدی کی پیداوار ہے، جس کا بیج ہندوستان میں سرسید احمد نے مصر میں طہ حسین ترکی میں ضیاء گوک الپ نے ڈالی

غلام احمد قادیانی اور مولوی چراغ علی اسی بیج کی پیداوار ہیں، اور بعد میں عبد اللہ چکرا لوی نے اس میں پانی ڈالا، بعدہ اسلم جے راج پوری نے کھاؤ ڈال کر اس درخت کو سبزہ زار اور پائیدار بنادیا، اور اخیر میں غلام احمد پرویز نے اس نظریہ کی باغبانی کی، اور اس فتنہ کی باگ ڈور سنبھال کر مکمل طور پر کام کو آگے بڑھایا۔

لیکن ہمارے علماء نے ان کے نظریہ کی تردید کی اور ان کے اشکالات و تلبیسات کے جوابات میں مستقل کتابیں لکھیں، جیسے شیخ مصطفیٰ السباعی کی ”السنة و مکانتها فی التشریع الاسلامی“ (عربی) اور محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی نے ”نصرة الحديث“ کے نام سے اس موضوع پر عمدہ اور مستند کتاب تصنیف کی، الحمد للہ ان مخلصین حضرات کے کام کی برکت سے یہ فتنہ بہت جلد دب گیا، چند عصری تعلیم یافتہ لوگوں کے علاوہ اس نظریہ کو کوئی جانتا بھی نہیں بلکہ یہ فتنہ پاکستان کے بعض علاقوں میں رہ گیا۔

افراط یہ ہے کہ اصل حدیث میں غیر حدیث کا اختلاط کر دیا گیا، اصل وجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کا دستور ہے کہ جب کسی چیز کا چلن ہوتا ہے اور اس مال کا بازار گرم ہو جاتا ہے، تو بہت سارے دھوکہ باز کاروباری مارکیٹ میں آ جاتے ہیں، اور نقلی مال کے اوپر اصلی مال کا لیبل لگا کر نقل کو اصل کیساتھ ملا کر سپلائی شروع کر دیتے ہیں، اور اپنے غلط ایجنٹوں کے ذریعہ اتنا ڈور تانز کرتے ہیں کہ اصل نقل میں امتیاز ختم ہو جاتا ہے، اور اس سے صرف دنیوی معاملات متاثر نہیں ہوتے ہیں بلکہ دینی روایات و حکایات بھی اس سے دوچار ہوتے ہیں، مگر یہ شنیع کام پہلی صدی کے تقریباً نصف تک نہیں پایا گیا، کیوں کہ یہ دور صحابہؓ یا کبار تابعین کا ہے، (الصحابہ کلہم عدول) اور حضرات صحابہ بڑی دیانت داری و امانت داری اور حقیقت و یقین کے ساتھ روایت کرتے اور لیتے تھے بعض صحابہ خصوصاً حضرت عمرؓ تو روایت حدیث پر استخلاف کرتے

تھے، ابن ماجہ صفحہ ۴ باب التوقی فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عمرو بن میمون کی روایت ہے کہتے ہیں ”ما اخطانی ابن مسعود عشية خميس الا اتيته فيه قال فما سمعته يقول بشيء قط قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما كان ذات عشية قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فنكس قال فنظرت اليه فهو قائم محللة ازار قميصه قد اغرورقت عيناه وانفتحت اوداجه قال او دون ذالك او فوق ذالك او قريبا من ذالك او شبيها بذاك“۔

ترجمہ: کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے یہاں ہر جمعرات کی شام کو حاضر ہوتا، اس میں کبھی ناغہ نہ ہوا میں نے کبھی اس کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دفع کا واقعہ ہے کہ آپ کہنے لگے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ ابن مسعود سر جھکائے کہتے ہیں کہ پھر میں نے ان کو دیکھا کہ کھڑے تھے کرتے کی گھنڈیاں کھلی ہوئی تھیں، ان کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی اور گردن کی رگیں پھولی ہوئی تھیں اور کہہ رہے تھے آیا اس سے کم یا اس سے زائد یا اس کے قریب یا اس کے مشابہ۔

اور کبار تابعین کا حال صحابہ سے کچھ کم تر ہے مگر صحابہ کے تربیت یافتہ دین و ایمان کی سیانت کا داعیہ ان کے اندر اسی انداز سے کار فرما تھا، جو صحابہ میں تھا، اس لیے یہ طبقہ بھی وضع اور کذب حدیث سے محفوظ رہا۔

تیسرا طبقہ اوساط تابعین اور تبع تابعین کا ہے اس میں تھوڑا کذب کا ظہور ہوا اور مختلف اغراض کی بناء پر حدیث وضع کی گئی، جس کی وضاحت مؤلف گرامی قدر حضرت معروفی نے اس کتاب کے مقدمہ میں تفصیل سے کر دی ہے، البتہ صحابہ اور تابعین کے دور میں جو حدیث کی وضع کا قصہ پیش آیا ہے وہ مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائی ہے۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک یہ پاکیزہ دور وضع اور کذب سے سلامت رہا، جب حضرت علی کا دور خلافت آیا تو صحابہ کے درمیان مشاجرات و اختلاف پائے گئے تاریخ سے واقفین حضرات جانتے ہیں کہ اس کا اصل محرک اور فتنہ کا بانی عبد اللہ بن سبا یہودی تھا، چنانچہ اس نے تمام فتنہ انگیزیوں میں ایک فتنہ یہ بھی کھڑا کیا کہ حدیث گھڑنے کا کام شروع کر دیا چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں ”اول من کذب عبد اللہ بن سبا“ پر اس نے وضع حدیث کے لیے مختلف جماعت تشکیل دی، اور مختلف ممالک میں جا کر حدیثیں گھڑنے کا کام بڑی جرأت مندی سے انجام دیا خاص کر فرقہ روافض اس معاملہ میں پیش پیش تھے، خلیل کا بیان ہے کہ روافض نے حضرت علی اور ان کے اہل خانہ کے مناقب میں تقریباً تین لاکھ احادیث گھڑی تھیں۔

پھر اس کے بعد خوارج و شیعہ و دیگر فرقہ ضالہ نے بھی حدیث گھڑنے کا بازار گرم کر دیا، اور لاکھوں کی تعداد میں حدیثیں گھڑی گئیں، اور مسلمانوں میں کچھ بد دین اور بے عقل دینداروں نے غلط اغراض کے لیے حدیثوں کو گڑھا۔

ایسے نازک اور پر فتن دور میں اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسے رجال کار پیدا کئے جنہوں نے لاکھوں کی تعداد میں غیر صحیح احادیث یاد رکھیں، نقاد فن پیدا ہوئے جنہوں نے صحیح احادیث لاکھوں کی تعداد میں یاد کئے، جیسے ابو زرہ رازی امام بخاری سات لاکھ احادیث مع سند و متن کے یاد کر لیے تھے، حضرت امام احمد بن حنبل و امام مسلم تقریباً تین لاکھ احادیث مع سند و متن کے از بر یاد کر لیے تھے، اور فتنہ سبا سے بعد محدثین نے سند کی کڑی شرطیں لگا دیں چنانچہ امام مسلم مقدمہ مسلم میں فرماتے ہیں ”عن ابن سیرین قال لم یکنوا یستلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنۃ، قالوا سموا لنا رجالکم“ اسی طرح ابن مبارک کا قول

نقل فرماتے ہیں کہ ”الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء“

اور علماء محدثین نے علوم الحدیث میں ایک علم فن فن اسماء الرجال کی بنیاد ڈالی، اس فن کا مقصد راویان حدیث کے تدریس و تقویٰ اور تعدیل و تسقیم کے اعتبار سے ان کی زندگی کے حالات کی تحقیق کی جائے، تاکہ اس کی روشنی میں حدیث کی صحت و سقم اور حدیث کے مقبول و مردود ہونے کا درجہ متعین کیا جائے، اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت الہی کا ایک بڑا معجزہ ہے کہ ہمارے علماء و محققین و محدثین اور ناقدین فن نے ان گھڑی ہوئی حدیثوں کو یکسر نظر انداز نہیں کیا، بلکہ ان احادیث موضوعہ بھی تلاش کر کے ضخیم کتابوں کی شکل میں جمع کر دیا، تاکہ عام اہل علم جسکو تیقظ و بیداری کا وافر مقدار میں حصہ نہیں ملا، ان سے باخبر ہو کر دھوکہ میں آنے سے بچیں، چنانچہ علامہ ابن الجوزیؒ کی ”الموضوعات الکبریٰ“ اس سلسلہ میں سب سے بڑی کتاب ہے، علامہ سیوطیؒ کی ”اللائی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعات“ ملا علی قاریؒ کی اس سلسلہ میں دو کتابیں ”الموضوعات الکبریٰ“ اور ”المصنوع فی معرفة الموضوع“ ہے، شیخ محمد بن طاہر پٹنی گجراتی کی ”تذکرۃ الموضوعات“ علامہ ابن عراق کی ”تنزیہ الشریعة عن الاخبار الشنیعة“ علامہ شوکانیؒ کی ”الفوائد المجموعة“ اور علامہ قزوینی کی ”موضوعات المصابیح“ ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہمارے کرم فرما روح رواں مخدوم المکرم شیخ الجلیل محدث ذی شان حضرت مولانا محمد رضوان الدین المعروفی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوامہارشرکی زیر نظر کتاب ”عمدة الاقاول فی تحقیق الاباطیل“ جس کا اردو نام ”غیر معتبر احادیث کی تحقیق“ ہے، کتاب سے قبل حضرت مولانا مؤلف محقق نے ڈیڑھ سو صفحات میں ایک مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا ہے یوں تو علم حدیث مختلف الجہات علم ہے بلکہ

یہ صرف ایک علم نہیں بلکہ علوم الحدیث ہے، علامہ سیوطیؒ نے تدریب الراوی میں انواع علوم الحدیث کی تعداد اکیانوے (۹۱) تک پہنچائی ہے، ظاہر ہے کہ اس بحر بیکراں کو اس چھوٹے سے رسالہ میں کیسے لایا جاسکتا تھا، مگر اہل علم حضرات بنظر تفکر و تدبر اور چشم عدل سے اس مقدمہ پر نظر ڈالیں گے تو اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ سمندر کو کوزہ میں بھرا گیا ہے، فاضل گرامی القدر حضرت معرونی نے اس فن کی تقریباً ہر بحث کو چھیڑا ہے، تفصیل نہیں تو اجمال کو بڑے مدلل و مستند اور محقق انداز میں بیان فرمایا ہے اور اصل کتاب میں ایک سو ایک (۱۰۱) احادیث موضوعہ کو جمع کر کے ان تمام روایات کا حکم تحریر فرمایا ہے، اور اس حکم کو علماء محققین کی تحقیقات سے پیش فرما کر فاضلانہ و محققانہ دو ٹوک فیصلہ فرمایا ہے، ان احادیث کے مقابلہ میں اگر کوئی ان جیسی روایات صحیحہ ثابت شدہ ہیں تو انکی نشاندہی فرما کر ثابت و غیر ثابت میں خط امتیاز فرمایا ہے، اگر وہ حدیث موضوع کسی بزرگ کا مقولہ ہے تو اقاویل بزرگان کی نشاندہی فرما کر اس جعلی عنصر کو سنت نبوی سے اس طرح ممتاز کر دیا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو گیا، الغرض یہ کتاب علوم الحدیث کے اتھاہ ٹھاٹیں مارتا سمندر کے تہہ سے نکالا ہوا انمول موتی و بیش بہا خزانہ ہے طویل ابحاث سے نچوڑا ہوا خالص مغز ہی مغز ہے، مضمون کی شوکت، مرتب عناوین کی صولت، الفاظ کی بندش، جملوں کی ترتیب، محدثانہ تعبیرات کی برجستگی حشو و زوائد سے دور ہمہ جہتی جامعیت ہر موضوع کے مناسب موزوں و مستند حوالہ جات ہر اہل علم کے دل کو چھو لینے والا اور قارئین کو تسکین پہنچانے والا بیش بہا قیمتی خزانہ ہے، جی چاہتا ہے کہ کتاب کے ہر گوشہ پر تبصرہ کروں مگر بات سے بٹنگر ہوتے ہوتے بہت دور نکل گیا مڑ کر دیکھا تو مقالہ لمبا ہو گیا اصل بات لکھنے کی رہ گئی۔

حضرت مولانا معرونی صاحب نے اپنے مسودہ کا یہ نسخہ مظاہر علوم سہارنپور ارسال

فرمایا تھا، ایک حضرت مولانا زین العابدین صاحب کی خدمت میں، دوسرا میرے واسطے سے میرے مربی و مرشد شیخ الدنیا حضرت مولانا یونس صاحب جو نیور دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کرنے سے قبل اس ناچیز کو بھی فرمایا تھا کہ تم بھی دیکھ لینا اور کچھ لکھ دینا۔

حضرت شیخ کی خدمت میں میں نے پہلی مرتبہ پیش کیا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہاں رضوان کے اندر اس طرح کی اچھی صلاحیت ہے، اس پر میں نے کہا کہ حضرت کام میں تحقیق ہے، تو مسکرا کر فرمایا کیوں نہیں اس سلسلے کا اس کے اندر بہت اچھا ذوق ہے، ہاتھ میں لیکر الٹ پلٹ کر دیکھا اور خوش ہو کر فرمایا کہ اس کو اپنے پاس محفوظ رکھو جب نشاط ہوگا لکھ دوں گا، پھر جب میں نے دوبارہ پیش کیا تو فرمانے لگے کہ میں کیا لکھوں مجھے مضمون نگاری نہیں آتی، میں نے کہا کہ حضرت دعائیہ کلمات ہی تحریر فرمادیں، اس پر فرمایا بس کر میں اٹھ کر چلا آیا، پھر تیسری مرتبہ دو چار روز کے بعد مسودہ لے کر حاضر ہوا ہمت کر کے عرض کیا کہ حضرت مولانا معرونی صاحب کی کتاب ہے حضرت نے فرمایا ان سے کہہ دینا کہ اولاً تو میری طبیعت خراب ہے، لکھنے کی سکت نہیں، ثانیاً وقت نہیں ہے، مجھے چوں کہ سب سے زیادہ حضرت شیخ ہی سے ڈر لگتا ہے اسلئے کچھ مزید کہے بغیر واپس کمرہ میں آ کر مولانا معرونی صاحب کو فون پر تفصیل سے بتا دیا۔

حضرت مولانا نے کہا کہ تم ہی کچھ لکھ دو میں نے کہا کہ بڑے بڑے حضرات کی تائیدات سے کتاب کا وزن بڑھے گا اور مستند قرار پائے گی مجھ جیسے ظلوم و جہول ناکارہ کی بات کتاب میں شامل کرنے سے کتاب کی اہمیت گھٹ جائے گی، لیکن مولانا نے فرمایا کہ تم بھی بزرگوں کی مسند پر ہو، میرے دل میں اہمیت ہے جب ہی تو کہہ رہا ہوں لکھ دو، اس جملہ سے

حقیقت میں مولانا کی میرے دل میں بڑی قدر پیدا ہو گئی کہ بڑوں کا انداز ایسا ہی ہوتا ہے، یہ حضرات مخلصین اپنے چھوٹوں کو اسی انداز سے سراہتے ہیں، اور بڑھاتے ہیں۔

بہر حال حضرت مجھ سے علم و عمل اور عمر میں بھی بڑے ہیں، اسلئے میں ان کو استاذ جیسا سمجھتا ہوں اور حضرت کی تواضع ہے کہ وہ مجھے دوست بنا کر بے تکلفی سے رہتے ہیں (کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل نسیم صبح تیری مہربانی)

اسی طرح حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی صدر شعبہ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم دار جدید سہارن پور نے فاضل گرامی مؤلف مدظلہ کے متعلق یہ تاثراتی ارشاد فرمایا کہ ہمارے پورے معروف کے اچھے علماء میں ان کا نام نمایاں ہے، اور وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں، اسی طرح دو سال قبل جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے ختم بخاری شریف کی تقریب کے موقع پر حضرت مولانا معروفی مدعو تھے، دیگر علماء کا بھی بیان ہوا تھا، مگر یہاں کے طلبہ نے تاثرات پیش کیا کہ سب سے زیادہ وقیع اور تحقیقی کلام معروفی صاحب ہی کا تھا۔

ہمیشہ دل سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا معروفی صاحب کو صحت و عافیت کیساتھ زینہ بہ زینہ ترقی عطاء فرمائے، اور آپ کا سایہ تادیر امت مسلمہ پر ہمہ فیوض و برکات قائم و دائم رکھے۔

اور آپ کے اس علمی مجموعہ کو اور آپ کی دیگر تصنیفی و تدریسی و تقریری اور تحقیقی خدمات کو امت کے لیے نفع بخش اور فیض رساں اور آنجناب معروفی کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔
(آمین ثم آمین) وما توفیق الا باللہ!

العبد محمد کوثر علی سبحانی

خادم الحدیث جامعہ مظاہر علوم قدیم سہارن پور یو پی / ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ

پیش لفظ

از

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی رئیس المعهد العالی الاسلامی حیدر آباد
(اس کتاب نے ایک علمی خلاء کو پُر کر دیا)

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب (نساء: ۱۰۵) انسانیت کے لیے دستور حیات
(لقمان: ۵، ۳) اور کامیابی کی کلید (اعراف: ۱۵۷) ہے، اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ
تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے رکھی ہے، (حجر: ۹) البتہ قرآن مجید کی تشریح و تفسیر، اس کے اسرار و
رموز کی تفہیم، اس کے اصول و کلیات کی وضاحت اور اس کے معانی و مراد کا بیان جناب محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ رکھا گیا ہے، (النحل: ۴) اس طرح خالق کائنات نے
قرآن مجید کے ضمن میں خود حدیث و سنت کی حفاظت کی بھی ذمہ داری لے لی ہے، یہی وجہ
ہے کہ من جانب اللہ اس کی حفاظت کے لیے ایسے قدرتی عوامل اور طبعی اسباب و محرکات وجود
میں آئے کہ انسانی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، چنانچہ فن کتابت اور اس
کے اصول و ضوابط، الفاظ کے درست تلفظ و ضبط کے قاعدے، کسی خبر کے قبول و رد کئے جانے
کے معیارات، تنقید نگاری کی خد و خال، سوانح نگاری کی طریقے وغیرہ، کتنے ہی علوم و فنون ہیں
، چودر اصل حدیث نبوی کی رہن منت ہیں۔

اسی طرح اسماء الرجال کے ذریعہ ہزاروں راویوں کے اخلاق و کردار، تعلیم و تربیت،
فہم و فراست اور ذہانت و ذکاوت سے متعلق تفصیلات اس دقت نظر اور باریک بینی کے ساتھ جمع

کردی گئی ہیں، کہ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں حکومتیں بھی اپنے شہریوں کے حالات اس طرح جمع نہیں کر سکتیں، اعداء اسلام بھی اس عظیم خدمت پر حیرت زدہ اور انگشت بدنداں ہیں، اور ان کی یہ حیرت بجا ہے، کیوں کہ دیگر مذاہب میں تو ان کے بنیادی صحائف کی بھی کوئی سند نہیں ہے۔

احادیث کی حفاظت و صیانت کے لیے دینی شرعی ہدایات بھی دی گئیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”انما یفترئ الذین لا یؤمنون بآیات اللہ وأولئک ہم الکاذبون“ (النحل: ۱۰۵) بہ زبان رسالت بھی اس جانب متوجہ کیا گیا، ارشاد ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کرنا عام لوگوں کی طرف منسوب کئے جانے کے برابر نہیں ہے ”ان کذباً علی لیس ککذب علی أحد“ (مسند ابی یعلیٰ ج ۲ ص ۲۵۷/ حدیث نمبر: ۹۶۶) اس جرم کی سنگینی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ مجھ پر جھوٹ باندھنے والے کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم تلاش کر لے ”من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار“ (مسند احمد ج ۳/ ص ۱۷۲؛ حدیث نمبر ۲۰۹) اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ درس گاہ نبوت کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ حدیث کی نقل و روایت میں بہت ہی محتاط اور نہایت ہی بیدار مغز تھے، امام ابن عدی (متوفی: ۳۶۵ھ) نے الکامل میں باضابطہ ایک عنوان: ”ابواب جامعۃ فی الکذب و تشدید العقوبۃ فیہ“ لگایا ہے اس کے تحت ۱۳۰ ابواب ذکر کئے ہیں، جس میں اس بابت روایات اور ان کے مضامین کو یکجا کر دیا ہے۔

ان سب کے باوجود عہد رسالت کے کچھ ہی سال بعد سے یہ ناروا کوشش کی گئی کہ نئی باتیں گھڑ کر ذخیرہ احادیث کو مشتبہ کر دیا جائے، ظاہر ہے اس کی زدِ براہِ راست قرآن مجید پر بھی پڑتی تھی، چنانچہ محدثین نے روز اول ہی سے حدیث میں حد درجہ احتیاط برتی، روایات کے عقیدہ اور فکر و نظر پر بھی نگاہ رکھی، ان کے اخلاقی حالات کا بھی ریکارڈ جمع کیا، ان کے

اساتذہ و تلامذہ کی فہرست بنائی، تاکہ روایت میں تسلسل کو جانا جاسکے، ہر لحاظ سے تحقیق و تفتیش کی اور جرح و تعدیل کے ضوابط کی روشنی میں ان کے قبول و رد کے پیمانے متعین کئے، خاص طور پر احادیث گھڑنے کے سلسلہ میں محدثین نے بہت سختی برتی، امام ابو محمد الجوینی (امام الحرمین کے والد) نے جان بوجھ کر حدیث وضع کرنے والے کو کافر اور سزائے قتل کا مستحق قرار دیا ہے، یہی رائے مالکیہ میں ابن عربی اور حنابلہ میں ابوالفضل ہمدانی کی ہے، حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اگر کوئی وضع حدیث کو جائز سمجھ کر وضع کرے تو وہ بلاشبہ کفر کا مرتکب ہے، یہ جمہور کی رائے ہے، اسی طرح اگر کسی راوی نے صرف ایک حدیث بھی وضع کی ہو تو محدثین توبہ کرنے باوجود اس کی روایت قبول نہیں کرتے، عبد اللہ بن مبارک کہتے ہیں ”من عقوبۃ الکذاب ان یرد علیہ صدقہ“ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں ”توبۃ فیما بینہ و بین اللہ تعالیٰ، ولا یکتب حدیثہ ابدًا“ اس سے محدثین کے منہج اور محتاط روش کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث کے مختلف ضمنی گوشوں اور انواع پر اہل علم نے قلم اٹھایا ہے، اور ایسا قیمتی سرمایہ پیش کیا ہے کہ نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور احساس ہوتا ہے کہ گویا یہ خود ایک مستقل فن ہے، ان ہی انواع الحدیث میں سے ایک نوع ”الوضع والوضاعون“ بھی ہے، محدثین نے اس موضوع پر پورا کتب خانہ تیار کر دیا ہے، بنیادی طور پر یہ دو طرح کی کتابیں ہیں، پہلی قسم وہ ہے جس میں محض کذاب اور وضع حدیث کرنے والے افراد کے تراجم و حالات ذکر کئے گئے ہیں، نیز بعض مصنفین نے ان کے ذیل میں چند وضع کردہ احادیث کی بھی نشاندہی کر دی ہے، امام بخاری کی کتاب ”الضعفاء“ امام نسائی کی ”الضعفاء والمترکون“ اور ابو علی سعید بن عثمان بن السکن کی ”الضعفاء والمترکون“ کا تعلق اسی قسم سے ہے، اگرچہ کہ ان حضرات نے موضوع روایات کا ذکر نہیں کیا ہے، اسی طرح ابو حاتم البستی (متوفی ۲۵۴ھ) کی کتاب ”

الضعفاء“ اور عقیلی (متوفی: ۳۲۳ھ) کی کتاب ”الضعفاء“ بھی اس موضوع پر اہم کتابیں شمار کی جاتی ہیں، اکاٹل لابن عدی ہے تو بنیادی مآخذ میں لیکن مؤلف نے اس میں کذاب و وضاع راویوں کے پہلو بہ پہلو متکلم فیہ راویوں کو ذکر کیا ہے۔

دوسری قسم ان کتابوں کی ہے جن میں موضوع روایات کو جمع کیا گیا ہے، محققین کا خیال ہے کہ اس موضوع پر سب سے پہلی کاوش امام حافظ ابوسعید محمد بن علی الاصبہانی الحنبلی (متوفی: ۴۱۴ھ) کی ہے، جو ”موضوعات النقاش“ سے مشہور ہے، علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے، مگر یہ کتاب اب مفقود کے درجہ میں ہے، دوسری اہم کتاب ابو عبد اللہ حسین بن ابراہیم جوزقانی (متوفی: ۵۴۳ھ) کی ”الاباطیل والناکیر“ ہے، جو جامعہ سلفیہ بنارس سے تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے، نیز اس موضوع پر سب سے جامع کتاب ”الموضوعات من الاحادیث المرفوعات“ ہے، یہ ابو الفرج ابن الجوزی کی مایا ناز تالیف ہے، اگرچہ اہل علم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ابن الجوزی نے اس کتاب میں تساہل سے کام لیا ہے اور بہت سی صحیح و حسن روایات کو بھی موضوع کے دائرے میں داخل کر دیا ہے، ان کے علاوہ دیگر اہم کتابیں حسب ذیل ہیں:

☆ اللآلی المصنوعة فی الاحادیث لموضوعة :

حافظ جلال الدین سیوطی (متوفی: ۹۱۱ھ)

☆ تنزیہ الشریعة المرفوعة عن الاخبار الشنیعة لموضوعة :

ابو الحسن علی بن محمد الکنانی (متوفی: ۹۶۳ھ)

☆ المصنوع فی معرفة الحديث الموضوع :

ملا علی قاری (متوفی: ۱۰۱۴ھ)

☆ الفوائد المجموعة فی الأحادیث الموضوعه :

علامہ شوکانی (متوفی: ۱۲۵۵ھ)

اردو زبان اپنے تحریری ذخیرہ، لیٹرچر کے تنوع اور اسلام کی ترجمانی کے اعتبار سے دوسری یا تیسری اہم زبان کہلانے کی مستحق ہے، لیکن احادیث موضوعہ اور روایات نامعتبرہ پر اس زبان میں بہت کم قلم اٹھایا گیا ہے، ضرورت تھی کہ حدیث کے اس اہم گوشہ پر بھی توجہ کی جاتی اور اس تشنگی کو دور کیا جاتا، اللہ کا شکر ہے کہ سن و سال کے لحاظ جو ان اور علم و فکر کے اعتبار سے بزرگ عالم دین محبت فی اللہ حضرت مولانا رضوان الدین معروفی زیدت حسانتہ نے اس جانب توجہ کی اور منتخب موضوع روایات جو عوام تو کجا خود علماء کی بھی زبان زد ہیں، کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور اسے اردو کا پیرہن عطا کرتے ہوئے بڑی سلیقہ مندی کے ساتھ ایک خلاء کو پر کیا ہے، نیز مؤلف نے کتاب کے آغاز میں ایک وسیع مقدمہ تحریر کر کے اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کا عمدہ تعارف کرایا ہے، اور وضع حدیث کے پس منظر اور اس سلسلہ میں اصول پر روشنی ڈالی ہے، جو بجائے خود اہل علم کے لیے ایک قیمتی سوغات ہے۔

شاید یہ شکوہ بیجا نہ ہو کہ موجودہ دور میں ضعیف اور نامعتبر احادیث کا موضوع افراط و تفریط کا شکار ہے، ایک گروہ احادیث کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ گویا اصل روایات کا نامعتبر ہونا ہی ہے، چنانچہ جن روایات کو بعض متشدد علماء رجال نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن بہت سے علماء نے مقبول و معتبر مانا ہے، یہ حضرات ان پر بھی ضعیف ہونے کا حکم لگا دیتے ہیں، بلکہ ایک ذہن یہ پیدا ہو رہا ہے کہ جو روایات صحیحین میں نہ ہوں، یا کم سے کم صحاح ستہ میں نہ ہوں، وہ قابل عمل نہیں ہیں، اسی طرح جس درجہ کا ضعف محدثین کے نزدیک فضائل کے باب میں برداشت کر لیا جاتا ہے، ان کو بھی موضوع کا درجہ دے دیا جاتا ہے، نیز حسن، ضعیف، اور

موضوع کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔

دوسری طرف یہ بھی ایک سچائی ہے کہ اچھے خاصے علم دین سے آراستہ، مسند ارشاد کو زینت دینے والے، مجالس وعظ کی آبرورکھنے والے، یہاں تک کہ کتب حدیث کے اساتذہ بھی فضائل و رذائل کے ذکر میں ایسی روایات نقل کر دیتے ہیں، جو موضوع یا حد درجہ ضعیف ہیں، اور ان کے ضعف کی طرف اشارہ تک نہیں کرتے، بلکہ اس بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ فلاں بزرگ سے سنا ہے اور فلاں بزرگ کی کتاب میں پڑھا ہے، یہ نہایت غیر محتاط اور مزاج شریعت سے نا آہنگ طریقہ ہے، محدثین کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے اساتذہ سے بے حد محبت کرتے اور اپنے مشائخ کا حد درجہ احترام کرتے، لیکن اس کے باوجود جہاں ان کی روایت میں سقم ہوتا وہ اس کے اظہار میں کبھی تکلف سے کام نہیں لیتے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تمام بزرگوں کی محبت سے مقدم ہے اور آپ کی عظمت تمام بزرگوں کی عظمت سے بڑھی ہوئی ہے، اور اس محبت و احترام کا تقاضہ ہے کہ ”موضوع“ ہی نہیں کوئی مشکوک بات بھی آپ کی طرف منسوب نہ کی جائے، نیز اس لیے بھی کہ آدمی کے جھوٹے ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بلا تحقیق نقل کر دے ”کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع“ (مقدمہ مسلم، حدیث نمبر ۷)۔

مصنف کی یہ کاوش ہو سکتا ہے کہ بعض ایسے لوگوں کو گراں گذرے جو اس طرح مواعظ و مجالس میں روایتیں نقل کرتے رہتے ہیں، لیکن دیانت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ مؤلف کی اس کوشش کو اپنے لیے نصیح و خیر خواہی سمجھیں اور اسے اپنے لیے آئینہ بنائیں، یہ بات بھی بہتر ہے کہ مؤلف گرامی نے جہاں کسی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، وہیں اگر اس مفہوم کی حامل کوئی مقبول و معتبر روایت موجود ہے تو اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے۔

مولانا معروفی نے اس سے پہلے بھی کئی اہم موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، خاص کر قرآن مجید کی مشکل التفسیر آیات پر ان کا کام بہت قابل قدر ہے، ان کی تحریریں یوں تو تمام لوگوں کے لیے افادیت کی حامل ہیں، لیکن خاص طور سے علوم اسلامی کے اساتذہ و طلبہ کے لیے بڑی ہی مفید اور نافع ہیں، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس تازہ کوشش کو بھی قبول فرمائے، اس کے نفع کو عام و تمام فرمائے اور مؤلف کے علم و تحقیق کا سفر ہمیشہ تعب و تھکن سے ناآشنا رہے۔

واللہ ہو المستعان!

۷ جمادی الاول ۱۴۳۲ھ

خالد سیف اللہ رحمانی

(ناظم: المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد و جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

۲۰ مارچ ۲۰۱۳ء

تقدیم

از

حضرت مولانا ڈاکٹر تقی الدین صاحب ندوی مظاہری دامت برکاتہم
سابق استاذ حدیث جامعۃ الامارات العربیہ المتحدہ، العین ابو ذہبی
(اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد!

اس وقت ہمارے سامنے مولانا محمد رضوان الدین صاحب معروفی کی کتاب
”عمدة الاقوال فی تحقیق الأباطیل“ (غیر معتبر احادیث کی تحقیق) ہے، اللہ تعالیٰ
نے غیبی نظام کے تحت قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، ارشاد باری ہے: ”انا نحن نزلنا
الذکر وانا له لحافظون“۔ (الحجر: ۹) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث قرآن مجید کی
شرح و بیان ہے، علامہ شاطبی فرماتے ہیں: ”فکان السنة بمنزلة التفسیر و الشرح
لمعانی أحكام الكتاب“۔ (الموافقات: ۴/۱۰)

سنت کتاب اللہ کے احکام کی معانی کے لیے تفسیر و شرح کا درجہ رکھتی ہے، اس لیے
حدیث کی حفاظت و صیانت کے لیے وہ سارے وسائل و اسباب اختیار کئے گئے جو اس عالم
میں ممکن ہو سکتے تھے، اس کی حفاظت کے لیے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کی کوششیں
صرف ہوئی ہیں، حافظ ابن حزم تحریر فرماتے ہیں کہ: ”پہلی امتوں میں کسی کو یہ توفیق نہیں ہوئی

کہ اپنے رسول کے کلمات کو صحیح صحیح ثبوت کے ساتھ محفوظ کر سکے، یہ صرف اس امت کا طغرائے امتیاز ہے کہ اس کو اپنے رسول کے ایک ایک کلمہ کی صحت و اتصال کے ساتھ جمع کرنے کی توفیق عطا ہوئی۔“ (الملل و النحل: ۲/۲۱)

اس عظیم کارنامہ کا اعتراف غیروں کو بھی ہے ڈاکٹر اسپنگر کہتا ہے کہ ”مسلمانوں نے علم حدیث کی حفاظت کے لیے اسماء الزجال کا فن ایجاد کیا، جس سے پانچ لاکھ انسانوں کے حالات محفوظ ہو گئے۔“ (محدثین عظام: ص ۴۸)

پوری دنیا کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات طیبہ بلکہ ہر اس چیز اور ہر اس شخص کے حالات کا جس کا ادنیٰ تعلق بھی آپ کی ذات مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی وہ انسانی تاریخ کا ایک عجوبہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روایت کرنے والے (یعنی راویان حدیث) کے پورے حالات قلم بند کئے، اس طرح ہزار ہا ہزار راویان حدیث کے بارے میں تحقیق و تفتیش کا اتنا زبردست رکارڈ جمع کیا گیا کہ دنیائے قدیم و جدید کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ہے۔

لیکن تقدیر الہی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر دور خلافت میں کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ فتنوں نے سر نکالا، حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ ”دور صحابہ میں بعد کے ادوار کے مقابل میں بہت کم فتنے تھے، لیکن جتنا زمانہ عہد نبوت سے دور ہوتا گیا، اختلاف و گروہ بندی کی کثرت ہوتی چلی گئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوئی بدعت کھل کر سامنے نہیں آئی، مگر ان کی شہادت کے بعد لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے، اور دو مقابل کی بدعتوں کا ظہور ہوا، ایک خوارج کی بدعت، جو (معاذ اللہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے تھے، دوسرے روافض کی بدعت جو حضرت علی کی امامت و عصمت کے مدعی

تھے، بلکہ روافض میں سے بعض ان کی نبوت کے اور بعض الوہیت تک کے قائل تھے۔

(المثقی فی منهاج الاعتدال: ص ۳۸۶)

اس کے بعد اسلام میں مختلف فرقوں کا ظہور ہوا، اور ان فرق ضالہ میں سب سے زیادہ وضع حدیث کا کام روافض نے انجام دیا، اس لیے محدثین نے فن اسماء الرجال ایجاد کیا، جرح و تعدیل کے درجات مقرر کئے گئے، اور حدیثوں کے جانچنے اور پرکھنے کے ایسے اصول بنائے کہ جس کی مثال دیگر پیغمبروں کی تاریخ میں نہیں ملتی، اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کی حفاظت کے لیے اصحاب بصیرت ائمہ و علماء کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کر دیا، جنہوں نے بتائید الہی کھرے اور کھوٹ کو الگ الگ کر دیا، خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں ایک زندیق کو لایا گیا، وہ کہنے لگا کہ: تم مجھے تو قتل کر دو گے، لیکن ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کر کے عام کر دی ہے، ہارون رشید نے فوراً جواب دیا ”فاین انت یا عدو اللہ عن ابی اسحاق الفزاری و ابن المبارک؟ ینخلانہا فیخر جانہا حرفاً حرفاً“

(معرفة علوم الحديث ص: ۳۶)

اے دشمن خدا، تو ابو اسحاق فزاری اور ابن مبارک سے بچ کر کہاں جاسکتا ہے، جو

ان کو چھلنی کی طرح چھان کر ایک ایک حرف نکال پھینکیں گے۔

آگے چل کر علمائے حدیث نے تاریخ، رجال حدیث اور جرح و تعدیل اور اس کے اصول و ضوابط پر مستقل کتابیں تالیف کیں، اسی طرح احادیث موضوعہ کے عنوان پر بھی بہت سی کتابیں تالیف کی گئیں، لیکن ضرورت تھی کہ اردو زبان میں ایک ایسی کتاب تالیف کی جائے جس میں اسناد کی اہمیت، رواۃ حدیث کے درجات، جرح و تعدیل کے اصول و ضابطے، احادیث موضوعہ کے پرکھنے کی علامات وغیرہ کو تفصیل سے بیان کیا جائے، اور ان کتابوں

سے احادیث موضوعہ کے ایک مجموعے کو اردو زبان میں منتقل کیا جائے، ان کے موضوع ہونے کا سبب بیان کر دیا جائے، اور ان رواۃ کا بھی ذکر کر دیا جائے جو موضوع حدیث بیان کرنے کے لیے مشہور و معروف ہیں، تاکہ اس سے ہمارے مدارس عربیہ کے طلباء کو پوری طرح روشناس ہونے کا موقع مل سکے، اور اس فن کی اہم کتابوں سے وہ متعارف ہو سکیں۔

اس ضرورت کے تحت فاضل گرامی مولانا رضوان الدین صاحب معروفتی (جو جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کو ا کے شیخ الحدیث ہیں) نے یہ کتاب تالیف کی ہے، مولانا ایک مدت سے تدریس و تالیف کے میدان میں کام کر رہے ہیں، اس لیے ان کو طلباء کی ضروریات کا پورا علم ہے، اس کتاب پر ایک نظر ڈال کر یہ اندازہ ہوا کہ مولانا نے اس موضوع پر پوری محنت و مستعدی کے ساتھ مواد اکٹھا کیا ہے، اور غالباً اردو زبان میں اپنی نوعیت کی یہ پہلی کتاب ہوگی جو وہ پیش کر رہے ہیں، ان شاء اللہ علماء و طلباء کے طبقہ میں یہ کتاب مقبول ہوگی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا موصوف کو دنیا و آخرت میں بہترین جزائے خیر عطا فرمائے، اور حدیث شریف کی خدمت کی سعادت کے شرف سے نوازے۔

و ما ذلک علی اللہ بعزیز!

۱۔ د۔ تقی الدین ندوی مظاہری

بانی و سرپرست جامعہ اسلامیہ، و مرکز الشیخ ابی الحسن الندوی

منظفر پور، اعظم گڑھ، یوپی

سابق استاذ حدیث جامعۃ الامارات العربیہ المتحدہ، العین

تاریخ: ۲۳ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۶ مارچ ۲۰۱۳ء

مقدمہ

عمدة الأقاویل فی تحقیق الأباطیل (غیر معتبر احادیث کی تحقیق)

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين، و

على آله واصحابه الطيبين.

تمہید:

دین اسلام اللہ رب العزت کا آخری اور سرمدی دین ہے، جو قیامت تک آنے والی نوع انسانی کی ہدایت کے لیے اتارا گیا ہے، اس دین کے احکامات و ہدایات کے لیے اللہ تعالیٰ نے دوسرے چشمے عطا فرمائے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اس دین کو چوں کہ تاقیامت باقی اور محفوظ رکھنا تھا، اس لیے اللہ رب العزت نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی چنانچہ فرمایا ”انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون“ (ہم نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) احادیث نبویہ قرآن کریم کی تشریح و تفسیر ہیں اس لیے قرآن کی حفاظت، حدیث کی حفاظت کو بھی متضمن ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی حفاظت کی نوعیت الگ الگ رکھی۔

قرآن کریم کو خداوند تعالیٰ نے اس طرح محفوظ رکھا کہ اس کے الفاظ و معانی، حروف و کلمات، حرکات و سکنات میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

احادیث کی حفاظت رجال و رواۃ کے ذریعہ فرمائی، اس لیے اس کے الفاظ اگرچہ بعینہ محفوظ نہ رہے، تاہم اس کا مفہوم و مضمون مکمل طور پر محفوظ رکھا ہے۔

باب اول

قرآن کی طرح احادیث کی حفاظت بھی نظام غیبی کے سائے میں

یہ بالکل بدیہی امر ہے کہ اگر کسی کو مکلف کیا جائے کہ دودھ پیو، کرسی پر بیٹھو تو وہاں دودھ اور کرسی کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ یہ حکم لغو قرار پائے گا، بل کہ اگر کسی ذی عقل و باشعور شخص کا حکم ہوگا تو اس کا حکم کرنا ہی دلیل ہے کہ وہ شی موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے جب ”لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ، اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول“ اور ”ما اتاکم الرسول فخذوه و ما نہا کم عنہ فسانتھوا“ جیسی آیات میں پوری انسانیت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کی اتباع کا حکم دیا ہے، تو یہی دلیل ہے کہ آخری انسان تک اور آخری زمانہ تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور آپ کا ہر قول و فعل محفوظ ہوگا۔

آیت کریمہ ”انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون“ میں ”الذکر“ سے صرف الفاظ قرآنی ہی نہیں مراد ہیں بل کہ الفاظ و معانی دونوں مراد ہیں، اور قرآن کے معانی کا ہی دوسرا نام ”حدیث“ ہے۔

کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری زندگی آیات قرآنیہ کی تبيين و تذکیر ہی میں

صرف فرمائی ہے اور یہی آپ کا فرض منصبی تھا، ارشادِ ربانی ہے ”وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم“ بل کہ اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ الفاظ کی حفاظت سے زیادہ اہمیت معانی کی حفاظت کو حاصل ہے، کیوں کہ الفاظ کا تحفظ تو معانی کے تحفظ کے لیے ہوا کرتا ہے۔ اب اگر معانی کے تحفظ کی ضمانت نہ ہو تو یقیناً معنوی تحریفات کو قرآن مجید میں راہ مل جائے گی، اور مرادِ الہی کو جاننا پھر اس پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے گا، پس اس عقلی پہلو سے بھی معانی قرآن (یعنی احادیث) کا تحفظ ضروری ہوا۔

حافظ ابن حزم، م ۴۵۷ھ لکھتے ہیں:

اہل لغت اور تمام علماء شریعت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو بھی وحی (خواہ متلو ہو یا غیر متلو جیسا کہ ”انزل اللہ علیک الکتب والحکمة“ میں دونوں کو ذکر فرمایا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی وہ اللہ کی طرف سے اتارا ہوا ذکر ہے، اور یہ پوری وحی الہی اللہ کی حفاظت میں ہے..... جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت حفاظت میں الذکر کا مصداق صرف قرآن کریم ہے اور وہ بھی الفاظ کی حد تک ان کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے جس پر کوئی دلیل نہیں..... لفظ الذکر کا مصداق ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی، خواہ وہ الفاظ ہوں یا معانی قرآن ہوں یا سنت، دونوں وحی الہی ہیں۔ قرآن کی مراد سنت ہی سے تو واضح ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ آیت کریمہ کے مصداق میں احادیث کا تحفظ بھی داخل ہے، رہ گئی یہ بات کہ احادیث کس طرح محفوظ رہیں تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ”سنت کا ذخیرہ مجموعی طور پر محدثین کے پاس موجود ہے گو بعض محدثین کے ہاں زیادہ اور بعض کے ہاں کم، لیکن اگر تمام محدثین کی حدیثوں کو یکجا کیا جائے تو سنت کا پورا ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے، ہاں ہر محدث کی جمع

کردہ احادیث کو الگ الگ لیا جائے تو ہر محدث سے کچھ نہ کچھ حدیثیں رہ گئی ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو حدیثیں ایک محدث سے رہ جاتی ہیں وہ دوسرے کے ہاں مل جاتی ہیں۔

(الرسالہ: ۴۳)

حفاظت حدیث کے بعض اہم اسباب و عوامل

پھر اللہ نے احادیث کی حفاظت کے اسباب و عوامل بھی اس کے شایان شان مقدر فرمایا مثلاً:

(۱) قرآن مجید نے مختلف آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو اپنانے کا حکم دیا جو خود حفاظت حدیث کا ایک بڑا اہم اور مستقل ذریعہ ہے ”لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ“ (سورۃ الاحزاب: آیت ۲۱)

ترجمہ: تم لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے۔

”ما اتاکم الرسول فخذوه وما نہکم عنہ فانتہوا“ (سورۃ الحشر: آیت ۷)

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم کو جو کچھ دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز سے تم کو روک دیں تم رک جایا کرو۔

(۲) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث کو محفوظ رکھنے، دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری دی مثلاً فرمایا ”بلغوا عنی ولو آیۃ“ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: میری ایک بات بھی تم کو معلوم ہو تو اس کو دوسروں تک پہنچاؤ۔

وقال ایضاً ”ان الناس لکم تبع وان رجلاً یاتونکم من اقطار الارض

یتفقہون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوا بہم خیراً“۔ (جامع ترمذی)

ترجمہ: لوگ تمہارے پیچھے آئیں گے بلاشبہ تمہارے پاس اطرافِ عالم سے دین سیکھنے کے لیے آئیں گے، یہ لوگ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔
(۳) کتمانِ علم کی وعیدوں کے ذریعہ سے اس کی حفاظت اور تبلیغ کی طرف متوجہ کیا گیا، مثلاً ارشادِ نبوی ہے ”مَنْ سَأَلَ عَنْ عِلْمِهِ ثُمَّ كَتَمَهُ الْجَمُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَلْجَامٍ مِنْ نَارٍ“۔ (جامع ترمذی ۳۹/۲)

ترجمہ: جس آدمی سے کوئی علمی بات پوچھی جائے پھر وہ اسکو چھپائے، تو قیامت کے دن اس کو آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

اس لیے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ”لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمَامَةَ عَلَى هَذِهِ (وَإِشَارَ إِلَى قَفَاهُ) ثُمَّ ظَنَنْتُمْ أَنِّي أَنْفَذْتُ كَلِمَةَ سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ أَنْ تَجِيزُوا عَلِيَّ لَا نَفَذْتُهَا“۔ (صحیح بخاری)

ترجمہ: کہ اگر تم میری گردن پر یہ تلوار رکھ دو اور اس وقت مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی ہوئی حدیث یاد آجائے اور مجھے یہ خیال ہو کہ تمہاری تلوار چلنے سے پہلے ہی میں یہ حدیث سنا سکوں گا تو ضرور سنا دوں گا۔

(۴) کذب فی الحدیث کی وعید سے ڈرایا گیا مثلاً ”مَنْ كَذَبَ عَلَى مَتَعَمَدًا فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ“۔ (صحیح بخاری)

(۵) صحابی میں (جو احادیث کے اولین محافظین ہیں) عدالتِ تامہ اور ضبط و اتقان کی قوت کاملہ کا ہونا۔

(۶) پھر بعد کے اولین محدثین کو بھی حیرت انگیز بے مثال قوت حافظہ کا نصیب ہونا۔

(آثار الحدیث)

حفاظت حدیث کے تین بنیادی ذرائع

عہد رسالت اور عہد صحابہ میں حفاظت حدیث کے لیے تین طریقے استعمال کئے گئے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حفظ روایت

حفاظت حدیث کا پہلا طریقہ احادیث کو یاد کرنا ہے، اور یہ طریقہ اس دور کے لحاظ سے انتہائی قابل اعتماد تھا۔ اہل عرب کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظے عطاء فرمائے تھے، وہ صرف اپنے ہی نہیں بلکہ اپنے گھوڑوں تک کے نسب نامے از بر یاد کر لیا کرتے تھے، ایک ایک شخص کو ہزاروں اشعار حفظ ہوتے تھے، اور بسا اوقات کسی بات کو صرف ایک بار سن کر یاد رکھ کر پوری طرح یاد کر لیتے تھے، تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن میں سے دو یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت جعفر بن عمرو الضمری بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ عبید اللہ بن عدی بن الخیار کے ساتھ حضرت وحشیؓ سے ملنے گیا، عبید اللہؓ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ تو حضرت وحشیؓ نے فرمایا کہ میں آپ کو پہچانتا تو نہیں البتہ مجھے اتنا یاد ہے کہ آج سے ساہا سال پہلے میں ایک دن عدی بن الخیار نامی ایک شخص کے یہاں گیا تھا، اس دن عدی کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا تھا، میں اس بچہ کو چادر میں لپیٹ کر اس کی مرضعہ کے پاس لے گیا تھا، بچہ کا سارا جسم ڈھکا ہوا تھا، صرف پاؤں میں نے دیکھے تھے تمہارے پاؤں اس بچہ کے پاؤں کے ساتھ بہت مشابہ ہیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جو قوم اتنی معمولی باتوں کو اتنے وثوق کے ساتھ یاد رکھتی ہو وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال یاد رکھنے کا کتنا اہتمام کرے گی، جب کہ وہ انہیں اپنے لیے راہ نجات سمجھتے ہوں، خاص طور سے جب کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے سامنے آچکا تھا کہ ”نَصْرُ اللَّهِ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفَظَهَا وَوَعَاَهَا وَادَاهَا... الخ“ (رواہ الشافعی والبیہقی فی المدخل ورواہ احمد والترمذی و ابو داؤد وابن ماجہ والدارمی عن زید بن ثابت مشکاة المصابیح کتاب العلم الفصل الثانی ج ۱، ص ۳۵) چنانچہ یہ بات واضح ہے کہ صحابہؓ نے اس کا حیرت انگیز طور پر اہتمام کیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب ”الاصابة“ میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ عبد الملک بن مروان نے حضرت ابو ہریرہؓ کے حافظہ کا امتحان لینا چاہا اور انہیں بلا کر احادیث بیان کرنے کی درخواست کی، حضرت ابو ہریرہؓ نے بہت سی احادیث سنائیں ایک کاتب ان کو لکھتا رہا، یہاں تک کہ حضرت ابو ہریرہؓ چلے گئے، عبد الملک نے اگلے سال انہیں بلوایا، اور ان سے کہا کہ جو احادیث آپ نے پچھلے سال لکھوائی تھیں وہی احادیث اسی ترتیب کے ساتھ سنائیں، حضرت ابو ہریرہؓ نے پھر احادیث سنانی شروع کیں، کاتب اپنی کتاب سے ان کا مقابلہ کرتا رہا، کسی جگہ ایک حرف ایک نقطہ ایک شوشہ کی تبدیلی نہیں کی، انتہاء یہ کہ ترتیب بالکل وہی تھی، اور کوئی حدیث مقدم و مؤخر نہیں ہوئی۔

اس قسم کے حیرت انگیز واقعات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو غیر معمولی حافظے صرف حفاظت حدیث کے لیے عطاء فرمائے تھے، بلاشبہ ایسے حافظے حدیث کے لیے اتنے ہی قابل اعتماد ذرائع ہیں جیسے کتابت۔

(۲) تعامل بالروایۃ:

حفاظت حدیث کا دوسرا طریقہ جو صحابہؓ نے اختیار کیا تھا وہ تعامل تھا، یعنی وہ آپؐ کے اقوال و افعال پر بجنسہ عمل کر کے اسے یاد کرتے تھے، بہت سے صحابہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے کوئی عمل کیا اور اس کے بعد فرمایا ”ہکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل“ یہ طریقہ نہایت قابل اعتماد طریقہ ہے، اس لیے کہ جس بات پر انسان خود عمل کرے وہ ذہن میں ”کالنقش علی الحجر“ ہوتی ہے۔

(۳) کتابت روایت:

احادیث کی حفاظت کتابت کے ذریعہ سے بھی کی گئی، اور تاریخی طور پر کتابت حدیث کو چار مراحل پر تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- (۱) متفرق طور سے احادیث کو قلمبند کرنا۔
 - (۲) کسی ایک شخصی صحیفہ میں احادیث کو جمع کرنا، جس کی حیثیت ذاتی یادداشت کی ہو۔
 - (۳) احادیث کو کتابی صورت میں بغیر تبویب کے جمع کرنا۔
 - (۴) احادیث کو کتابی صورت میں تبویب کے ساتھ جمع کرنا۔
- عہد رسالت اور عہد صحابہؓ میں کتابت کی پہلی دو قسمیں اچھی طرح رائج ہو چکی تھیں اسی لیے عہد صحابہؓ میں مجموعہ احادیث کے کئی صحیفے پائے جاتے تھے، مثلاً:

- (۱) الصحیفة الصادقة: یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی احادیث کا مجموعہ تھا۔
- (۲) صحیفة علیؓ: حضرت علیؓ کا یہ صحیفہ ان کے تلوار کی نیام میں رہتا تھا، اس میں دیات اور معاقل، فدیہ اور قصاص، احکام اہل ذمہ، نصاب زکاۃ اور مدینہ طیبہ کے حرم ہونے

سے متعلق ارشاداتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم درج تھے۔

(۳) کتاب الصدقة: یہ ان احادیث کا مجموعہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود املاء کرائیں تھیں اس میں زکاۃ و صدقات اور عشر وغیرہ کے احکام تھے۔

(۴) صحف انس بن مالک

(۵) صحیفہ عمرو بن حزم: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو نجران کا عامل بنا کر بھیجا تو ایک صحیفہ ان کے حوالہ کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر مشتمل تھا، اور اسے حضرت ابی بن کعبؓ نے لکھا تھا۔

(۶) صحیفہ ابن عباس: طبقات ابن سعد میں حضرت کریب بن ابی مسلم کا (جو ابن عباس کے مولیٰ تھے) یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ انہیں حضرت ابن عباسؓ کی کتابوں کا اتنا ذخیرہ ملا تھا، جو پورے ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔

(۷) صحیفہ ابن مسعود: علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب ”جامع بیان العلم و فضله“ میں نقل کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن مسعودؓ نے ایک کتاب نکالی اور فرمایا میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ عبداللہ بن مسعود کی لکھی ہوئی ہے۔

(۸) صحیفہ جابر بن عبد اللہ

(۹) صحیفہ سمرہ بن جندب

(۱۰) صحیفہ سعد بن عبادہ

(۱۱) صحف ابو ہریرہ، وغیرہ۔

(مقدمہ درس ترمذی)

عہد نبوی اور حفاظت حدیث

احادیث کے اولین رواۃ صحابہ کرامؓ کا مقدس گروہ ہے، جن کی عدالت کی گواہی قرآن کریم اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے ”الصحابۃ کلہم عدول“ امت کا اجماع عقیدہ ہے صحابہ کرامؓ احادیث کے تعلق سے بہت ہی محتاط تھے، ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ”من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار“ نے انہیں اور ہی زیادہ محتاط بنا دیا تھا، یہ حدیث صحابہ کرامؓ کے درمیان بہت مشہور تھی، بقول حافظ عراقی ستر سے زائد صحابہ اس کو نقل کرنے والے ہیں۔ (تدریب)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ حدیثیں سنتے اور اسے دوسروں تک پہنچا دیتے، اور کبھی زید اطمینان و تقویت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی تحقیق بھی کر لیتے تھے، کہ فلاں بات کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے؟

حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضرت علیؓ یمین سے ہدی کے اونٹ لے کر آئے تو دیکھا کہ حضرت فاطمہؓ نے احرام کھول دیا اور رنگین کپڑے پہن رکھے ہیں اور آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے، پوچھا یہ سب کیوں کر رکھا ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ میرے ابا جان نے مجھے اس کا حکم دیا ہے، حضرت علیؓ نور اس کی تحقیق کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے فرمایا ”صدقت صدقت“۔ (مسلم الحج، حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۲۳۷)

اس طرح کی اور بھی مثالیں موجود ہیں۔ صحابہ عادل ہونے اور ایک دوسرے پر اعتماد کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراجعت کیا کرتے تھے۔

عہد صحابہ اور حفاظت حدیث

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی صحابہؓ احادیث کے تعلق سے نہایت محتاط رہے، اس دور میں کذب بیانی نہیں تھی، پھر بھی صحابہ کرامؓ حدیث کے باب میں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے، ابن حبانؒ نے کتاب المحرر و جین کے مقدمہ میں اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابودرداءؓ، اور ابومسعود انصاریؓ کو بلا بھیجا، اور ان کو سرزنش کرتے ہوئے کہا ”ما هذا الحديث الذي تكثرون عن رسول الله صلى الله عليه وسلم“ (کہ تم اتنی کثرت سے حدیثیں کیوں بیان کرتے ہو) چنانچہ ان حدیثوں کی تحقیق ہونے تک (یعنی گواہ ملنے تک) ان کو مدینے ہی میں روکے رکھا۔ (المحروحين: ج ۱/ ص ۳۵)

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے مکان پر گئے، طلب اجازت کے لیے دروازے کے باہر سے تین بار سلام کیا لیکن کوئی جواب نہیں ملا تو آپ لوٹ آئے، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ ابوموسیٰ اشعریؓ آئے تھے اور لوٹ گئے، آپ نے ایک شخص کے ذریعہ ان کو بلوایا، آنے کے بعد آپ نے پوچھا کہ تم کیوں لوٹ گئے تو ابوموسیٰ اشعریؓ نے کہا ”سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا سلم احدكم ثلاثا فلم يرجع فليرجع“ یعنی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کسی کے پاس جاؤ اور تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد جواب نہ ملے تو واپس ہو جاؤ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے سخت لب و لہجہ میں فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے تو اس پر کوئی شہادت لاؤ ورنہ نتیجہ بھگتنے کے لیے تیار رہو، روایت کے الفاظ ہیں:

”قال لتاتينى على ذالك بينة او لا فعلن بك“ یعنی کوئی دلیل لاؤ ورنہ جو کچھ کروں گا دیکھو گے۔

ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ ابو موسیٰؓ ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ ان کا چہرہ فق تھا، رنگ اڑا ہوا تھا، ہم کئی افراد بیٹھے ہوئے مصروف گفتگو تھے، ہم نے ان سے پوچھا ابو موسیٰ! خیریت تو ہے، کیا پریشانی ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ لوگوں میں سے کسی نے رسول اللہ کی یہ حدیث سنی ہے، اتفاق سے جتنے لوگ بیٹھے ہوئے تھے سب نے کہا کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے، اور جب حضرت ابوسعید خدریؓ نے حضرت عمر کے پاس جا کر شہادت دی تب حضرت عمرؓ نے ہوئے اور فرمایا ”لم اتهمك لكن احبت ان اثبت“ یعنی میں تم پر غلط بیانی کا الزام نہیں لگاتا، میں نے چاہا کہ بات بالکل پختہ ہو جائے۔

(بخاری کتاب الاستیذان باب التسليم والاستیذان ثلثا،)

ابن ماجہ اور مستدرک حاکم وغیرہ کی روایت ہے قرظہ بن کعبؓ فرماتے ہیں، ہم عراق کے لیے روانہ ہوئے تو امیر المؤمنین حضرت عمرؓ مقام ”صرار“ تک ہمارے ساتھ چلے پھر کہا تم جانتے ہو میں تمہارے ساتھ کیوں آیا ہوں؟ ہم نے کہا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب و انصار ہیں اس لیے آئے ہیں، آپؓ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ ایک بات بتانے کے لیے آیا ہوں تاکہ تم میرے آنے کی وجہ سے اسے محفوظ رکھو، اور بھول نہ جاؤ وہ یہ ہے کہ تم ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جنہیں قرآن سے تعلق ہے، تم جا کر پہلے حدیثیں مت بیان کرنے لگنا کہ وہ تمہیں اسی میں مشغول رکھیں گے، تم انہیں اچھی طرح سے قرآن پڑھنا سکھانا، جاؤ میں تمہارے ساتھ ہوں، قرظہ بن کعبؓ کہتے ہیں کہ وہاں جانے کے بعد جب لوگوں نے حدیثیں بیان کرنے کی درخواست کی تو ہم نے کہا امیر المؤمنین نے منع کیا ہے۔

(سنن ابن ماجہ مقلعہ التوقی فی الحدیث ۳۸؛ مستدرک حاکم: ۱/۲۳۹/رقم الحدیث ۳۱۹ و قال صحیح الاسناد)

اسی طرح حضرت علیؑ کا معمول تھا کہ حدیث بیان کرنے پر قسم لیا کرتے تھے۔

(کتاب المجروحین: ج ۱/ ص ۳۷)

اسی احتیاط کے پیش نظر بعض صحابہؓ نے حدیث بیان کرنا ہی چھوڑ دیا تھا، حضرت زید بن ارقمؓ سے لوگوں نے حدیث بیان کرنے کی درخواست کی تو کہا ”کبرنسا ونسینا و الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید“ (ہم بوڑھے ہو گئے اور بھول گئے اور حدیث رسول کا معاملہ نازک ہے)۔

شععیؓ فرماتے ہیں میں حضرت ابن عمرؓ کے یہاں ایک سال تک رہا، مگر ایک حدیث بھی بیان کرتے ہوئے ان سے نہیں سنا۔

(ابن ماجہ مقدمہ التوقی فی الحدیث ۲۶؛ سنن الدارمی مقدمہ / من ہاب الفتیا: ۲۷۹)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر باش خادم تھے اور ذہانت و فطانت میں بے مثال تھے، صحابہ کرامؓ کے درمیان ان کا علمی مقام تھا ان کے بارے میں عمرو بن میمونؓ فرماتے ہیں کہ میں ان کے پاس ہر جمعرات کی شام کو آتا تھا، میں نے کبھی ان کو قال رسول اللہ کہتے ہوئے نہیں سنا، ایک مرتبہ آپ کے منہ سے قال رسول اللہ نکل گیا تو سر نیچے ڈال لیا، میں نے دیکھا کہ آپ کھڑے تھے، آپ کے کرتے کی بٹنیں کھلی ہوئی تھیں، آنکھیں ڈبڈبا گئیں رگیں پھول گئیں پھر فرمایا ”أودون ذالک أو فوق ذالک أو قریباً من ذالک أو شبہاً بذالک“ (یعنی آپ نے اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ یا اس سے قریب یا اس سے ملتی جلتی بات ارشاد فرمائی)۔ (سنن ابن ماجہ مقدمہ؛ التوقی فی الحدیث ۲۳؛

مصنف ابن ابی شیبہ الأدب؛ فی ہیئۃ الحدیث عن رسول اللہ ۲۶۷۴۶)

حضرت انس بن مالکؓ کا معمول تھا کہ کسی حدیث کو بیان کر کے فارغ ہوتے تو اُو کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے۔

(ابن ماجہ مقدمہ؛ التوقی فی الحدیث ۲۴؛ مسند احمد: ۱۲۶۵۰؛ مستدرک حاکم: ۶۵۳۳)

فرماتے تھے ”انہ لیمنعنی أن أحدثکم حدیثاً کثیراً ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من تعمد علی کذباً فلیتبوأ مقعده من النار“ مجھے کثرت سے حدیثیں بیان کرنے سے جو چیز مانع ہو رہی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مسن کذب... الخ ہے، جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے۔

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں ”ادرکت فی ہذا المسجد عشرين ومئة من الانصار ومامنہم من یحدث بحديث الا و دان أخاہ کفاه“

(سنن الدارمی مقدمہ / من ہاب الفتیاء: ۱۳۷)

ترجمہ: میں نے اس مسجد (کوفہ) میں ایک سو بیس انصار صحابی ایسے دیکھے ہیں جو حدیث بیان نہیں کرتے اور ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ دوسرا بیان کر دے۔

عہد تابعین وائمہ محدثین اور حفاظت حدیث

صحابہ کی طرح تابعین بھی حدیث کے سلسلے میں غایت درجہ محتاط رہتے تھے، اور احادیث کو بڑی تحقیق و تثبت کے بعد ہی بیان فرماتے تھے، ابن حبان فرماتے ہیں ”ثم أخذ مسلکهم، واستن بسنتهم، واهتدی بهدیہم، فیما استنوا من التیقظ من الروایات جماعة من أهل المدينة من سادات التابعین منهم، سعید بن المسیب، والقاسم بن محمد بن أبی بکر، وسالم بن عبد اللہ بن عمر، وعلی بن الحسین بن علی، وأبو سلمة بن عبد الرحمن بن عوف، وعبد اللہ بن عبد اللہ ابن عتبہ، وخارجة بن زید بن ثابت، وعروة بن الزبیر بن العوام

و ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحارث بن هشام، وسليمان بن يسار فجدوا
 فى حفظ السنن والرحلة فيها، والتفتيش عنها، ولزموا الدين و
 دعوة المسلمين. (المجروحين: ج ۱/ ص ۳۹)

ترجمہ: پھر صحابہ کے بعد حدیث کے باب میں احتیاط و تثبت میں مدینہ میں تابعین
 کی ایک جماعت صحابہ کے طرز پر قائم رہی جن میں سعید بن المسیب، قاسم بن محمد بن ابی بکر،
 سالم بن عبد اللہ بن عمر، علی بن الحسین بن علی، ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف، عبید اللہ بن
 عبد اللہ بن عتبہ، خارجہ بن زید بن ثابت، عروہ بن الزبیر بن العوام، ابوبکر بن عبد الرحمن بن
 الحارث بن هشام اور سلیمان بن یسار رحمہم اللہ، ان لوگوں نے حدیث کی حفاظت اس کی تحقیق
 و تفتیش، حدیث کو سمجھنے، اور اس کے لیے سفر کرنے میں بڑی محنت و جانفشانی سے کام لیا، اور
 دین و دعوت المسلمین کو لازم پکڑا۔

اس کے بعد کے دور میں بھی تحقیق و تفتیش کا سلسلہ جاری رہا۔

”ثم أخذ عنهم العلم، وتتبع الطرق، وانتقاء الرجال، ورحل فى
 السنن جماعة بعدهم منهم الزهرى ويحيى بن سعيد الانصارى، وهشام بن
 عروة، وسعد بن ابراهيم فى جماعة معهم من أهل المدينة. (حوالہ بالا)

ترجمہ: پھر ان کے بعد ایک جماعت نے ان سے علم حدیث سیکھا، حدیث کے طرق کی
 تحقیق اور رجال کی چھان بین کی، اور سنن کو جمع کرنے کے لیے اسفار کیے جن میں امام زہری، یحییٰ
 بن سعید الانصارى، هشام بن عروہ، سعد بن ابرہیم اور ان کے علاوہ اہل مدینہ کی ایک جماعت۔
 الحاصل! صحابہ کرامؓ کے یہاں نیز بعد کے دور میں ائمہ محدثین کے یہاں حدیث
 کے تعلق سے بڑی تحقیق و تفتیش اور احتیاط سے کام لیا جاتا تھا۔

باب دوم

شہ پاروں میں خرف ریزوں کی ملاوٹ

تفصیلات مذکورہ سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ دور نبوی سے ہی حفاظت حدیث کا عہد بہ عہد کس قدر اہتمام تھا، اور حدیث کے اخذ و نقل میں کس قدر تحقیق و تفتیش اور چھان پھٹک کی جاتی تھی، مگر تاریخ کی اس تلخ حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام دشمنوں نے ذخیرہ احادیث میں زہر افشانی اور فکری جولانی کے گل بھی بہت کچھ کھلائے، اور احادیث موضوعہ مکذوبہ کو احادیث صحیحہ ثابتہ کے نام پر رائج کر دیا، اور کذب و وضع کا بازار گرم کر دیا، اس لیے اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کذب فی الروایۃ کے متعلقات مثلاً وضع، وضع، موضوع کی حقیقت اور اس کے احکام وغیرہ پر کسی قدر روشنی لیتے چلیں، تاکہ اگلے مباحث میں بصیرت پیدا ہو۔

حدیث موضوع

تعریف / حکم

موضوع کی تعریف: امام نوویؒ نے کہا کہ ”الموضوع هو المخلوق

المصنوع وهو شر الضعيف“۔ (تدرب: ج ۱/ ص ۲۷۴)

یعنی موضوع، من گھڑت بناوٹی روایت کا نام ہے اور یہ ضعیف کی بدترین شکل ہے۔

فائدہ: کسی راوی سے روایت حدیث میں جھوٹ بولنا ثابت ہو جائے، خواہ زندگی میں ایک بار ہی جھوٹ ثابت ہو، مگر اس کی ساری حدیثیں موضوع کہی جائیں گی، اگرچہ اس کی

روایت کا موضوع ہونا قطعی نہیں ”لأنّ الكذب قد يصدق“ جھوٹا آدمی بھی کبھی سچ بولتا ہے، مگر ظن غالب کی وجہ سے اس کی روایتوں کو موضوع کہا جائے گا اور اس کی روایتیں عندالمحدثین قابل اعتبار نہ ہوں گی، البتہ ماہرین فن کو من جانب اللہ وہ نور اور ملکہِ راسخہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ موضوع کو غیر موضوع سے ممتاز کر لیتے ہیں۔

وجہ تسمیہ: علامہ ابن عراقؒ لکھتے ہیں لفظ ”موضوع“ کا مادہ وضع ہے، اس کے دو معنی آتے ہیں:

(۱) کسی شے کو اس کے مقام سے نیچے کر دینا۔

(۲) ایک شے کو دوسری شے کیساتھ چپکا دینا۔

موضوع، حدیث چوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہوتی اسلئے ظاہر ہے کہ وہ حدیث کے مقام سے گری ہوئی ہے، اور وہ حدیث کسی اور کی بات ہوتی ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے احادیث ثابتہ کے ساتھ چپکا دی جاتی ہے۔ الغرض! موضوع درحقیقت وہ روایت ہے جو واقع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہ ہو، لیکن اس کو راوی نے عمدًا بطور کذب حضور اقدسؐ کی جانب منسوب کر دیا ہو۔

وضع حدیث کی صورتیں:

(الف) وضاع حضورؐ کی طرف کسی چیز کی جھوٹی نسبت کرنے والا اپنی طرف سے

کوئی بات گڑھ کر اس کے لیے کوئی سند تجویز کر کے اس سند کے ساتھ اس کو روایت کرے۔

(ب) حکماء، یا اسلاف و صلحاء سے، یا اسرائیلیات میں سے کسی چیز کو لے کر اسے

کسی سند کے ساتھ جوڑے۔

(ج) کسی ضعیف حدیث کے ساتھ سند قوی لگا دے (اس صورت میں اصل نسبت تو جھوٹی نہیں ہوتی مگر قوی سند لگا کر اس کی قطعی نسبت کی جو صورت اختیار کر لی جاتی ہے وہ جھوٹ و کذب ہوتی ہے)

کیا موضوع حدیث کو حدیث کہا جاسکتا ہے؟

”موضوع“ درحقیقت حدیث کی فہرست میں شامل ہی نہیں، اسی لیے بہت سے محدثین نے انواع حدیث میں اس کو ذکر نہیں فرمایا، اور جن علماء نے اس کو اقسام حدیث میں شمار کیا ہے، یا اطلاقاً حدیث موضوع جیسے الفاظ کا استعمال کیا ہے، تو اس کی دو وجہ ہے۔
اول یہ کہ اس حدیث کا واضح اس کو حدیث میں شامل کرتا ہے۔

دوم یہ کہ جب تک تحقیق سے اس کا موضوع ہونا ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک حدیث کے نام پر مروی ہونے کی وجہ سے حدیث ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔
حدیث موضوع کی روایت کا حکم:

امام نوویؒ لکھتے ہیں ”تحرم روايته مع العلم به في اي معنى كان الاميينا“۔
ترجمہ: اس کا بیان کرنا دانستہ حرام ہے خواہ کسی بھی معنی میں مگر یہ کہ اس کا موضوع ہونا بیان کر دیا جائے۔

ابن صلاحؒ لکھتے ہیں ”ولا تحل روايته لاحد علم حاله في اي معنى كان الامقرونا بيان وضعه“۔

جو کوئی موضوع روایت کے موضوع ہونے کو جانتا ہے اس کے لیے اس کا بیان کرنا جائز نہیں الا یہ کہ وہ اس کا موضوع ہونا واضح کر دے۔

علامہ شریف جرجانیؒ کہتے ہیں ”لا يحل رواية الموضوع للعالم بحاله في

ای معنی کان الا مقرونا ببيان الوضع“۔

ترجمہ: موضوع روایت کے واقعہ حال کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی بھی معنی میں اس کو بیان کرے الا یہ کہ اس کا من گھڑت ہونا واضح کرے۔

ان اقوال وکلیات سے یہ معلوم ہو گیا کہ روایت کا نہ صرف وضع کرنا حرام ہے، بلکہ ایسی جھوٹی حدیث کا بیان کرنا بھی حرام ہے اور یہ کہ بیان کرنے والا بھی گھڑنے والے کے زمرہ میں داخل ہے، یہ محدثین اور اصولیین کی اپنی اختراع نہیں، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے، بروایت سرہ بن جندب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”من حدث عني بحديث يرى انه كذب فهو أحد الكاذبين“۔ (مسلم باب تغليظ الکذب)

جس نے میری طرف منسوب کر کے کوئی حدیث بیان کی حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے، تو وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے۔

یہی نہیں بلکہ اگر صحیح حدیث بھی محض سنی سنائی یا ظن و تخمین کی بناء پر بیان کی جائے گی تو بیان کرنے والا گنہ گار ہوگا، حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں ”و ان اتفق انه نقل حديثا صحيحاً كان اثماً في ذلك ينقل ما لا علم به وان صادف الواقع كان اثماً باقداً على ما لم يعلم“۔

ترجمہ: اگر حدیث بیان کرنے والے نے اتفاقاً صحیح حدیث روایت کی تو اس میں بھی گنہ گار ہوگا کیوں کہ اس نے ایسی روایت نقل کی جس کا اسے علم نہ تھا اگرچہ وہ روایت واقعہ کے مطابق ہی ہو اس نے ایسی حدیث بیان کرنے کا اقدام کیا جس کا اسے علم نہ تھا، اور جس روایت کے متعلق یہ معلوم ہو جائے کہ یہ موضوع ہے تو اس کو بیان کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہیں بلکہ حرام ہے اور بیان کرنے والا گنہ گار ہوگا۔

وضع حدیث پر وعید :

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "من کذب علی متعمداً لیسوا
نفعة من النار - رواہ البخاری عن أبی ہریرۃ مع زیادة".
ترجمہ: جو شخص جان بوجہ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔

علامہ نووی، حافظ ابن حجر، علامہ بخاری، علامہ قسطلانی وغیرہ بہت سے علماء نے تصریح
کی ہے کہ یہ حدیث نہایت صحیح اور بے حد قوی ہے "وہو فی غایۃ الصحیح و نیایۃ
الثبوت" اس پر تو اتفاق ہے کہ یہ روایت معنًا متواتر ہے اور محدثین کی ایک جماعت نے اس کو
متواتر کہا ہے اس لیے کہ یہ روایت صحابہ کرام کی بڑی جماعت سے مروی ہے۔

امام ابو بکر صیرفی نے رسالۃ الشافعی کی شرح میں لکھا کہ ساٹھ سے زیادہ صحابہ سے یہ
بیان مرفوعاً منقول ہے اور بعض حفاظ نے کہا ہے کہ باٹھ صحابہ اس کے راوی ہیں، جن میں
نثرہ بشرہ بھی ہیں۔

اور ابو القاسم بن مندہ نے فرمایا: "رواہ اکثر من ثمانین نفساً و قال
لنووی سبعة وثمانین و جمع طرقہ ابن الجوزی فی مقدمة کتاب
لموضوعات فجاوز التسعین و بذالک جزم ابن دحیہ ثم جمعہا الحافظان
یوسف ابن خلیل الدمشقی و ابو علی البکری و ہما متعصران فوق لکل
بہما مالیس عند الآخر و تحصل من مجموع ذالک کلہ رواية مائة من
امعابۃ رضی اللہ عنہم". (عمدة القاری ج ۲ ص ۱۵۷، فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۱)۔

ترجمہ: یہ روایت اسی سے زائد حضرات نے نقل فرمائی ہے امام نووی نے فرمایا کہ
حضرات نے ابن الجوزی نے اپنی کتاب "الموضوعات" کے مقدمہ میں اس

روایت کے متاثر ق کو جمع کیا، تو اس کی تعداد نوے سے بھی متجاوز ہو گئی اور اسی پر ابن دحیہ نے اعتماد کیا ہے اور حافظ یوسف بن خلیل دمشقی اور ابو علی البکری نے اپنی اپنی روایات کو اکٹھا کیا تو مجموعہ سوتک پہنچ گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت سو صحابہؓ سے منقول ہے، پھر عینی اور حافظؒ نے صحاح حسان وغیرہ کی تفصیلات اور صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی کو بھی بیان کیا ہے، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں ”وقال بعضهم رواه مائتان من الصحابة“۔ (حاشیہ مسلم ج ۱/ ص ۸)

یعنی: بعض محدثین کی تحقیق ہے کہ اس حدیث کو دو سو صحابہ کرامؓ نے نقل کیا ہے۔ علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں ”من تعمد علی کذباً عام فی جمیع أنواع الکذب لان النکرة فی سیاق الشرط کالنکرة فی افادة العموم“ وقال ایضاً ”الامر۔ ههنا معناه الخبر ای ان الله تعالى یوئنه مقعده من النار أو امر علی سبیل التهکم والتغلیظ أو امر تهدید او دعاء علی معنی بوئنه“۔

ترجمہ: ”من تعمد علی کذباً“ میں کذب کی تمام انواع داخل ہیں، کیوں کہ اس میں نکرہ تحت الشرط پایا جاتا ہے جو نکرہ تحت انشی کی طرح عموم کا معنی دیتا ہے، اور اس حدیث میں ”فلیتبوا“ میں صیغہ امر خبر کے معنی میں ہے، یا امر کے ہی معنی میں ہے، لیکن امر تهکم، تغلیظ، تهدید یا بد دعاء کے لیے ہے۔

نتیجہ مجموعہ روایات سے ثابت ہے کہ حضورؐ پر جھوٹ بولنا اور تہمت لگانا، یا کسی قول یا فعل کی نسبت آپؐ کی جانب کرنا جو حضورؐ نے نہیں فرمایا یا نہیں کیا، اشد کبار میں سے ہے۔

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ”إذا کذب علیہ بانہ راہ فی المنام فہو ایضاً داخل تحت الوعد، وقال ایضاً ثم

ختم الأربعة بحديث أبي هريرة لما فيه من الإشارة إلى إستواء تحریم
الكذب عليه في كل حال سواء كان في اليقظة أو في المنام“.

(عمدة القاری ج ۲/ص ۱۷۵؛ فتح الباری ج ۱ ص ۱۸۱)

یعنی آپؐ پر جھوٹ باندھنا بیداری کے واقعات و معاملات سے متعلق ہو یا عالم
خواب سے، دونوں حرام اور وعید مذکور میں داخل ہیں۔

وضع حدیث اور واضعین حدیث کا شرعی حکم

کیا اسلام میں وضع حدیث کی کوئی گنجائش ہے؟

اس مسئلہ کو محقق کرتے ہوئے محدث شہیر حضرت مولانا عبد الجبار معروفی اعظمیؒ نے

لکھا ہے کہ اس سلسلے میں دو مذہب پائے جاتے ہیں:

(۱) مذہب اہل سنت والجماعت۔

(۲) مذہب فرقہ کرامیہ۔

(۱) مذہب اہل سنت والجماعت

مذہب اہل سنت والجماعت کے تقریباً تمام علماء کا اجماع ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا

ہے کہ جن علماء کا اجماع میں اعتبار ہے ان کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ متعمداً کذب علی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم مطلقاً حرام ہے اور اکبر الکبائر میں سے ہے، چاہے احکام میں ہو یا ترغیب
و ترہیب میں۔

لیکن جمہور کے نزدیک کفر نہیں، البتہ اشد کبائر میں سے ہے، مگر امام الحرمین کے

والد ابو محمد جوینی جو بہت بڑے عالم تھے اور اپنے زمانہ میں اجتہاد مطلق کے مدعی تھے، ان کا

فتویٰ یہ ہے کہ جان بوجھ کر ایسا کرنے والا کافر ہے، کیوں کہ یہ افتراء علی اللہ ہے اور غیر دین کو دین بنانا ہے، ابو محمد جوینی درس میں بکثرت فرماتے تھے: ”من کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمدًا کفروا ریق دمہ“ اور متاخرین میں سے شیخ ناصر الدین بن المنیر مالکیؒ اور ان کے چھوٹے بھائی شیخ زین الدین بن المنیر بھی اس کے مؤید ہیں۔

(فیض الباری: ج ۱ ص ۲۰۱)

لیکن جمہور، ان کے قول کو تسلیم نہیں کرتے، یہاں تک کہ ابو محمد جوینی کے صاحبزادے امام الحرمین نے بھی اپنے والد کے قول کی تردید کی ہے، اسلئے کہ ان کا قول اصول اسلام کے خلاف ہے۔

شیخ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ جس سے ایک مرتبہ بھی کذب علی النبی ثابت ہو جائے اس کی کوئی روایت کبھی بھی قبول نہیں ہوگی، علماء کرام کی ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے مجروح ہو گیا، توبہ کے بعد بھی اسکی روایت قبول نہ ہوگی، اگرچہ خالص توبہ سے امید ہے کہ گناہ معاف ہو جائیں گے، لیکن قبول روایت کے بارے میں اس کی توبہ بالکل موثر نہ ہوگی، امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ کے شیخ ابو بکر حمیدی اور فقہاء شافعیہ میں سے ابو بکر صیرفی کا مسلک یہی ہے، تدریب میں علامہ سیوطیؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(عمدة القاری: ص ۱۴۹)

(۲) مذہب فرقہ کرامیہ اور ان کے دو استدلال

فرقہ کرامیہ کا مسلک یہ ہے کہ ترغیب و ترہیب میں احادیث کا وضع کرنا جائز ہے، اس لیے کہ احادیث میں ”من کذب علی“ کا لفظ ہے اور ”علی“ ضرر کے لیے آتا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں احادیث کا وضع کرنا تو حرام ہے، ترغیب و

ترہیب اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں وضع احادیث میں کوئی مضائقہ نہیں۔
کرامیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسند بزار میں عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے :

”من کذب علی لیضل بہ الناس“۔ (فتح الباری: ج ۱/ص ۱۷۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اضلال اور گمراہ کرنے کے ارادہ سے وضع ممنوع ہے اور
جہاں نیکی کی ترغیب اور برائی سے ترہیب کے ذریعہ اصلاح مقصود ہو، اس میں کوئی حرج نہیں۔
اہل حق کی جانب سے دس جوابات:

(۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ”لا تکذبوا علی“ کے معنی ”لا تنسبوا الی الکذب“ اور یہ حدیث ہر قسم کے کذب کے لیے عام ہے خواہ بظاہر آپ کی تائید کے لیے ہو یا مخالف، اور لفظ علی کا مفہوم یہاں معتبر نہیں، کیوں کہ جب حضور اکرمؐ نے مطلق کذب سے منع فرمایا ہے تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی کذب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوگا، علامہ عینیؒ فرماتے ہیں علی اور لہ کا فرق بیان کرنا غلط اور اہل حل و عقد کے اجماع کے خلاف ہے، لسان عرب اور خطاب شرع سے جہالت پر مبنی ہے اس لیے کہ تائید میں ہو یا تردید میں بہر صورت یہ کذب ہے، اور حضورؐ نے مطلق کذب سے منع فرمایا ہے نیز ان کا یہ قول آیات قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے بھی مخالف ہے۔

(۲) مسلم شریف کی روایت میں تو علی کا لفظ ہی نہیں ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”من حدث عنی بحديث یری انه کذب فهو احد الکاذبین“۔
ترجمہ: جس نے میری طرف سے کوئی ایسی حدیث بیان کی جس کے متعلق اس کا ظن غالب یہ ہے کہ جھوٹی ہے تو ایسا شخص بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔

”قال السنوی، الروایة المشهورة ضم البیاء فی یری و الکاذبین

بکسر الباء علی الجمع۔ (یعنی)

مشہور روایت تو یہی ہے کہ ”یری“ مجہول کا صیغہ ہے ”یظن“ کے معنی میں ہے اور کاذین کا لفظ جمع ہے باء مکسور ہے، نون مفتوح ہے، بعض لوگوں نے ”یری“ کو معروف بتایا ہے ”یعلم“ کے معنی میں اور کاذین کو تثنیہ کہا ہے، باء مفتوح ہے اور نون تثنیہ مکسور ہوتا ہی ہے، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ دو جھوٹوں میں سے ایک، موضوع حدیث کو بیان کرنے کے بعد یہ ظاہر کر دے کہ یہ موضوع ہے تاکہ اس کو بیان کرنے والا دوسرا جھوٹا، البتہ موضوع حدیث کو بیان کرنے کے بعد یہ ظاہر کر دے کہ یہ موضوع ہے تاکہ اس پر اعتماد نہ کریں تو یہ جائز ہے بلکہ موجب اجر ہے، اس روایت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ علی اور لہ کا فرق لغو ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”و لا تقف مالیس لک بہ علم ان السمع و البصر و الفؤاد کل اولئک کان عنہ مسئلہ“

ترجمہ: اور اس بات کے پیچھے نہ پڑو جس کا تم کو علم نہیں، بیشک کان اور آنکھ اور دل سب سے پوچھ گچھ ہونی ہے۔

یعنی جس چیز کو دیکھا نہ ہو اس کی نسبت یہ نہ کہو کہ میں نے دیکھا ہے، اور جس کو سنا نہ ہو اس کی نسبت نہ کہو کہ میں نے سنا ہے، اور جس بات کا یقینی علم نہ ہو، انکل پچھو اس کے پیچھے ہو لینا اور بلا تحقیق اس پر عمل درآمد کرنا یا دعویٰ کرنا کہ یہ بات تو یوں ہی ہے ٹھیک نہیں، یا دل سے کسی بات کو، گھڑ کر کسی بات کی طرف منسوب کرنا وغیرہ کسی طرح درست نہیں، کیوں کہ قیامت کے دن، کان، آنکھ، دل سب سے سوال ہوگا، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس فرقہ ضالہ نے آیت مذکورہ اور صریح احادیث متواترہ کی مخالفت کی ”و خالفوا اجماع اہل

الحل والعقد و غیر ذالک من الدلائل القطعیات فی تحریم الکذب علی احادیث الناس فکیف بمن قوله شرع و کلامه وحی الخ“.

(شرح مسلم شریف: ج ۱/ ص ۸)

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی فکان من قال کذباً ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کذا ادعی ان اللہ تعالیٰ اوحی الیه بکذا. کذا قال السنوسی“۔ (فتح الملہم: ج ۱/ ص ۱۲۳)

پس کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت کذب علی اللہ ہے جس کو کوئی بھی جائز نہیں سمجھتا، کرامیہ بھی جائز نہیں کہتے۔

(۵) ”لیضل به الناس“ کی زیادتی کا مختصر اور بہترین جواب یہ ہے کہ ”ہذہ زیادة باطلة اتفق الحفاظ علی ابطالها وانها لاتعرف صحیحة بحال“۔ (نوی)

علامہ عینی بھی یہی فرماتے ہیں: ”ہذہ الزیادة باطلة اتفق الحفاظ علی بطلانها“۔

حافظ فرماتے ہیں ”وتمسک بعضهم بما ورد فی بعض طرق الحدیث من زیادة لم تثبت“۔

حاصل یہ ہے کہ ”لیضل به الناس“ کی زیادتی ثابت نہیں لہذا اس سے استدلال بھی درست نہیں۔

(۶) اگر اس زیادتی کو صحیح بھی مان لیا جائے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن عزیز میں بھی ہے ”فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذباً لیضل الناس“ لیکن اجماع ہے افتراء علی اللہ کسی صورت میں بھی جائز نہیں، چاہے کسی آیت کے مضمون کی تائید میں ہو یا

تردید و مخالفت میں، پس حدیث میں بھی یہی معنی مناسب ہے اور کذب علی الرسول مطلقاً ممنوع ہونا چاہیے۔

(۷) امام طحاویؒ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ قید احترازی نہیں بلکہ یہ قید واقعی ہے، عموماً وضاعین کا مقصد اضلال ہی ہوتا ہے، جیسے ”لا تقتلوا اولادکم خشية املاق“ میں خشية املاق کی قید احترازی نہیں بلکہ قید واقعی ہے کہ تنگدستی وغیرہ کے ڈر سے لوگ قتل اولاد کے مرتکب ہوتے تھے، اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے، اس لیے اس کی قباحت و شاعت ظاہر کرنے کے لیے یہ عنوان اختیار فرمایا، کیوں کہ اس میں قطع رحمی بھی ہے، انتہائی دنائت بھی، کہ مجبور محض کو قتل کرنا کمینہ پن اور حد درجہ کا ظلم ہے کہ اس سے اب تک کسی قسم کا نقصان نہ پہونچا، پھر خدا کی رزاقیت پر اعتماد نہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

علیٰ ہذا القیاس ”لا تأکلوا الربو أضعافاً مضاعفة“ میں ”أضعافاً مضاعفة“ کی قید واقعی ہے، اس لیے کہ جہاں عرب سود در سود لیا کرتے تھے، اس لیے اس آیت میں سود کی ممانعت کی گئی، اس زیادتی پر توبیخ کرتے ہوئے جو اس زمانہ میں معمول و رائج تھی، حاشا وکلا اس کا یہ مطلب نہیں کہ سود در سود نہ ہو تو جائز ہے، پس آیت و حدیث میں ”لیضل“ کا لفظ بھی اس امر قبیح کی شدت و خطرناکی پر متوجہ کرنے کے لیے ہے۔

(۸) ”لیضل“ میں اگر لام تعلیل کے لیے ہوتا تو کرامیہ کے استدلال کی گنجائش ہوتی اور لام تعلیل کے لیے کوئی دلیل نہیں، بلکہ نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ لام عاقبت کے لیے ہے، یعنی رسول اللہؐ کی جانب جھوٹی نسبت کا انجام و نتیجہ ضلال ہے، جیسے آیت کریمہ: ”فالتقطه ال فرعون لیکون لهم عدواً و حزناً“ میں م صیرورت و عاقبت کے لیے ہونا ہی ضروری ہے اور اس کے نظائر قرآن و حدیث میں

بکثرت موجود ہیں۔

(۹) یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے، مرضیات ربانی اور مزاج امت سے بھی سب سے زیادہ واقف تھے، رحمۃ للعالمین اور بالمؤمنین رؤف رحیم تھے، اس لیے ترغیب و ترہیب کے مضامین کو بھی باحسن وجوہ بیان فرما گئے، لہذا ترغیب و ترہیب اور اصلاح امت میں بھی کسی جدید عنوان کا لانا عبث ہے اور اس کی ضرورت محسوس کرنا اللہ تعالیٰ کے حبیبؐ کی توہین ہے، نیز ادعاء تفوق اور فساد عقیدہ ہے، کیوں کہ اسکا منشا تو یہ ہوا کہ (العیاذ باللہ) حضور اقدسؐ ترغیب و ترہیب کے جو مضامین فرما گئے وہ انسانوں کی رہبری کے لیے کافی نہیں اور اس کمی کو یہ واضحین پورا کر رہے ہیں ”ولا یقول بہ الا زندق جاہل“ اس لیے اگر بالفرض والتقدیر ”علی“ کو ضرر ہی کے لیے تسلیم کیا جائے، تب بھی کذب علی النبیؐ کسی عنوان سے جائز نہیں ہو سکتا، کیوں کہ کوئی صورت ضرر سے خالی نہیں۔

(۱۰) ترغیب و ترہیب میں وضع احادیث کا نتیجہ بسا اوقات بڑا خطرناک ہوتا ہے، کیوں کہ چھوٹے عمل پر بہت زیادہ ثواب بتا دیا جائے تو انسان اسی پر اعتماد کر کے فرائض و واجبات و سنن کا اہتمام ترک کر دیتا ہے، اسی طرح کسی چھوٹے یا بڑے گناہ پر بہت زیادہ وعیدیں وضع کر کے بتا دی جائیں تو انسان مایوس ہو جاتا ہے، اور خیال کرتا ہے کہ ہماری بخشش تو ہو نہیں سکتی، پھر کسی نیکی سے کیا فائدہ! اجتناب عن السيئات اور خواہشات نفسانی کے ترک سے کیا حاصل! اور یہ صرف احتمال ہی نہیں بلکہ واقعات ہیں جن کو لکھنا مناسب نہیں معلوم ہوتا، اس لحاظ سے بھی وضع کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ (امداد الباری: ج ۲/ ص ۵۳۵-۵۳۸ جغیر میر)

ایک اہم فائدہ:

اس عنوان پر ایک سوال کے جواب میں محدث عصر حضرت مولانا شیخ یونس صاحب جو پوری دامت برکاتہم نے بہت بنیادی مراجع کے حوالوں سے محقق اور بصیرت افروز کلام فرمایا ہے کہ موضوع یعنی جعلی روایات بنانا حرام ہے کرامیہ اور بعض جاہل صوفیوں سے جو اس کا جواز نقل کیا جاتا ہے یہ ان کی جہالت ہے، وضع روایت بہر حال حرام ہے ”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار“ (رواہ الشیخان وھذا الحدیث قد روی عن جماعة كثيرة تزید علی ثمانین نفساً و أحادیثهم موجودة بل یبلغون المائة) اور احادیث موضوعہ کو نقل کرنا بھی ناجائز ہے، الا یہ کہ بیان کرتے وقت تصریح کر دے تو کوئی حرج نہیں ہے ”قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من حدث عنی بحديث یری انه کذب فهو أحد الکاذبین“ (رواہ مسلم فی المقدمة: ص ۶، والترمذی: ص ۹۱) وابن ماجہ وابن حبان و البیہقی فی المدخل ص ۳۲. عن المغيرة بن شعبة ومسلم فی المقدمة و ابن حبان و البیہقی فی المدخل عن سمرة بن جندب وابن ماجہ عن علی قال السندی فی حاشیة ابن ماجہ: ص ۱۰) قوله فهو أحد الکاذبین قال النووی المشهور رواية بصیغة الجمع أى فهو واحد من جملة الواضعین و المقصود ان الرواية مع العلم بوضع الحدیث کو وضعه قالوا هذا اذا لم یبین وضعه، وقد جاء بصیغة التثنية و المقصود ان الراوی له یشارک الواضع فی الائم. اهـ. وقول السندی ان الرواية مع العلم بوضع الحدیث ینی علی رواية یری بفتح المثناة التحتية وقد روی بضمها ومعناه یظن و کذا علی رواية الفتح

اذا كان ماخوذاً من الراى لا من الرؤية، وأخرج أحمد و الترمذى (۱۱۹/۲) و عن ابن عباس قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اتقوا الحديث عنى الا ما علمتم فانه من كذب على متعمداً فليتبوا مقعده من النار قال النووى فى شرح المسلم (۸/۱) تحرم رواية الحديث الموضوع على من عرف كونه موضوعاً او غلب على ظنه وضعه فمن روى حديثاً علم او ظن وضعه ولم يبين حال روايته وضعه فهو داخل فى هذا الوعيد مندرج فى جملة الكاذبين على رسول الله صلى الله عليه وسلم، ويدل عليه الحديث السابق من حدث عنى بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين و قال أبو عمرو ابن الصلاح فى علوم الحديث (ص ۸۹) اعلم أن الحديث الموضوع شر الاحاديث الضعيفة لا تحل روايته لاحد علم حاله فى اى معنى كان الا مقروناً ببيان وضعه وقال الحافظ بن حجر فى شرح النخبة (ص ۸۵) واتفقوا على تحريم رواية الموضوع الا مقروناً ببيانه لقوله صلى الله عليه وسلم من حدث عنى بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين أخرجه مسلم انتهى . وقد تم كلام العلامة السيوطى فى بيان حكم الضعيف .

اور جب موضوع روایات بنانا اور ان کا نقل کرنا جائز نہیں تو ان پر عمل کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے، امام بیہقی المدخل میں احادیث ضعیفہ متفق علیہا کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں (ص ۳۲): ”ضرب رواہ من کان معروفاً بوضع الحديث والكذب فيه فهذا الضرب لا یكون مستعملاً فى شىء من امور الدين (ولا یجوز ذکره) الأعلی وجه التبيين“۔

اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ اور سمرہ بن جندب کی احادیث سابقہ دلیل میں پیش کی ہیں علامہ شمس الدین الرملی اور علامہ علاء الدین الحسکفی صاحب الدر المختار فرماتے ہیں (ص ۸۷): ”اما الموضوع فلا يجوز العلم به بحال ولا رواية الا اذا قرن ببيانہ۔ اھ۔“

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں ”قوله بحال أى و لو فى فضائل الأعمال قال الطحاوى اى حيث كان مخالفاً للقواعد الشرعية اما لو كان داخلاً تحت اصل عام فلا مانع منه لا لجعله حديثاً بل لدخوله تحت الاصل العام۔ اھ۔ قال ابن عابدین فتامل۔“

بندے کے خیال میں علامہ طحاویؒ کا کلام صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جب موضوع روایت حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی نہیں تو اس پر عمل کیسے جائز ہو سکتا ہے اور اگر وہ اصل عام کے تحت داخل ہے تو عمل اس عام پر ہو گا نہ کہ اس باطل موضوع روایت پر علامہ شامی نے قائل سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

(مولانا) بندہ محمد یونس (صاحب)

(از نوادر الحدیث: ص ۱۲۷ تا ۱۲۹)

باب سوم

موضوع حدیثوں کا چلن کیوں کر ہوا؟

اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حدیث کے باب میں اتنی احتیاط برتی جاتی تھی تو پھر ذخیرہ احادیث میں موضوعات کیوں کر در آئیں۔ محدثین کرام نے اس کی بنیاد اور اس کے پس منظر اور پیش نظر کا مکمل سراغ لگایا اور بتلایا کہ اس کی خشت اول میں کس کس کا ہاتھ تھا، اور پھر کون کون سے افراد و گروہ شریک کار رہے، اور ان کے بنیادی مقاصد کیا کیا تھے، اور ان کے وضع و کذب کا کیا انجام سامنے آیا، پھر علماء امت نے کس طرح اور کیسا مستحکم و مضبوط دفاع کیا اور کس طرح شریعت مطہرہ کا منور چہرہ بے غبار محفوظ رہا، اس کی پوری تفصیل انشاء اللہ العزیز یہاں پر پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی ”و ما ارید الا اصلاح ما استطعت و ما توفیقی الا باللہ“ ہم ابن الجوزیؒ کی ”الموضوعات“ کے مقدمہ اور اسی طرح علامہ ابن العراقی کنانی کی ”تنزیہ الشریعة“ کے مقدمہ اور بعض دوسری کتب سے استفادہ کر کے ان اسباب و عوامل اور احوال و اشخاص کو ذکر کرتے ہیں، جن کی وجہ سے موضوعات کا چلن ہوا۔

واضعین حدیث کی اقسام و تقسیمات

موضوع حدیثوں کا رواج دو طریقوں سے ہوا، کچھ تو وہ لوگ تھے جو عمداً موضوع حدیثیں روایت کرتے یا گھڑنے تھے، اور کچھ لوگ وہ تھے، جو عمداً یہ کام نہیں کرتے مگر حافظہ وغیرہ کی خرابی کی وجہ سے ان کی حدیثوں میں موضوعات آجاتی تھیں۔

تقسیم اول:

وہ لوگ جن سے بلا ارادہ محض سوء حفظ اور نقص اتقان کی بنا پر وضع و کذب اور غلط و خطا کا صدور ہو جاتا تھا ان کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ لوگ جن پر زہد و تصوف کا غلبہ تھا ان کے یہاں حدیثوں کو حفظ کرنے اور کھرے کھوٹے کی تمیز کرنے کا اہتمام نہیں تھا، ان میں کچھ تو وہ تھے جن کی کتابیں ضائع ہو گئیں، یا جل گئیں یا کہیں دفن ہو گئیں، پھر انہوں نے اپنے حافظہ سے بیان کیا، تو غلطیاں ہوئیں یہ لوگ کبھی مرسل کو مرفوع، مسند کو موقوف کر دیتے، کبھی اسناد بدل دیتے کبھی ایک حدیث دوسری حدیث میں داخل کر دیتے۔

دوسری قسم: وہ لوگ ہیں جن کا مشغلہ روایت حدیث کا نہیں تھا، انہوں نے روایت بیانی شروع کر دی تو ان سے بھی پہلی قسم کے لوگوں کی طرح غلطیاں سرزد ہوئیں۔

تیسری قسم: وہ ثقہ رواۃ ہیں جن کو اخیر عمر میں اختلاط ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے ان کی حدیثیں خلط ملط ہو گئیں۔

چوتھی قسم: وہ لوگ ہیں جن پر سادہ لوحی یا غفلت کا غلبہ تھا، ان میں کچھ تو وہ تھے جن کو مصنوعی حدیثیں تلقین کی جاتیں (لقمہ دیا جاتا) وہ انہیں قبول کر لیتے، اس طرح ان لوگوں کی مرویات میں موضوع روایتیں داخل ہو گئیں۔

یہ چار قسمیں ان لوگوں کی تھیں جن کی روایات میں موضوعات نادانستہ طور پر آ گئیں تھیں۔

فائدہ

صوفیاء اور زاہدین کی روایات کے معتبر نہ ہونے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں محدث عصر حضرت مولانا شیخ محمد یونس صاحب جو نیوری دامت برکاتہم نے بڑی عمدہ اور تحقیقی بات ارشاد فرمائی ہے وہ پیش کی جا رہی ہے۔

سوال: محدثین عظام ان صوفیاء کرام کا، باب حدیث میں عموماً کیوں اعتبار نہیں کرتے ہیں حالاں کہ یہ اعلیٰ منزلۃ یوم القیامۃ ہوں گے؟

جواب: صوفیاء کی روایت کا علماء نے اس لیے اعتبار نہیں کیا کہ یہ حضرات عبادت میں مشغول ہو کر پھر علم کی طرف پورے طور پر متوجہ نہیں ہو سکتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی روایات میں اوہام وغیرہ بکثرت پائے جاتے ہیں، نیز ان کا حسن ظن اتنا بڑھ جاتا ہے کہ نقد و تبصرہ کرتے نہیں اور ہر کہ و نہ کی روایت بغیر تفتیش کے لے لیتے ہیں؛ اسی وجہ سے ان کی روایت میں ضعاف و مناکیر و موضوعات بکثرت موجود ہیں، ابوطالب مکی کی قوت، القلوب اور تصانیف امام غزالی اور ابو عبد الرحمن سلمیٰ وغیرہ دیکھنے سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے۔ علامہ تاج الدین السبکی نے تو وہ ساری روایات یکجا کر دی ہیں جو امام غزالی نے احیاء العلوم میں ذکر فرمائی ہیں، اور وہ کہیں ملتی ہی نہیں، اور سیکڑوں کی تعداد میں ہیں، اگرچہ بہت سی ایسی بھی روایات ہیں جو لفظاً یا معنیً موجود ہیں، اور بات تو یہ ہے ”لکل فن رجال“ صوفیا کا قابل احترام ہونا سر آنکھوں پر لیکن اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ جو فن ان کا نہیں ہے ان کی بات بھی اس میں تسلیم کی جائے، یحییٰ القطان فرماتے ہیں: ”لم نر الصالحین فی شیء اکذب منهم فی الحدیث وفی لفظ لم نر اهل الخیر فی شیء اکذب منهم فی

الحديث“ (ص ۱۴)۔ امام مسلم اس کی شرح فرماتے ہیں: ”یحسری الکذب علی لسانہم ولا یعمدون الکذب“ امام نووی فرماتے ہیں: ”و ذالک لکونہم لایعانون صناعة اهل الحديث فيقع الخطأ فی روایاتہم ولا یعرفونہ ویروون الکذب ولا یرون انہ کذب۔“ انتھی“ لیکن جن صوفیاء نے اس فن کو بھی اپنایا ہے کسی نے بھی ان کی روایت رد نہیں فرمائی مثلاً حضرت امام ابو اسماعیل الانصاری الہروی المتوفی ۴۸۱ھ صاحب ”منازل السائرین“ صوفیاء میں بھی ہیں اور محدث بھی ہیں ان کی تالیف ”منازل السائرین“ تصوف کی مشہور تالیف ہے جس کی حافظ ابن القیم نے نہایت مبسوط شرح مدارج السالکین کے نام سے لکھی ہے اسی طرح امام مسلم کے تلمیذ ابو احمد الجودی وغیرہ سارے ہی صوفیاء زاہدین میں سے ہیں، اور لوگوں نے ان کی روایات لی ہیں، ابو عبد اللہ یونینی محدث کبار صوفیاء میں سے ہیں، حضرت شیخ عبد اللہ البطاکی سے خرقہ تصوف حاصل کیا جو حضرت شیخ عبد القادر الجیلانی کے لوگوں میں ہیں اور یونینی مشہور حافظ حدیث بھی ہیں حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں مستقل طور پر ان کا ذکر کیا ہے۔ (۲۳/۴)۔ اسی طرح عبد الرحمن بن محمد الداودی المتوفی ۴۶۷ھ مشہور صوفی ہیں، حافظ سمعانی الانساب میں فرماتے ہیں کہ ”لہ قدم راسخۃ فی التصوف“ اور یہ بخاری شریف کے رواۃ میں ہیں، علامہ ابن دقیق العید اور ابن ہمام وغیرہما کا صوفی ہونا تو اظہر من الشمس ہے اور الحمد للہ ہمارے مشائخ سلسلہ ولی اللہی تو اکثر ہی صوفی ہیں اور پھر ساتھ ہی حدیث کے امام ”و ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء“ واللہ اعلم!

بندہ محمد یونس

۱۱ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ (نوادرا الحدیث: ص ۱۳۸ تا ۱۳۹)

تقسیم دوم:

وہ لوگ جو دیدہ و دانستہ موضوع روایتیں بیان کرتے تھے یا خود گھڑتے تھے، ان کی روداد اور کہانی تو طویل ہے جسے تفصیلاً تو آگے چل کر ہم چھیڑیں گے یہاں اجمالاً اس قدر عرض ہے کہ صحابہ، حدیث کے سلسلے میں غایت درجہ محتاط تھے، اور ان کے ساتھ تابعین کرام بھی اسی نہج پر قائم تھے، یہ سلسلہ حضرت عثمان غنیؓ کے اخیر خلافت سے پہلے پہلے تک رہا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اخیر زمانہء خلافت میں جب خلفشار شروع ہوا، اور گروہ بندیاں ہوئیں تو موقع کو غنیمت جانتے ہوئے دشمنان اسلام نے مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر حدیثیں گھڑنا شروع کیں، ابن سبا یہودی نے اس کی داغ بیل ڈالی، حب علی کا لبادہ اوڑھ کر حضرت علیؓ کی مدحت اور ان کے خلیفہ بلا فصل ہونے پر حدیثیں گھڑیں، مختلف علاقوں میں جا کر اپنا نظریہ پھیلا یا، نادان مسلمان اس کے اس جاں میں پھنس گئے، اس طرح وضع حدیث کا یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا بہت سے لوگ اپنے مفاد اور موقع کے مناسب حدیثیں گھڑ کر اپنا مقصود حاصل کرتے، کچھ تو وہ لوگ تھے، جو خود نہیں گھڑتے تھے، مگر موضوعات کو روایت کرتے اور فروغ دیتے تھے، علامہ ابن الجوزی نے ان لوگوں کو اولاً تین قسموں پر منقسم کیا ہے۔

پہلی قسم: وہ لوگ جو نادانستگی میں غلط بیان کر گئے، مگر جب صحیح کا علم ہوا تو ذلت کے ڈر سے اپنی غلطی پر اڑے رہے، اور رجوع نہیں کیا۔

دوسری قسم: وہ لوگ جو کذابین اور ضعفاء سے دانستہ طور پر روایتیں لیتے اور تدلیس ہے کام لیتے یہ لوگ بھی بمنزلہ کذابین کے ہیں کیوں کہ حدیث پاک میں آیا ہے، ”مَنْ حَدَّثَ عَنِّي بِرِي أَنَّهُ كَذَبَ فَهُوَ أَحَدُ الْكَاذِبِينَ“ (جو میری طرف سے کوئی حدیث غلط جانتے ہوئے بیان کرے وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک ہے) اس قسم میں وہ لوگ بھی داخل

ہیں جنہوں نے ایسے شیوخ سے روایتیں لیں جنہیں کبھی دیکھا تک نہیں۔ جیسے ایک شخص ہے عبداللہ بن اسحاق کرمانی، یہ روایت کرتا ہے محمد بن ابی یعقوب سے جبکہ اس کی ولادت سے تین سال پہلے ہی محمد بن یعقوب دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اسی طرح ایک دوسرا راوی ہے محمد بن حاتم الکتبی یہ عبد بن حمید کی سند سے حدیثیں سنا تا تھا تو شیخ ابو عبد اللہ حاکم نے جب سنا تو فرمایا یہ کجخت عبد بن حمید کی وفات کے تیرہ سال کے بعد سننے کا دعویٰ کر رہا ہے۔

تیسری قسم: ان لوگوں کی ہے جنہوں نے دانستہ طور پر بذات خود غلط بیانیوں کیں، یہ لوگ کبھی اسانید میں کذب بیانی کرتے مثلاً کسی ایسے شخص سے روایت بیان کرنے لگ جاتے جن سے سنا ہی نہیں، اور کبھی حدیث کو جس راوی سے مشہور و معروف ہوتی تھی کسی غیر معروف راوی کی طرف منسوب کر دیتے تھے، اور کبھی حدیث ہی گھڑتے تھے۔
تقسیم سوم:

اوپر کی ذکر کردہ تیسری قسم یعنی وہ لوگ جو بذات خود کذب بیانی کا ارتکاب کرتے ہیں ان کی سات قسمیں ہیں:

پہلی قسم: زنادقہ جن کا مقصد شریعت میں تحریف کرنا، اس کے تعلق سے شکوک و شبہات پیدا کرنا تھا، جیسے عبد الکریم بن ابی العوجاء یہ معن بن زائدہ کا ماموں اور حماد بن سلمہ کا ربیب تھا، حماد بن سلمہ کی کتابوں میں حدیثیں گھڑ کر ڈال دیا کرتا تھا، جب پکڑا گیا اور محمد بن سلیمان کے پاس لایا گیا تو اس نے اس کے قتل کا حکم دے دیا، جب اسے اپنے قتل کا یقین ہو گیا تو اس نے اعتراف کیا ”واللہ لقد وضعت فیکم أربعة آلاف حدیث، أحرم فیہا الحلال وأحل فیہا الحرام، ولقد فطرتکم فی یوم صومکم، وصومتکم فی یوم فطرتکم“۔

ترجمہ: قسم بخدا میں نے تمہارے درمیان ایسی چار ہزار حدیثیں گھڑی ہیں جن میں حرام کو حلال اور حلال کو حرام بتلایا ہے، میں نے تمہارے روزے کے دن میں افطار کرایا اور روزہ نہ رکھنے کے دن میں روزہ رکھوایا ہے۔

دوسری قسم: یہ ان لوگوں کا گروہ تھا جو حدیث اپنے مذہب اور فکر کی تائید کے لیے گھڑتے تھے، عبداللہ بن یزید المعری ایک بدعتی کے متعلق بیان کرتے تھے جس نے اپنی بدعت سے توبہ کی وہ کہتا تھا: ”انظروا هذا الحديث ممن تأخذونه، فان كنا إذا رأينا رأياً جعلناه حديثاً“۔

ترجمہ: دیکھو حدیث تم کس سے لے رہے ہو، کیوں کہ جب ہم کوئی رائے قائم کرتے تو ایک حدیث گھڑ لیتے۔

حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ ایک رافضی شیخ نے ہم کو بتلایا کہ ہم جب اکٹھے ہوتے اور کوئی بات اچھی لگ جاتی تو اس کو حدیث بنا لیتے اس سلسلے میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ مختار نے ایک شخص سے کہا تم میرے لیے ایک ایسی حدیث وضع کرو کہ میں خلیفہ بن جاؤں، اور اس کے عوض میں تمہارے لیے دس ہزار درہم تاج، سواری، اور خادم حاضر خدمت ہیں، اس شخص نے کہا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی جرأت تو نہیں کرتا، البتہ صحابہ میں سے کسی کی طرف کہو تو کر دوں، اور معاوضہ جتنا چاہو کم کر لو، مختار نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب بات پختہ ہوگی اس نے کہا عذاب بھی اتنا پختہ ہوگا۔

تیسری قسم: وہ لوگ جو فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں لوگوں کو خیر پر آمادہ کرنے کے لیے حدیثیں گھڑتے تھے، یہ شریعت کے ساتھ نادان دوستی ہے، گویا شریعت ناقص ہے ان موضوعات کی اسے ضرورت ہے۔ (العیاذ باللہ!)

عبداللہ نہاوندی کہتے ہیں میں نے غلام خلیل سے کہا رقاق کی جواتنی زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہو کہاں سے لاتے ہو؟ کہا کہ میں نے لوگوں کے قلوب نرم کرنے کے لیے ان کو وضع کیا ہے، ابن الجوزی فرماتے ہیں غلام بڑا زاہد و متصوف شخص تھا، اس کے انتقال کے دن بغداد کے بازار بند تھے۔

چوتھی قسم: ایسے لوگوں کی ہے جن کے نزدیک ہر عمدہ کلام کے لیے سند گھڑنا جائز تھا محمد بن خالد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ محمد بن سعید کہتا تھا ”لا بأس إذا كان كلام حسن أن تضع له إله ناداً“۔ (اگر کلام عمدہ ہو تو سند گھڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں)۔

پانچویں قسم: جو کبھی کبھی اپنے کسی مقصد کے لیے حدیثیں گھڑتے تھے مثلاً شاہی دربار میں تقرب حاصل کرنے کے لیے وضع کرنا، جیسا کہ غیاث بن ابراہیم کا واقعہ مشہور ہے، خلیفہ مہدی کے پاس آیا اس نے اس کے سامنے کبوتر دیکھے، خلیفہ کبوتر کا بڑا شوقین تھا، غیاث سے کہا گیا کہ امیر المؤمنین کے سامنے کوئی حدیث بیان کرو تو اس نے کہا ”حدثنا فلان أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا سبق إلا فی نصل أو خف أو حافر أو جناح“۔ ترجمہ: مسابقت صرف نیزہ بازی میں یا اونٹ میں یا گھوڑے میں یا پرندے میں ہے۔

حدیث میں جناح کا تذکرہ نہیں ہے مگر چوں کہ مہدی کبوتر سے کھیل رہا تھا اس لیے غیاث نے جناح کا اضافہ کر دیا، یہ سن کر مہدی نے اسے انعام دینے کا حکم دیا، جب وہ انعام لے کر رخصت ہو گیا تو مہدی نے کہا اس نے اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھا ہے پھر اس نے کبوتر کو ذبح کر دیا۔

ان میں سے کچھ لوگ وہ تھے جن سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو حدیث گھڑ لیتے معیضی کا بیان ہے کہ ابراہیم بن ابی یحییٰ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص نے پارچہ باف

کو کپڑا بننے کے لیے سوت دیا، اس نے کپڑا بن دیا، اور کچھ دھاگے بچ گئے، کپڑے کا مالک کہہ رہا ہے کہ دھاگہ میرا ہے اور پارچہ باف کہہ رہا ہے کہ دھاگہ میرا ہے اس موقع پر ابراہیم نے یہ روایت گھڑ کر سنادی ”حدثنی ابن جریج عن عطاء قال ان کان صاحب الثوب أعطاه الأجرة فالخیوط له، والافهی للحائك“۔

ترجمہ: اگر کپڑے والے نے اجرت دیندی ہے، تو دھاگہ اس کا ہوگا، ورنہ کپڑا بننے والے کا ہوگا۔

ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو کسی کی مذمت میں حدیث گھڑتے تھے، جیسے کہ سعد بن طریف نے اپنے بیٹے کو روتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کیوں رو رہا ہے؟ کہا کہ استاد نے مجھے مارا ہے، اس نے کہا واللہ میں انہیں رسوا کروں گا ”حدثنی عکرمہ عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال معلّموا صبیانکم شرارکم“ اسی طرح کچھ لوگ اپنے امام یا مسلک کی حمایت میں اور مخالف مذہب کی مذمت میں حدیثیں گھڑتے تھے جیسے ”یکون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادریس اضر علی امتی من ابلیس“ اور جیسے ”من رفع یدیه فی الركوع فلا صلاة له“ وغیرہ قاضی مجد الدین شیرازی کہتے ہیں: ”ما ورد فی فضل أبی حنیفة والشافعی أو ذمهما، لا یصح فی هذا الباب شیء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“۔

ترجمہ: ابوحنیفہ یا شافعی کی فضیلت و مذمت میں جو روایات بیان کی جاتی ہیں ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

چھٹی قسم: کچھ لوگ وہ تھے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی عجیب و غریب کلام یا واقعہ یا سند منسوب کرنے کا بڑا شوق تھا، تاکہ لوگ انہیں حیرت و استعجاب سے

دیکھیں، اور ان کی علمی برتری کے قائل ہوں، اس قسم کے واضعین میں یقول حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری ابراہیم بن الیسع یعنی ابن ابی حبیہ بڑا پیش پیش تھا، یہ شخص جعفر صادق اور ہشام بن عروہ دونوں سے حدیثیں نقل کرتا تھا مگر ایک حدیث کی سند کے ساتھ دوسری حدیث کا متن جوڑ دیتا تھا تا کہ اس سند سے اس حدیث کو لوگ عجیب و غریب تصور کریں۔

ساتویں قسم: کچھ لوگ ایسے تھے جن پر حفظ کرنا گراں گذرتا تھا، تو بروقت کوئی حدیث تیار کر لیا کرتے تھے، یا یہ سوچتے تھے کہ محفوظ حدیثیں تو معروف ہیں کوئی انوکھی چیز لائی جائے، چنانچہ اسی جذبہ کے تحت عجائب و غرائب کے وضع کے مرتکب ہو جاتے تھے، اس میں قصہ گو و اعظین اور مقررین کا بڑا حصہ ہے، علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے دو فقیہوں نے ہمارے زمانہ کے ایک واعظ کے حوالہ سے بتایا جو بظاہر عبادت گذار اور متقی لگتا تھا، اس نے ان دونوں سے یوم عاشوراء کے تعلق سے بہت ساری حدیثیں بیان کیں ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من فعل کذا فله کذا، ومن فعل کذا فله کذا“۔ ترجمہ: اس نے آج کے دن یہ عمل کیا اس کے لیے یہ اجر ہے، جس نے یہ عمل کیا اس کے لیے یہ اجر ہے۔

مجلس کے آخر تک یہی بیان کرتا رہا، ان دونوں حضرات نے اس سے پوچھا، یہ حدیثیں کہاں سے حفظ کی ہیں؟ کہا کہ واللہ میں نے انہیں حفظ نہیں کیا ہے، اور میں ان کو جانتا بھی نہیں، بل کہ ابھی ابھی میں نے بنائی ہے؛ اسی طرح ایک واقعہ سلیمان بن مہران الاعمش کے ساتھ پیش آیا، جب وہ بصرہ گئے تو ایک قصہ گو کو مسجد میں وعظ کرتے دیکھا، وہ اس طرح حدیث بیان کر رہا تھا ”حدثنا الاعمش عن ابي اسحاق عن ابي وائل“۔ ترجمہ: مجھ سے اعمش نے بیان کیا، ان سے ابو اسحاق نے ان سے وائل نے۔

یہ سن کر اعمش بیچ میں آگئے، اور بغل کا بال اکھاڑنے لگے، اس پر قصہ گو برا فروختہ ہوا، اور بولا اے شیخ! تجھے شرم نہیں آتی کہ میں تعلیم حدیث میں مشغول ہوں اور تو یہ نازیبا حرکت کر رہا ہے، اعمش نے جواب دیا جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ تیرے عمل سے بہتر ہے، اس نے پوچھا وہ کیسے؟ اعمش بولے کہ میں سنت زندہ کر رہا ہوں، اور تو جھوٹ بول رہا ہے، اعمش تو میں ہوں اور میں نے کبھی تم سے یہ روایت نہیں کی ہے۔

ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں واعظین و مقررین کے چند ایسے واقعات ذکر فرمائے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہیں ہیں قارئین کی ضیافت کے لیے پیش کئے جا رہے ہیں۔

امام احمد نے بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے رصافہ کی مسجد میں ایک مرتبہ نماز پڑھی، وہاں ایک واعظ صاحب کھڑے ہو کر وعظ کرنے لگے، اس ضمن میں انہوں نے فرمایا کہ: احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے ذریعے یہ حدیث مجھ کو پہونچی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام کلمات میں سے ہر ہر کلمہ کے بدلے میں ایک چڑیا پیدا کرتا ہے، اس کی چونچ سونے کی اور اس کے پر مرجان کے ہوتے ہیں؛ اس طرح وہ قریب بیس ورق کے بگ ڈالے۔ امام احمد یحییٰ بن معین کو اور یحییٰ بن معین امام احمد کو حیرت سے تکتے لگے، ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ کیا تم نے اس سے یہ حدیث بیان کی ہے، انہوں نے کہا خدا کی قسم! میں نے تو اس سے پہلے کبھی سنا بھی نہیں، جب وہ اپنے وعظ سے فارغ ہو گیا اور چندوں سے جیب گرم کر لی تو اس انتظار میں تھوڑی دیر اور بیٹھا کہ شاید کچھ اور مل جائے تو یحییٰ بن معین نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو بلایا، وہ اس خیال سے فوراً چلا آیا کہ شاید یہ بھی کچھ دیں گے، تو اس سے یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ: جناب آپ سے یہ حدیث (جس کو آپ نے ابھی مجمع میں بیان کیا ہے) کس نے بیان کی کہنے لگے۔

کہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے، یحییٰ بن معین نے کہا کہ یحییٰ بن معین تو میں ہوں اور احمد بن حنبل موجود ہیں، ہم نے تو اس کو رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں کبھی سنا نہیں، اگر آپ کا کام بغیر جھوٹ بولے چلتا ہی نہیں تو براہ کرم ہمارا نام بدنام نہ کریں، وہ بولا کہ: تم یحییٰ بن معین ہو، انہوں نے کہا کہ ہاں! کہنے لگا کہ: میں مدت سے سنا کرتا تھا کہ یحییٰ بن معین اُفق ہے، اس کا یقین مجھ کو نہ آتا تھا، مگر اس وقت تجربہ ہو گیا، یحییٰ بن معین نے کہا کہ آپ کو یہ کیسا معلوم ہوا کہ میں احمق ہوں؟ کہا کہ: آپ دونوں کے سوا اللہ کی اس وسیع زمین میں کوئی دوسرا یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل ہے ہی نہیں؟ مجھ کو تو یہ حدیث سترہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین سے پہونچی ہے، امام احمد نے اپنی آستین اپنے چہرہ پر رکھ لی، اور یحییٰ بن معین سے کہا کہ: اس کو یہاں سے جانے دو، تو ہمارا مذاق اڑاتا ہوا چلا گیا۔

اسی طرح ذہبی نے ”میزان“ میں لکھا ہے کہ جعفر بن حجاج موصلی نے فرمایا کہ محمد بن عبد اللہ ساکن سمرقند ہمارے شہر میں آیا اور غیر معتبر روایات بیان کرنا شروع کر دیں، مشائخ کی ایک جماعت مجتمع ہو کر (جس میں میں بھی تھا) اس کے پاس گئے تاکہ اس حرکت شنیعہ سے باز رکھیں وہاں جا کر دیکھا تو جلسہ وعظ چاروں طرف سے بھرا ہوا ہے، جب اس نے ہم کو دور سے دیکھا تو سمجھ گیا کہ ہم لوگ کس غرض سے اس کے پاس آئے ہیں، اسی وقت تنبیہ کے واسطے سے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ: قرآن کلام اللہ تعالیٰ کا ہے اور غیر مخلوق ہے، عوام کی شورش کا خیال کر کے ہم کو جرأت نہ ہوئی کہ ہم اس کی تکذیب کریں۔

حافظ ابو بکر خطیب بغدادی نے مع اسناد کے محمد بن یونس کدی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ: وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے مقام اہواز میں ایک شخص کو اثنائے وعظ میں حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ: جب نبی علیہ السلام نے حضرت علی کا نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے درخت طوبی کو حکم دیا کہ ترموتیوں کو نچھاور کرے، تاکہ اہل بہشت آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیں، میں نے اس سے کہا کہ بڑے میاں! آپ نے رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افترا کیا، اس نے فوراً کہا کہ: مجلس وعظ میں دنیاوی کلام نہ کرنا چاہیے۔

ابن عقیل فرماتے ہیں کہ: ایک واعظ کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے دریافت فرمایا کہ: تم کس کو چاہتے ہو، کہا کہ: اپنے بھائی ہارون کو، محمدؐ سے پوچھا کہ تم کس کو چاہتے ہو؟ کہا کہ اپنے چچا اور ماں کو، فرمایا کہ اے نوح! تم کس کو چاہتے ہو؟ کہا اپنے بیٹے کو، فرمایا کہ اے یعقوب تم کس کو چاہتے ہو؟ کہا کہ: یوسف کو، خداوند عالم نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص مجھ سے اپنی اپنی مرادیں طلب کرتا ہے وہ لوگ کہاں ہیں جو مجھ کو مجھ سے مانگیں، پھر زور سے چوکی پر ہاتھ مارا، اور قاری کو اس آیت کے پڑھنے کا حکم دیا کہ جس میں ”تریدون وجہہ“ وارد ہے قاری نے اس کی قراءت کی اہل مجلس چیخ چیخ کر رونے لگے، کچھ لوگ بے ہوش ہو گئے، کسی نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، اور واعظ صاحب کا یہ شعبدہ موثر ہو گیا لوگ سمجھ گئے کہ جو کچھ اس نے کہا وہ بالکل درست ہے، کسی جلسہ وعظ میں ایک واعظ نے اس آیت کی تفسیر ”عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً“ میں یہ کہہ دیا کہ نبی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرش پر رونق افروز ہوں گے، یہ خبر امام محمد بن جریر طبری کو پہونچی، وہ اس سے سخت ناراض ہوئے، اور بہت زور شور سے اس کا انکار کیا اور اپنے دروازہ پر یہ لکھ کر لگا دیا کہ پاک ہے وہ ذات جس کا کوئی انیس نہیں، نہ اس کے عرش پر کوئی بیٹھنے والا ہے، عوام میں اس تحریر پر بڑی شورش پیدا ہوئی اور انہوں نے امام ممدوح کے گھر پر پتھروں کی بارش کر دی، یہاں تک کہ پتھروں کی کثرت کے وجہ سے دروازہ پٹ گیا۔

بعض مشهور وضايعين وكذابين

(از مقدمه تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة
لابن العراق الكنانى)

باب الهمزة:

- (۱) ابان بن أبى عياش متروك... اتهم بكذب،
- (۲) ابراهيم بن أحمد الحرانى الضير ، وهو إبراهيم بن أبى حميد... قال
أبو عروبه: كان يضع الحديث.
- (۳) أحمد بن أبى إسحاق عن إسماعيل بن أبى أويس، مجهول... أتى
بخبر باطل.

- (۴) أزور بن غالب عن سليمان التيمى... قال الذهبى منكر الحديث متهم.
- (۵) أيوب بن عبد السلام شيخ لحماذ بن سلمة... قال ابن حبان كذاب.

باب الباء:

- (۱) بشر بن عبيد الدارسى عن طلحة بن زيد... كذبه الأزدي .
- (۲) بكر بن زياد الباهلى عن ابن مبارك... قال ابن حبان دجال كذاب.
- (۳) بندار بن عمر الروبانى... قال النخشبى كذاب.
- (۴) بورى بن الفضل الهرمزي لا يدرى من ذا... وخبره باطل.
- (۵) بشير بن زاذان... اتهمه ابن الجوزى بوضع حديث.

باب التاء:

(١) تمام بن نجيح ... قال ابن حبان روى أشياء موضوعة عن الثقات كأنه المعتمد لها.

(٢) تميم بن أحمد بن أحمد البندنجي، محدث متأخر... كذبه ابن الأختصر.

(٣) تليد بن سليمان الكوفي الأعرج... أورد له الذهبي في الميزان في ترجمة داؤد بن عوف حديثاً ثم قال : آفته تليد فإنه متهم بالكذب.

(٤) توبة بن علوان البصري... قال ابن حبان : يروى عن شعبة وأهل العراق ما ليس من حديثهم.

باب الشاء:

(١) ثابت بن حماد أبو زيد البصري... قال البيهقي : متهم بالوضع.

(٢) ثابت بن موسى الضبي الكوفي العابد... قال يحيى كذاب.

(٣) ثمامة بن عبيد أبو خليفة العبدى البصري عن أبي الزبير المكي... كذبه ابن المدينى.

(٤) ثوبان بن إبراهيم المصرى ... اتهمه ابن الجوزى بالوضع ، و هو ذو النون

المصرى الصوفى المشهور كما قاله الجوزقانى ، قال الحافظ ابن حجر

و رأيت عى هامش كتاب الجوزقانى : الصواب ثوبان أخو ذى النون.

(٥) ثوبر بن أبى فاخنة سعيد بن علاقة الكوفى ... كذبه الثورى.

باب الجيم:

(١) جابر بن سليم عن يحيى بن سعيد الأنصارى ... أورد له ابن الجوزى

فى موضوعاته حديثا وقال المتهم به جابر.

(٢) جبارة بن المغلس الحمانى الكوفى... قال ابن الجوزى أحاديثه كذب.

(٣) جبرون بن واقد الأفريقى عن سفيان بن عيينة... متهم با لوضع.

جرير بن أيوب البجلي الكوفى... قال أبو نعيم كان يضع الحديث.

(٤) جعفر بن جسر بن فرق... اتهمه ابن الجوزى بوضع الحديث.

(٥) جميل بن الحسن الأهوزى... قال عبدان فاسق كذاب.

باب الناء المهملة:

(١) حاتم بن عثمان العاقرى أبو عثمان الأفريقى عن مالك... متهم.

(٢) الحرث بن شبل الكرمينى شيخ بخارى... كذبه سهل بن شاذويه.

(٣) حباب بن جبلة الدقاق عن مالك... قال الأزدي كذاب.

(٤) حسان بن سياه... قال ابن حبان يأتى عن الأثبات بما لا يشبه حديثهم.

(٥) حبيب بن جحدر أخو خصيب... كذبه أحمد بن ويحيى.

باب الناء:

(١) خارجة بن مصعب يدلّس على الكذابين... ويقال إن ابن معين كذبه.

(٢) خالد بن إسماعيل بن الوليد المخزومى المدنى قال ابن عدى كان

يضع الحديث.

(٣) خلف بن خالد بصرى لا يكاد يعرف... اتهمه الدارقطنى بوضع الحديث.

(٤) الخليل بن زكريا الشيبانى ويقال العبدى البصرى... قاسم المطرز

كذاب وقال العيلى يحدث عن الثقات با لبواطيل.

باب الدال:

- (١) داؤد بن إبراهيم العقيلي عن خالد بن عبد الله الطحان... كذبه الأزدي.
 (٢) دحيم بن محمد الصيد او... ابي بكر بن عياش... له حديث موضوع.
 (٣) دليل بن عبد الملك عن السدي عن زيد بن ارقم... له نسخة موضوعة.
 (٤) دهشم بن جناح عن شابة بن سوار... قال الأزدي من معادن الكذب.

حرف الذال:

- (١) ذاكر بن موسى بن شيبة العسقلاني... أتى بحديث كذب بسند الصحيح فاتهم.
 (٢) ذبال بتشديد المثة التحتية الموصلي... أتى بخرافة تشبه حديث رتن ذكرها ابن عبد الملك في التكملة.

باب الراء:

- (١) راشد بن معبد عن أنس... قال الحاكم وابن حبان روى أحاديث موضوعة.
 (٢) ربيعة بن محمود المارديني... دجال مفتر ادعى الصحة و التعمير في سنة تسع وتسعين وخمس مائة.

- (٣) رتن الهندي... ذالك الكذاب المشهور ظهر بعد الستمائة فادعى الصحة.
 (٤) رجي بن سلمة عن أبي معاوية... قال ابن الجوزي اتهم بسرقة الأحاديث.
 (٥) رشيد الهجري عن أبيه... قال أبو اسحاق الجوزجاني كذاب.

حرف الزاء:

- (١) زراعة بن عبد الرحمن الزبيدي شيخ لبقية... متروك والخبر باطل.

(٢) زكريا بن يحيى الكتانى عن مالك بن خنبر باطل... لكن الاسناد إليه ظلمات.

(٣) زهد بن الحارث الغفارى المكى عن ابيه وعنه ابيه يحيى بنسخة موضوعة.

باب السين:

(١) سعد بن على القاضى أبو الوفا النسوى ... كذاب.

(٢) سعيد بن ذى لعة ... قال ابن حبان دجال.

باب الشين:

(١) شبيب بن سليم عن الحسن البصرى ... قال العقيلي كان يكذب.

(٢) شعيب بن أحمد البغدادى عن عبد الحميد بن صالح بن خنبر باطل.

باب الصاد:

(١) صالح بن الأخضر ... قال الجوزجاني إتهم في أحاديثه.

(٢) صباح بن يحيى عن الحارث بن حصيرة شيعى ... متروك متهم..

باب الضاد:

(١) ضرار بن سهل عن الحسن بن عرفة بن خنبر ... ولا يدري من ذا الحيوان.

(٢) ضياء بن محمد الكوفى عن الحسن بن مرزوق بإسناد باطل لمتن الموضوع.

باب الطاء:

(١) طلحة بن زيد الرقى أبو مسكين ... قال أحمد وابن المدينى كان يضع الحديث.

(٢) طاهر بن رشيد عن سيف بن محمد عن الاعمش بن خنبر باطل ... قال

الأزدى آفته هو أو سيف.

باب الضاء :

(١) ظليم بن خطيط بالتصغير فى الإسمين ... اتهمه ابن عدى بالوضع .

(٢) ظبيان بن محمد بن ظبيان عن ابيه عن جده عن عمرو بن مرة الجهنى
بنخبر كذب .

باب العين :

(١) عاصم بن طلحة عن انس ... قال الأزدي كذاب .

(٢) عباد بن كثير الثقفى البصرى ... قال الإمام أحمد أحاديثه كذب .

باب الغين :

(١) غالب بن وزير من اهل غزة عن ابن وهب بنخبر باطل .

(٢) غسان بن ناقد عن الاشهب مجهول ... وخبره باطل .

باب الفاء :

(١) فضالة بن حصين الضبى ... قال ابن عدى متهم بالوضع .

(٢) الفضل بن عيسى الرقاشى ... قال ابن الجوزى كذاب .

باب القاف :

(١) قاسم بن إبراهيم الملقى عن لوين ... قال الدارقطنى كذاب .

(٢) قطن بن صالح الدمشقى عن ابن جريج ... قال الأزدي كذاب .

باب الكاف :

(١) كنانة بن جبلة عن إبراهيم بن طهمان ... قال ابن معين كذاب .

(٢) كوثر بن حكيم عن عطاء ومكحول ... قال أحمد أحاديثه بواطيل .

باب اللام:

(١) لاهز بن عبدالله أبو عمر التميمي عن معتمر بن سليمان ... لا يعرف و
أتى بخبر باطل.

(٢) لوط بن يحيى أبو مخنف كذاب تالف.

باب الميم:

(١) المبارك بن حسان ... قال الأزدي رمى بالكذب.

(٢) موسى بن إدريس مرفى محمد بن عمر و الحوضي.

باب النون:

(١) نزار بن حيان عن عكرمة ... اتهمه ابن حبان بالوضع.

(٢) نصر بن صفوان عن حماد بن زيد ... قال ابن معين كذاب.

باب الهاء:

(١) هارون بن حبيب البلخي عن جوير ... قال الأزدي كذاب.

(٢) هيصم بن شداخ عن الأعمش وشعبة مجهول متهم.

باب الواو:

(١) الوليد بن عصام الزبيدي عن أبيه متهم في روايته.

(٢) وهب بن داؤد الضرير المخرمي ... اتهمه الخطيب.

باب الياء:

(١) يحيى بن محمد بن خشيش اتهمه ابوسعيد النقاش بالوضع.

(٢) يعقوب بن إسحاق بن إبراهيم العسقلاني ... كذاب.

وضع حدیث کے چند اہم و بنیادی اسباب و محرکات

مذکورہ تقسیمات تلاش کی چودہ اقسام جن کے ارد گرد ہر وضاع و کذاب اور وضع و کذب کا ہر مبتلا و شکار گشت کرتا ہوا نظر آئے گا ان کو کذب فی الحدیث کی اس شنیع و فبیح ترین حرکت پر کن چیزوں نے آمادہ کیا؛ بعض علماء نے ان اسباب کو بھی چند قسموں میں سمیٹ کر بتلایا کہ وہ کل حسب ذیل نو چیزیں ہیں:

(۱) تقرب الی اللہ: یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے جذبے سے، طاعت میں رغبت اور معصیت سے خوف دلانے والے مضامین کو گھڑنا، ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جو زہد و صلاح کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور اسی کے اثر اور رعایت میں وہ یہ کام کرتے ہیں، یہ سبب وضع کا بدترین داعیہ ہے اور ایسے واضعین بدترین واضعین شمار ہوتے ہیں، اس لیے کہ ان کی نیک کرداری ان روایات کی قبولیت و اعتبار کا باعث بنتی ہے، مثلاً:

میسرہ بن عبد ربہ نامی ایک شخص تھا جس کے متعلق ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں ابن مہدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے اس سے کہا تم سورتوں اور آیات کے پڑھنے کے فضائل کی روایات کہاں سے لائے؟ تو اس نے کہا میں نے لوگوں کو رغبت دلانے کے لیے ان کو گھڑا ہے۔

(۲) مذہب و تحریک کی حمایت جسے زیادتی و تعصب کا عنوان بھی دیا گیا ہے۔

اپنے اپنا ہوئے مذہب و نظریہ کی تائید و تقویت کے لیے کسی چیز کا گھڑنا خاص

طور سے سیاسی و مذہبی گروہ بندیوں کے بعد ہر فرقہ و جماعت نے اپنی تائید میں احادیث گڑھیں، جیسے ”علی خیر البشر من شک فیہ کفر“ یعنی حضرت علی سب سے افضل انسان ہیں جو اس بارے میں شک کرے وہ کافر ہے، روافض نے اسے اپنا ہتھیار بنا کر استعمال کیا۔

(۳) طعن در اسلام جسے بے دینی کا عنوان بھی دیا گیا ہے؛ اسلام کو بد نما و داغ دار بنانے کے لیے احادیث کی وضع، یہ کام زندیقوں یعنی در پردہ اسلام کی دشمنی رکھنے والوں نے کیا، جو اسلام کے خلاف کھلم کھلا جب کوئی سازش نہ کر سکے تو انہوں نے یہ بدترین اور مہلک ترین صورت نکالی اور کافی تعداد میں احادیث گڑھیں، مثلاً:

محمد بن سعید شامی جسے بد دینی کے الزام میں ہی سولی دی گئی اس نے بواسطہ حمید حضرت انسؓ سے روایت نقل کی ہے: ”أنا خاتم النبیین لا نبی بعدی الا ان یشاء اللہ“۔

(۴) تقرب الی الحکام: یعنی حکام و امراء کی خواہشات کا پاس و لحاظ اور ان کی خوشنودی کا حصول۔

بعض کمزور اہل ایمان نے ایسا کیا کہ حکام وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے غیر شرعی مشاغل کی مؤید روایات گڑھ کر بیان کی ہیں، مثلاً:

غیاث بن ابراہیم کوئی کا قصہ مشہور ہے کہ وہ عباسی خلیفہ مہدی کے پاس گیا تو اسے کبوتروں میں مشغول پایا فوراً ہی سند متصل کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے حدیث سنائی: ”لا سبق إلا فی نصل أو خف أو حافر أو جناح“۔

ترجمہ: انعامی مقابلہ کا حال صرف تیر چلانے یا اونٹ یا گھوڑوں کے دوڑانے یا پرندوں میں جائز ہے، اس حدیث میں اس نے پرندوں کا اضافہ کر دیا تا کہ مہدی کے ذوق و

مشغلہ کی تائید کر سکے، مہدی چوں کہ صاحب علم تھا فوراً اس کی حرکت کو تاڑ گیا اور چوں کہ اس کا عمل اس خبیث حرکت کا باعث بنا تھا، اس لیے اسی وقت تمام کبوتروں کو ذبح کرنے کا حکم دے دیا اور کہا کہ میں ہی اس کے لیے اس کام کا محرک بنا ہوں۔

(۵) طلب معاش: حصول مال و زر کے لیے مضامین گڑھ کر اور ادھر ادھر کے قصے بطور احادیث بیان کرنا، جیسے قصہ گو کرتے رہے، بلکہ مجلسیں لگا کر لوگوں کو اس قسم کی چیزیں سناتے اور ان سے پیسے حاصل کرتے، مثلاً:

احمد بن یعقوب عبدالملک کے پاس کھانے کے موقعوں پر حاضر تھا جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو خربوزہ لایا گیا، اس پر احمد نے کہا اے امیر المؤمنین حضورؐ نے فرمایا: ”بطیخ قبل الطعام يغسل البطن غسلاً و يذهب الله اصلاً“۔
ترجمہ: کھانے سے پہلے خربوزہ کھانا پیٹ کو صاف کر دیتا ہے اور بیماری کو بالکل ختم کر دیتا ہے۔

اس پر عبدالملک نے اسے ایک لاکھ درہم دینے کا حکم دیا۔

(میزان الاعتدال: ج ۱/ ص ۸۷)

(۶) طلب شہرت: ایسی احادیث کے بیان و نقل کا شوق جو دوسرے محدثین کے یہاں نہ مل سکیں، ایسے لوگ اسناد میں الٹ پھیر کر کے اپنا مطلب پورا کر لیا کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے لوگ ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جیسے ابن ابی دحیہ، حماد نصیبی۔

(۷) طلب دلیل: اہل افتاء اپنے فتاویٰ کی قوت و پختگی کے لیے بطور دلیل ایسی احادیث ذکر کرتے ہیں جیسے ابوالخطاب ابن دحیہ۔

(۸) احباب سوء: بعض لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ بھی ہوا کہ ان کی اولاد وزیر کفالت افراد یا کاتب و منشی وغیرہ نے ان کی لاعلمی میں ان کے مسودات و مکتوبات میں گڑھی ہوئی احادیث شامل کر دیں اور وہ انہیں سمجھ نہ سکے اور صحیح سمجھ کر بیان کرتے رہے۔

(۹) حاجت و ضرورت بھی کبھی اس کی داعی بنتی ہے، جیسے محمد بن عکاشہ، اور حق یہ ہے کہ ”حاجت“ ایسا داعی ہے کہ اس کے تحت تمام صورتیں آ سکتی ہیں، اس لیے کہ حاجت دین کی بھی ہوتی ہے اور دنیا کی بھی اور اوپر ذکر کردہ امور انہیں میں منحصر ہیں، بجز ایک دو صورتوں کے۔

(۱۰) تفوق علمی: ”و من اسباب الوضع ما يقع ممن لا دين له عند المناظرة في المجامع استدلالاً على ما يقوله بما يطابق هواه تنقيحاً لجداله و تقويماً بماله واستطالة على خصمه ومحبة للقلب و طلباً للرياسة و فراراً من الفضيحة“۔

یعنی: وضع کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ مجمع عام میں مناظرہ کے وقت جس کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہوتی جس سے وہ اپنے مذہب کے درست ہونے پر استدلال کر سکے تو وہ اپنے جھگڑے اور مقالے کو تقویت دینے اور مخالفت پر غلبہ پانے اور دل کی چاہت اور طلب ریاست اور رسوائی سے بچنے کی خاطر روایتیں وضع کرتا ہے۔

باب چہارم

فتنہ وضع حدیث کی سرکوبی

حق و باطل کی کشمکش: فتنہ وضع حدیث کی جو کہانی سنائی گئی نہ تو عجیب ہے اور نہ ہی حدیث کی حیثیت و حجیت میں کچھ خارج، عجیب تو اس لیے نہیں کہ خود حق تعالیٰ کا یہی نظام ہے کہ: ”و کذالک جعلنا لکل نبی عدوً و اشیاطین الانس و الجن یوحی بعضهم الی بعض فلو انزلوا قول غروراً ولو شاء ربک ما فعلوه فذرہم وما یفترون“ (سورہ انعام، آیت نمبر ۱۱۲)

ترجمہ: ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے، کچھ آدمی اور کچھ جن، جن میں سے بعض دوسرے بعضوں کو چکنی چڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے، تاکہ ان کو دھوکے میں ڈال دیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسے کام نہ کر سکتے، سو ان لوگوں کو اور جو کچھ یہ افتراء طعنازی کر رہے ہیں اس کو آپ رہنے دیجئے۔

مکے ہمیشہ حق کے ساتھ پنچہ آزمائی کی ناکام کوشش کی ہے اور بالآخر منہ کی کھائی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اور حدیث کی حجیت میں خارج اس لیے نہیں کہ اگرچہ اہل باطل نے یہ چاہا کہ

احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اپنی باتیں شامل کر کے پورے ذخیرہ حدیث کو

ساقط الاعتبار بنادیں، مگر چوں کہ خود حق تعالیٰ شانہ کو یہ منظور نہیں کہ جس گلشن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لگایا سجایا، بسایا اور اپنے خون و پسینہ کے مبارک قطروں سے سیراب و شاداب کیا ہے، اسکی کوئی کلی مر جھا جائے، چہ جائیکہ کوئی کسی کلی پر دست درازی کرے، اسلئے اس نے امت کے غیور و باشعور اور اسلامی حمیت سے معمور طبقہ کو اس اہم کام کے لیے منتخب فرمایا چنانچہ ان مقدس انسانوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسی غیرت کا مظاہرہ کیا اور ”اینقص الدین و أنا حی“ کی آواز بلند کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے ہوتے ہوئے اسلام اور دین و شریعت کے ان مآخذ (یعنی قرآن و سنت) پر کوئی آنچ آئے یہ ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ امت کے ان جیالوں نے اپنی اس آواز کو عملی جامہ پہنا کر احادیث کے ذخیرہ مقدسہ کی ایسی حفاظت فرمائی کہ اس کی حیثیت و جیت پر قطعاً کوئی اثر نہیں آسکا، جس کی تفصیل اگلے سطور سے سمجھی جاسکتی ہے۔

فتنہ وضع حدیث اور محدثین کرام و اساطین امت کی

دفاعی سرگرمیاں

ابطال باطل اور احقاق حق کے لیے دو طاقتوں کا ہونا بہت ضروری ہے:
ایک دست و بازو کی طاقت، دوسری علم و بصیرت کی طاقت، قرآن کہتا ہے:
”و اذکر عبدنا ابراهیم و اسحاق و یعقوب اولی الایدی و الأبصار“
(سورۃ ص الآیۃ ۴۵)

ترجمہ: اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو یاد کیجئے جو ہاتھوں سے کام کرنے والے اور آنکھوں سے دیکھنے والے تھے، یعنی ان میں قوت عملیہ اور قوت علمیہ تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ باطل کے مقابلہ کے لیے دو قسم کی قوت درکار ہے۔
 اول عملی، دوم علمی، حفاظت حدیث کے سلسلے میں دونوں قوتوں کا خوب خوب
 استعمال کیا گیا ہے۔

حفاظت حدیث اور سلاطین اسلام:

شاہان زمانہ اور سلاطین وقت نے ان واضعین و کذابین اور دجالہ و فراعنہ کو اپنی
 سلطانی طاقت کے ذریعہ ان کے کیفر کردار تک پہنچایا، چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ
 حضرت علیؓ کو عبد اللہ بن سباء کی فتنہ انگیزی کی خبریں پہنچی تو آپؓ نے فرمایا: ”مالی و لہذا
 الخبیث الأسود“۔ اس کا لے خبیث سے مجھے کیا لینا دینا۔

علامہ ابن حجرؒ تو فرماتے ہیں کہ: ”قد احرقہم علی فی خلافتہ“ اس جماعت کو
 حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں آگ میں ڈلوادیا تھا۔

علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے ان کے متعلق فرمایا: ”قاتلہم اللہ ای
 عصابة سودوا و ای حدیث من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 افسدوا“۔ (تذکرہ الحفاظ)

ترجمہ: اللہ ان کو ہلاک کرے، انہوں نے کتنی پاکیزہ جماعتوں کو سیادہ کر ڈالا اور
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی حدیثوں کو فاسد کر دیا۔

خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں ایک زندیق کو قتل کے لیے لایا گیا تو وہ کہنے لگا تم
 مجھے تو قتل کر دو گے، لیکن ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کر کے جاری
 کر دی ہیں، ہارون رشید نے فوراً جواب دیا۔

فأین أنت یا عدو اللہ عن أبی اسحق الفزاری و ابن المبارک

”ینخلانہا فیخرجانہا حرفا حرفا“ یعنی اے دشمنِ خدا تو ابواسحق فزاریؒ اور ابن مبارک سے بچ کر کہاں جاسکتا ہے جو ان کو چھلنی کی طرح چھان کر ایک ایک حرف نکال پھینکیں گے۔“

(معرفة علوم الحديث)

یہی وجہ ہے کہ عبدالکریم بن ابی العوجا اور محمد بن سعید مصلوب جیسے کذابوں کو قتل کی سزا دی گئی۔

حفاظت حدیث اور محدثین کرامؒ:

مقدمہ تنزیہ الشریعہ میں شیخ ابن العراق کنانی نے محدثین کی خدمات اور کارنامے پر علماء کبار کے حوالہ سے بہت ہی خوب روشنی ڈالی ہے، فرماتے ہیں کہ ابن الجوزیؒ نے کہا احادیث میں اضافہ کرنے کی جب ناکام سعی شروع ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ماہرین حدیث کو پیدا فرمایا جنہوں نے صحیح، قبیح، موضوع کے درمیان فرق واضح کیا کوئی زمانہ ایسے بصیر و خیر علماء و محدثین سے خالی نہ رہا ہے اور نہ رہے گا یہ اور سی بات ہے کہ ایسے قیمتی ہیرے جواہرات کم ہی ہوا کرتے ہیں۔

سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ ”الملائکة حراس السماء و أصحاب الحدیث حراس الأرض“۔

ترجمہ: فرشتے آسمان کے پہریدار ہیں اور محدثین زمین کے۔

یزید بن زریح کہتے ہیں: ”لکل دین فرسان و فرسان هذا الدین اصحاب الأسانید“۔

ترجمہ: ہر مذہب میں کچھ شہ سوار ہوا کرتے ہیں اس مذہب کے شہ سوار اصحاب اسانید (ماہرین حدیث) ہیں۔

ابن المبارکؒ سے پوچھا گیا احادیث صحیحہ میں جو موضوعات خلط ملط ہو گئی ہیں، ان کا کیا ہوگا؟ تو جواباً ارشاد فرمایا اس کی تمیز و تحقیق کے لیے جیال علم موجود ہیں۔

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ”اختلاف الحدیث“ میں محدثین کی خدمات اور تحفظ حدیث کے سلسلہ میں ان کی بادیہ پیائی اور دیوانگی و قربانی کو بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محدثین کی جماعت یہ امت کے وہ افراد ہیں جنہوں نے حق کی صحیح طریق سے تلاش کی اور حق کو حق کی جگہوں سے حاصل کیا، اور محض جذبہ رضاء الہی کی تحت انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی پیروی کی اور احادیث کی جستجوئیں بروبحر اور مشرق و مغرب کی خاک چھانی، اور تحقیق و تنقید کی اسی دھن میں پوری عمر صرف کر دی، پھر نتیجہ یہ سامنے آیا کہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہو گئی، ناسخ و منسوخ کی پہچان ہو گئی، اور احادیث کی جگہ اپنی آراء کو پیش کرنے والوں کی آنکھیں کھولی اور ستارہ حق کو اس کی کھوئی ہوئی روشنی و تابانی واپس ملی، اور اس کی شہرت و مقبولیت کا دوبارہ ڈنکا بجا، بکھرے ہوئے عناصر اجتماعیت کی لڑی میں پردیئے گئے، احادیث سے بے رغبتی رکھنے والے دلوں میں احادیث کا شوق جدید بیدار ہوا، اور غفلت زدہ نفوس کو بیداری اور احساس زندہ کی دولت نصیب کیا۔ (مقدمہ تنزیہ الشریعہ: ص ۱۶)

الغرض اس موقع پر محدثین کرام نے اپنی اعلیٰ درجہ کی علمی سرگرمیاں دکھائیں، اور اس سلسلے میں دواہم کام انجام دیئے۔

محدثین کرام کے دواہم کام

پہلا کام: وضّاء عین و کذاہین کے متعلق صاف گوئی

پہلا کام تو ان حضرات نے یہ کیا کہ واضعین حدیث اور کذاہین کے خلاف کھل کر دو ٹوک عمل وضع کذب کی شاعت و قباحت کو بیان کیا اور ان کے متعلق فتویٰ دینے میں ایسا سخت موقف اختیار کیا کہ گویا ان کے نزدیک حدیث وضع کرنے والا اسی سلوک کا مستحق ہے جو سلوک مرتد اور مفسد کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

چنانچہ ابوالعباس سراج کہتے ہیں کہ میں محمد بن اسماعیل بخاری کے پاس حاضر ہوا اور ان کو ابن کرام کا ایک مکتوب دیا جس میں چند احادیث کے بارے میں سوال کیا گیا تھا، ان میں زہری سالم اور سالم کے والد کی سند سے یہ روایت بھی تھی: ”الإيمان لا يزيد ولا ينقص“ یعنی ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں ہے (جو درحقیقت موضوع روایت ہے) تو امام بخاری نے خط کی پشت پر لکھا: من حدث بهذا استوجب به الضرب الشديد والحبس الطويل - جس نے یہ حدیث بیان کی ہے وہ سخت سزا اور طویل قید کا مستحق ہے۔

وضع حدیث کا مرتکب، اکبر کبار کا مرتکب گردانا گیا ہے، اور ابو محمد الجونی نے اس کی تکفیر کی ہے۔ اسی طرح ائمہ مالکیہ میں ناصر الدین ابن المنیر نے بھی اس کی تکفیر کی ہے۔ علامہ ذہبی نے ابوداؤد کے حوالے سے لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین نے سوید الانباری کے بارے میں کہا ہے وہ ”حلال الدم“ ہے۔

حاکم کہتے ہیں کہ سوید کی یہ روایت: ”من عشق وعف وکتم ومات مات شهيدا“ جس نے عشق کیا اور پاک دامن رہا اور اپنے عشق کو چھپایا اور اسی حالت میں مر گیا تو

اس کی موت شہادت ہے، جب یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا ”لو کان لی فرس ورمح غزوت سویدا“ اگر میرے پاس گھوڑا اور نیزہ ہوتا تو میں سوید سے جنگ کرتا۔

ابن عتیبہ نے معلیٰ کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ابن نجیح سے فلاں (موضوع) روایت بیان کرتا ہے تو اس کی گردن مار دینے کی ضرورت ہے، ایسے مجرموں کی گواہی مردود اور اس کی ثقاہت مجروح ہے، وہ اگر توبہ بھی کر لے تب بھی اہل علم کے نزدیک وہ ناقابل اعتبار ہے، اس کی کوئی روایت قبول نہیں کی جائے گی، امام احمد بن حنبلؒ سے ایک راوی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک جھوٹی حدیث بیان کی پھر توبہ کر لی تو انہوں نے جواب دیا، اس کی توبہ اللہ اور اس کے درمیان، مگر اس سے حدیث کبھی نہیں روایت کی جائے گی۔

دوسرا کام: علوم الحدیث کی فنی تدوین

اور دوسرا کام ان حضرات نے یہ کیا کہ حدیث سے متعلق بہت سے علوم مدون کئے اور انہوں نے فن حدیث کو مہذب و منقح کیا، روایات کی تحقیق و تنقید کی، ضعیف روایات کو ثقات سے متمیز کیا، احادیث کی علل خفیہ پر متنبہ کیا، اس طرح علم حدیث کی بہت سی انواع ہو گئیں۔

حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوریؒ ۴۰۵ھ نے ایک کتاب ”علوم الحدیث“ تالیف کی اس میں پچاس انواع کو بیان کیا، پھر حافظ ابن الصلاحؒ ۶۴۳ھ، ۶۴۴ھ نے ”مقدمہ“ میں اور علامہ نوویؒ نے ”تقریب“ میں ۶۵ انواع کا ذکر کیا، اور علامہ سیوطیؒ نے اضافہ کر کے ”تدریب“ میں ۹۳ انواع پیش کی ہیں، اور علامہ حازمی نے تو کتاب ”العجالة“ میں فرمایا کہ: ”علم الحدیث یشتمل علی أنواع کثیرة تبلغ مائة کل نوع منها نوع مستقل“ یعنی علم حدیث کثیر انواع پر مشتمل ہے جن کی تعداد سو تک پہنچ رہی ہے اور ہر نوع اس کی ایک مستقل حیثیت رکھتی ہے۔

باب پنجم

فن اسماء الرجال کی داغ بیل

علوم الحدیث کی ان ہی انواع میں ایک عظیم نوع ”علم اسماء الرجال“ ہے جس کو محدثین کی اصطلاح میں علم الاسناد بھی کہا جاتا ہے یہ فن کیا؟ کیوں؟ کب؟ کب سے؟ یعنی حقیقت، اہمیت ضرورت، افادیت اور علماء امت کی اس فن میں علمی و فکری اور قلمی جولانیاں ان عناوین پر ہم کسی قدر تفصیل سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں تاکہ اصل کتاب میں آنے والی روایات اور اس پر کئے جانے والے مثبت و منفی فیصلے اور نقد و جرح کی حقیقت و اصلیت میں بصیرت ہو۔

علم اسماء رجال کیا ہے؟:

یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ راویان حدیث کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی تحقیق کی جاتی ہے، مثلاً راوی کی تاریخ ولادت، تاریخ وفات، نام، حسب و نسب، کنیت و القاب، دین و دیانت، تقویٰ و طہارت، عقائد و نظریات، علم و فہم، قوت و ضبط و اتقان، عدالت و ثقاہت، علمی استفادہ، شیوخ و تلامذہ ذاتی اور معاشرتی و اخلاقی احوال وغیرہ ان امور کی تحقیق کے بعد اس راوی کی حدیث مقبول یا مردود قرار پاتی ہے۔

گویا اس فن کا بنیادی مقصد اور اس کی اساسی غرض یہ ہوئی کہ راوی کے احوال کی روشنی میں صحت و سقم اور رد و قبول کے اعتبار سے حدیث کا درجہ متعین کیا جائے۔

قرآن میں علم اسماء رجال کی بنیادیں

قرآن کریم میں نقد رجال اور تحقیق شخصیات سے متعلق کچھ بنیادی اصول و قوانین بھی موجود ہیں مثلاً:

(۱) پہلا قانون

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ“۔ (سورة الحجرات: ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو کہیں تم کسی قوم کے ساتھ نادانی کا سلوک کر بیٹھو، پھر اپنے کیے ہوئے پر نادم ہونا پڑے۔

(۲) دوسرا قانون

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ أَثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا“۔ (سورة الحجرات: ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! بہتیرے گمان سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہوا کرتے ہیں اور عیوب مت ٹٹلو۔

ان دونوں آیتوں سے تحقیق رجال کا کیسا صاف ستھرا اور معتدل اصول سمجھ میں آیا۔

(۳) تیسرا قانون

”وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَالْيَاسِيَةِ الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَ مِنْهُمْ“۔ (سورة النساء: ۸۳)

ترجمہ: اگر ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ پیش آتا ہے، تو اس کا وہ چرچا کرنے لگتے ہیں اور اگر اسے رسول اور ان میں سے ”اولو الامر“ کے حوالہ کرتے تو وہ لوگ جو ان میں سے استنباط کرتے ہیں جان لیتے۔

اس تیسرے قانون نے یہ بتلایا کہ اگر خود تحقیق کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اہل تحقیق سے رجوع کر لو پھر کوئی قدم اٹھاؤ۔

احادیث میں علم اسماء رجال کی بنیادیں

اسی طرح احادیث مبارکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجال اور واسطوں کی تبیین و تفتیش کی طرف متوجہ فرمایا اور اندھی تقلید سے منع فرمایا ہے، حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں:

”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یكون فی آخر الزمان دجالون کذابون یأتونکم من الأحادیث، بما لم تسمعوا انتم ولا آباءکم فایاکم وایاہم ولا یضلونکم ولا یفتنونکم“۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانے میں دجال اور جھوٹے پیدا ہوں گے، تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جسے نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے آباء و اجداد نے، سو تم ان سے بچ بچ کر رہنا، وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

(مقدمہ مسلم: ۱۰)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بئس اخو العشیرة.....“ یہ

(آنے والا) اپنے خاندان کا برا شخص ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان عبد اللہ رجل صالح... عبداللہ ایک نیک انسان ہے۔

اسی طرح ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راوی کے متعلق آگاہ کرتے ہوئے اس کی بے اعتمادی کو یوں ظاہر فرمایا:

”کفی بالمرء کذباً ان يحدث بكل ما سمع“ آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرتا رہے۔ (مقدمہ مسلم: ۸)

مذکورہ آیات و روایات سے معلوم ہوا کہ صحیح وضعیف احادیث کی تمیز، بلکہ شرع و غیر شرع کی تمیز کے لیے ان واسطوں اور شخصیتوں کی حیثیت و حقیقت کا جاننا انتہائی ضروری ہے جن سے احادیث منقول ہوئی ہیں۔

علم اسماء رجال یا علم اسناد کی اہمیت اور محدثین کا اس سے خصوصی شغف

اس کی اہمیت خود اس کی تعریف اور اس کی غرض و غایت سے ظاہر ہے کہ یہ فن ہمیں بتلاتا ہے کہ کون سا راوی کیسا ہے، اس کی دینی و مذہبی حالت کیسی ہے، فہم و فراست اور قوت حفظ کا کیا حال ہے، اہل سنت والجماعت کے صاف و شفاف مشرب سے ہٹ کر کسی اور طریق سے تو اپنی پیاس نہیں بجھاتا، کسی غیر مذہب کا داعی تو نہیں۔

ظاہر بات ہے کہ ان باتوں کا جاننا خود مقصود تو نہیں بلکہ مقصود اور واجب تو حدیث کا علم ہے مگر چوں کہ اس پر حدیث کے ثبوت و عدم ثبوت اور صحت و سقم کا علم موقوف ہے۔ اس لیے ”مقدمة الواجب واجبة“ کے قانون کے مطابق علم اسماء الرجال کو بھی واجب اور غیر معمولی اہمیت کا حامل قرار دینا پڑے گا، یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام نے اس علم پر خاص توجہ دی اور اس کو اپنی فکر وں کا محور اور سرگرمیوں کے لیے مجال و میدان بنایا بلکہ عبد اللہ ابن المبارکؒ نے تو اس علم (علم الاسناد یا علم اسماء رجال) کے سیکھنے کو دین قرار دیا ہے، آپ فرماتے ہیں:

”الاسناد من الدين ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء“۔

یعنی روایات کی سند دین کا ہی ایک حصہ ہے اگر یہ سندیں نہ ہوتیں تو جس کے منہ میں جو آتا وہ بک دیتا، سفیان بن عیینہ کا بیان ہے ایک محدث نے ایک دن حدیثیں بیان کرنی شروع کیں تو میں نے کہا کہ حضرت بغیر سیڑھی کے چھت پر چڑھنا چاہتے ہو۔ (تدریب: ۱/۳۶)

سفیان ثوریؒ کا مقولہ مشہور ہے: ”الاسناد سلاح المومن“ (یعنی سند مومن کا ہتھیار ہے)۔

امام اوزاعیؒ نے ارشاد فرمایا: ”ما ذهاب العلم الا ذهاب الاسناد“ (یعنی علم حدیث کا زوال سند کے زوال سے ہی ہوگا)۔

علامہ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں: ”ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم“ (یعنی دین کا علم بھی دین ہے اس لیے غور کر لیا کرو کہ اپنا دین اس سے حاصل کرتے ہو)۔

محدثین کرام نہ صرف مطلق سند بلکہ سند عالی کی ہمیشہ تلاش میں رہتے تھے، امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ سند عالی کی جستجو اسلاف کی سنت ہے، اس لیے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے تلامذہ صرف اس غرض سے کوفہ سے مدینہ سفر کر کے جایا کرتے تھے کہ وہاں حضرت

عمر رضی اللہ عنہ سے احادیث حاصل کریں گے۔

بخاری شریف میں ہے کہ اسی مقصد کے تحت حضرت جابر بن عبد اللہ نے صرف ایک حدیث کے لیے مدینہ سے شام کا سفر کیا، یحییٰ بن معینؒ کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو کسی نے سوال کیا ”ماذا تشتهي؟“ تو جواب میں ارشاد فرمایا: ”بیٹ خالٍ و سندٌ عالٍ“ تحقیق رجال اور علم اسانید کی اسی اہمیت کی بنا پر محدثین نے ہمیشہ اس پر غیر معمولی توجہ دی ہے اور اس کے لیے بڑی بڑی مشقتیں اٹھائی ہیں، جس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

مشہور محدث شعبہ بن الحجاج (م ۱۶۰ھ) نے ابواسحق سے ایک حدیث سنی ”من توضأ فاحسن الوضوء ثم دخل المسجد فصلى ركعتين واستغفر الله غفر الله له“ حدیث سن کر آپ نے ابواسحق سے پوچھا کہ تم سے کس نے یہ حدیث بیان کی، انہوں نے کہا عبد اللہ بن عطاء عن عقبہ، حضرت شعبہ نے پھر سوال کیا کہ کیا عبد اللہ بن عطاء نے عقبہ سے سنا ہے۔

اس جرح و قدح اور کرید کرنے پر ابواسحق بگڑاٹھے، اس وقت مجلس میں ایک اور محدث مسعر بن کدام بھی موجود تھے، انہوں نے کہا آپ نے شیخ کو ناراض کر دیا، مسعر نے بتایا کہ عبد اللہ بن عطاء مکہ میں ہے، شعبہ نے اس حدیث کی تحقیق کے لیے مکہ کا سفر کیا، شعبہ کا بیان ہے کہ میرا ارادہ حج کا نہیں تھا، میرا مقصد سفر صرف حدیث کی تحقیق کرنا تھا، میں نے عبد اللہ بن عطاء سے مل کر پوچھا کہ یہ حدیث تم سے کس نے بیان کی؟ اس نے کہا کہ سعد بن ابراہیم نے حضرت مالک بن انس سے معلوم ہوا کہ وہ مدینہ میں رہتے ہیں، یہ سن کر میں نے مکہ سے مدینہ کا سفر کیا اور سعد سے ملاقات کر کے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھ سے زیادہ بن

مخراق نے بیان کیا ہے میں نے کہا کہ بڑی پریشان کن بات ہے، زیاد بن مخراق کو فہ کار بننے والا ہے پھر مدینہ میں رہنے لگا تھا مگر آج کل وہ بصرہ میں ہے، اب میں نے بصرہ کا رخ کیا اور زیاد بن مخراق سے مل کر اس سے اس حدیث کے راوی کے متعلق پوچھا کہ تم سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا تو اس نے کہا کہ وہ آپ کے کام کا نہیں ہے میں نے پھر کہا نام بتاؤ؟ اس نے دوبارہ کہا کہ آپ اس کو قبول نہیں کریں گے، میں نے تیسری بار کہا بتاؤ تو سہی، تب اس نے کہا: ”حدثنی شہر بن حوشب عن ابی ریحانۃ عن عقبۃ“ جوں ہی زیاد بن مخراق نے شہر بن حوشب کا نام لیا تو میں نے کہا ”ذمر علیٰ هذا الحدیث“ اس حدیث نے تو مجھے مار ہی ڈالا اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو مجھے اتنی محبوب ہوتی کہ میں اپنی آل و اولاد، مال و دولت سب کچھ قربان کر دیتا۔

اور علامہ ابن المدینیؒ تو فرماتے ہیں: ”الفقه فی معانی الحدیث نصف العلم و معرفة الرجال نصف العلم“ معانی حدیث میں غور کرنا نصف علم ہے تو معرفت رجال بھی نصف علم ہے، یہ فن ایسا سکندری ہے جس کے ہوتے ہوئے کوئی باطل کبھی بھی حق کے ساتھ خلط ملط ہو ہی نہیں سکتا ہے، اور نہ ہی حق کی کسی کڑی کو کوئی کم کر سکتا ہے، اور نہ غیر حق کو حق بتا سکتا ہے، بنی اسرائیل میں یہ علم نہیں تھا، اور انہوں نے مذہب و مذہبیات کی خبر دینے والے کی صداقت و عدالت اور اس کی دروغ گوئی و افتراء پر دازی کی تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں کی، اور نہ ہی ان کے پاس کوئی معیار تھا اسی وجہ سے وہ کسی بات کے رد و قبول میں افراط و تفریط کا شکار ہوتے چلے گئے۔

جب وہ رد کرنے پر آئے تو کوہ طور پر کلام باری بلا واسطہ سن کر بھی سو طرح کے شبہات نکالنے لگے، اور جب وہ قبول کرنے پر آئے تو اندھا دھند اپنے احبار و رہبان کی ہر

بات پر سردھننے لگے اور اس کو دین و شریعت اور حکم الہی تصور کرنے لگے۔

مگر اسلام نے اس افراط و تفریط کے غیر متوازن نظریہ کی بیخ کنی کی اور ایک معتدل قانون تحقیق اور آئین تنقید عطا کیا، تاکہ نہ یہ ہو کہ ہر کان میں پڑنے والی بات کو صحیح سمجھ لیا جاوے، اور نہ یہ ہو کہ قطعیات و حتمیات میں بھی کیڑے نکالے جائیں۔

(آثار الحدیث: ۴۰۰ بحوالہ مقدمہ تذہیب: ۴)

گروہ ایک جو یا تھا علم نبی کا لگایا پتہ اس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کئے جرح و تعدیل کے وضع قانون نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

علم اسماء الرجال اس امت کا امتیازی فن

• مسلمانوں نے اپنے دین و دینیات اور اسلام و اسلامیات تک رسائی اور اس کے بقاء و تحفظ کے لیے یہ ایک ایسا نرالا اور نہایت ہی اہم فن ایجاد کیا ہے، جو صرف اور صرف مسلمانوں ہی میں پایا جاتا ہے۔

مسلمانوں کے علاوہ کوئی قوم، ماضی میں نہ حال میں اب تک اس فن کو دریافت نہیں کر سکی، دوسرے مذاہب کو تو چھوڑیے عالم ادیان کے دو بڑے مذہب یہودیت و عیسائیت، ان مذاہب کے پیروکار و پیشوایان بھی اپنی نسبتِ خشتِ اول سے مربوط نہیں کر سکتے نہ ہی اپنی ان مذہبی کتابوں کی محفوظیت اور بانیانِ مذاہب سے ثبوت پر کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان کے پاس ناقلینِ مذہب کی کڑیاں محفوظ و مربوط نہیں ہیں۔

فن اسماء رجال سے متعلق ایک دشمن اسلام کا تاثر

اسی لیے دشمنان اسلام نے اسلام کی اس امتیازی خوبی کا اعتراف کیا ہے، ایک مشہور دشمن اسلام ڈاکٹر اسپرنگر نے لکھا ہے، جو ابن حجرؒ کی ”الاصابة“ کے مقدمہ میں مذکور ہے ”کوئی قوم نہ دنیا میں ایسی گزری ہے نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم کیا جاسکتا ہے۔“

اور یہ علم اسماء الرجال دراصل علم الاسناد ہے اور علم الاسناد کے متعلق علامہ ابن حزمؒ فرماتے ہیں ”ثقة کا ثقہ سے بلا انقطاع (اتصال سند کے ساتھ) حدیث نبویؐ کو نقل کرنا یہ وہ نعمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خاص اس امت کو نوازا ہے۔“ (تدریب: ۱۸۳)

راویان حدیث کے طبقات

فن اسماء رجال اور علم الاسناد میں بنیادی گفتگو راویان حدیث کے احوال و کوائف سے ہوتی ہے اس لیے محدثین نے مختلف اعتبارات سے ان راویوں کے متعدد طبقے بنائے ہیں، مگر ہم ان کو تقریب فہم کے لیے صرف دو طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں: صحابہ، غیر صحابہ۔

طبقہ صحابہ:

یہ وہ پاک باز ہستیاں ہیں جن کی عدالت و صداقت اور حفظ و امانت مسلم تھیں اور ”الصحابہ کلہم عدول“ کا کلیہ ان کے متعلق مشہور تھا۔ یہ طبقہ جرح و قدح و تعدیل اور نقد و تحقیق سے بالاتر اور مستثنیٰ تھا۔

طبقہ غیر صحابہ:

دوسرے طبقہ کے متعلق اس قسم کی کوئی ضمانت نہیں تھی اور وہ مرحلہ جرح و تعدیل میں تھا، ان سے نقل روایات میں بے احتیاطی، کذب بیانی وغیرہ کا امکان تھا اور بعضوں سے اس کا صدور بھی ہوا، اس لیے اس طبقے کی بنا پر اب ضرورت ہوئی ایک ایسے فن کی جس کی مدد سے راویوں کے صدق و کذب کو پرکھا اور جانچا جاسکے اور کھرے کھوٹے کا پتہ لگایا جاسکے، چنانچہ اسی مقصد کے تحت نقد رجال و تحقیق اسانید کے لیے ایک فن کی تدوین عمل میں آئی جس کا نام ”اسماء الرجال“ رکھا گیا۔

اس اجمال کی تشریح

پہلا طبقہ: طبقہ صحابہ:

اوپر جن دو طبقوں کا ذکر آیا ہے ہم اس کی کسی قدر تفصیل کرنا چاہتے ہیں پہلا طبقہ طبقہ صحابہؓ کے متعلق شروع میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت و حکمت کا یہ کرشمہ، کہ احادیث مبارکہ کے اولین ناقلین امت کا وہ طبقہ بنا جس کو ہم صحابہ کے نام سے جانتے ہیں، صحابہ کا یہ گروہ عشق الہی، حب نبوی دیانت و امانت، تقویٰ و طہارت، دینی حمیت و شجاعت، اخلاقی بلندی انسانی شرافت، فکر آخرت، تبخل و انابت، خوف و خشیت اور حفظ و اتقان، فہم صحیح کے اعلیٰ مقام پر فائز تھا، ان میں ایک طرف تو عشق نبویؐ کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا، ہر نقل و حرکت اور ہر قول و فعل کو بہت دھیان سے سنتے دوسروں سے معلوم کرتے پھر اس پر عمل کرتے اور دوسروں تک پہنچانے میں کامل جوش و خروش رکھتے تھے۔

دوسری طرف خوف خدا اور قوتِ حفظ و اتقان کی ایسی عظیم صفت ان میں موجود تھی کہ ان صفات کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن تھا کہ نقل روایات میں وہ کسی بے احتیاطی لا پرواہی، دروغ گوئی و جعل سازی کے شکار ہو جائیں، خصوصاً جب کہ ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے تو کانپ جایا کرتے تھے، بعض صحابہ کا تو معمول تھا کہ وہ جب حدیث بیان کرتے تو پہلے ”من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعده من النار“ والی حدیث ضرور پڑھ لیا کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نقل فرمایا کہ ”یتبدأ حدیثہ قال قال رسول اللہ الصادق و المصدق ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی متعمداً... الخ“ اور یہ احتیاط پورے طبقہ صحابہ میں پائی جاتی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”واللہ ما کنا نکذب ولا کنا ندری ما الکذب“ واللہ نہ ہم جھوٹ بولتے تھے نہ جانتے تھے کہ جھوٹ کسے کہتے ہیں۔

(الکامل لابن عدی: ج ۱/ص ۱۵۹؛ مفتاح الحجة للسيوطی: ج ۱/ص ۳۷)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”لیس کلنا کان یسمع حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت لنا ضیعة و اشغال ولكن الناس لم یكونوا یکذبون یومئذ فیحدث الشاهد الغائب“۔ (المحدث الفاضل)

صحابہ اگرچہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح معصوم نہیں تھے، مگر ان کی اسی صداقت و عدالت، امانت و دیانت صحتِ فہم و فراست کی بنا پر محدثین کے مابین یہ کلیہ متفقہ طور پر مشہور و مسلم تھا کہ ”الصحابة کلهم عدول“ سارے صحابہ عادل ہیں، اس لیے صحابہ کا طبقہ جرح

وتعدیل سے بالاتر ہے، ہر ہر صحابی کی روایت بلا کسی تحقیق و تنقید کے قبول کر لی جائے گی۔
اور صحابہ کی عدالت کا راز بتلاتے ہوئے امام الحرمین فرماتے ہیں:

والسبب فی عدم الفحص عن عدالتهم انهم حملة الشريعة فلو
ثبت التوقف فی روايتهم لا نحصر الشريعة على عصره صلى الله عليه
وسلم و لما استرسلت سائر الاعصار. (تدريب الراوى: ۲/۲۱۴)

صحابہ کی عدالت کے متعلق تحقیق نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ حاملین شریعت
ہیں، اگر ان ہی کی روایت میں توقف ہونے لگے تو شریعت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
زمانہ تک ہی محدود ہو کر رہ جائے گی، بعد کے زمانوں تک نہ پہنچ سکے گی۔

ہاں صحابہ کی مجموعی زندگی میں چند ایک علمی اختلافات بعض عملی کمزوریاں اور بعض
لغزشیں کچھ اختلافی فتنے ضرور مل جائیں گے مگر یہ چیزیں صحابہ کی عدالت و ثقاہت میں خارج
نہیں ہیں۔

علامہ نوویؒ نے لکھا ہے: ”وكلهم عدول رضى الله عنهم ومتأولون في
حروبهم وغيرها ولم يخرج شيء من ذلك احدا منهم عن العدالة لانهم
مجتهدون اختلفوا في مسائل من محل الاجتهاد كما يختلف المجتهدون
بعدهم في مسائل من الدماء وغيرها ولا يلزم من ذلك نقص احد منهم“.

(شرح النووى على المسلم)

ترجمہ: سارے صحابہ عادل تھے، آپسی نزاعات وغیرہ میں تاویل کرنے والے تھے،
اور ان میں سے کوئی چیز کسی صحابی کو بھی دائرہ عدالت سے خارج کرنے والی نہیں، کیوں کہ وہ
مجتہد تھے اجتہاد کے مواقع پر ہی ان حضرات کا اختلاف ہوا ہے جیسے بعد کے ائمہ مجتہدین کے

درمیان قتل نفس وغیرہ کے مسائل میں اختلافات پائے جاتے ہیں مگر یہ اختلاف ان کے نقص کا سبب نہیں۔

دوسرا طبقہ: طبقہ غیر صحابہ اور ان کے تین گروہ

حدیث کی روایت کرنے والوں کا دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو صحابہ کے ماسوا ہیں، ان میں تابعین و اتباع تابعین نیز وہ لوگ بھی شامل تھے جو منافقانہ انداز میں مسلمان کے گروہ میں خلط ملط ہو گئے تھے، اس دوسرے طبقے کو ہم اپنے موضوع کے اعتبار سے تین گروہ میں تقسیم کر سکتے ہیں:

اول: کبار تابعین دوم: اوساط تابعین اور تبع تابعین سوم: دشمنان اسلام

پہلا گروہ کبار تابعین:

اس گروہ سے مراد تابعین خصوصاً کبار تابعین کی جماعت ہے، اگرچہ ان لوگوں کا حال صحابہ جیسا تو نہ تھا، مگر چونکہ صحابہ ہی کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے اس لیے دین و ایمان کی صیانت و حفاظت کا جوہران میں اسی انداز میں کار فرما تھا اس لیے یہ حضرات کذب و افتراء سے پاک تھے۔

حافظ ذہبی لکھتے ہیں ”طبقہ تابعین میں انتہائی تحقیق و تفتیش اور غایت درجہ تنقید کے بعد بھی کوئی راوی کاذب نہیں ملا۔ (تذکرۃ الحفاظ)

حافظ شمس الدین سخاوی ایک جگہ لکھتے ہیں: ”پہلی صدی ہجری جو صحابہ و تابعین کے دور میں گزری، اس میں حارث اعمور اور مختار کذاب جیسے اشخاص کو چھوڑ کر کسی ضعیف الروایۃ شخص کا اتقربا وجود نہ تھا۔

دوسرا گروہ اوساط تابعین اور تبع تابعین:

اس میں اوساط تابعین اور عام تبع تابعین شامل ہیں اس طبقے میں بے شک کذب کا ظہور ہوا، اور اہل حق و باطل اور صدق و کذب کو خلط ملط کرنے کی کوشش کی۔

تیسرا گروہ دشمنان اسلام

یہ وہ بدترین اور خبیث افراد تھے جن کے خیر میں اسلام دشمنی کا عقیدہ شامل تھا، جو اپنی منافقانہ خباثت کو چھپا کر اسلامی لباس میں ملبوس ہو کر مسلمانوں کی صفوں میں داخل ہو گئے تھے، اللہ نے اسلام کو وجود بخشا، پروان چڑھایا، اسلام تو آیا ہی تھا چمکنے کے لیے پھلتا پھولتا رہا اور مخالفین حسد و عداوت کی آگ میں جلتے رہے، اسلام کو مٹانے کی سازشوں، کوششوں میں لگے رہے مناسب مواقع کی تلاش میں رہے مگر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک کسی کو سانس و ڈکار لینے کی ہمت نہیں ہوئی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بعض ناگفتہ بہ حالات پیدا ہوئے جس کے نتیجہ میں حضرت عثمان کی شہادت کا قصہ بھی پیش آیا، پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جنگ صفین اور جنگ جمل کی مسموم فضاؤں میں مسلمانوں میں شدید اختلافات پیش ہوئے، اس موقع پر دشمنان اسلام کو موقع غنیمت نظر آیا، چنانچہ عبداللہ بن سبا یہودی نے احادیث کو گھڑنے کا کام شروع کیا اور کرایا، بقول حافظ ابن حجر عسقلانی۔ ”اول من کذب عبد اللہ ابن سبا“ سب سے پہلے جس نے جھوٹی حدیثیں بنانے کا کام کیا وہ عبداللہ بن سبا نے اپنی جماعت بنائی اور مختلف ممالک میں اپنے نمائندے بھیج دیئے، اور روافض وضع احادیث میں پیش پیش تھے، خوف خدا اور خوف آخرت سے بے پنازی نے اس معاملہ میں ان کو اتنا جری

بنادیا کہ وہ ہر چیز کو حدیث بنادیا کرتے تھے۔

چنانچہ حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ روافض کے ایک شیخ نے مجھ سے بیان کیا کہ: ”کنا اذا استحسننا شیئاً جعلناه حدیثاً“ جب ہمیں کوئی بات اچھی لگتی تو ہم اسے حدیث بنادیتے۔

امام مالک سے جب روافض کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ”لا تکلم و لا تروعنہم فانہم یکذبون“ ان سے بات نہ کرو اور ان سے روایت نہ کرو، کیوں کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

خلیلی کا بیان ہے کہ روافض نے حضرت علی اور ان کے اہل خانہ کے فضائل میں تقریباً تین لاکھ حدیثیں گھڑی ہیں۔

محدث عامر شعمی جو پہلے رافضیوں کے امام تھے پھر تائب ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں کہ لوگ میرے غلام ہو جائیں تو یا میرے گھر کو سونے سے بھر دیں یا میرے گھر کا طواف کریں یاں عوض کہ میں علی بن ابی طالب کے فضائل میں حدیثیں گڑھوں تو وہ ضرور ایسا کریں گے، مگر خدا کی قسم میں تو ہرگز یہ نہیں کروں گا۔

روافض کی طرح خوارج بھی حدیثیں وضع کرنے میں بڑے بے باک تھے، عراق اس زمانہ میں اہل تشیع کا مرکز تھا، اس کے متعلق امام زہری فرماتے ہیں ”یخرج الحدیث

من عندنا شبرا فیرجع من العراق ذراعا“ (السنة ومكانتها فی التشريع الاسلامی: ص ۹۳)

ہمارے یہاں سے حدیثیں ایک بانشت کی نکلتی ہیں اور جب عراق سے لوٹتی ہیں تو ایک گز کی ہو جاتی ہیں۔

اسی لیے امام مالکؒ نے فرمایا کہ عراق دارالضرب ہے، ”یعنی حدیث ڈھالنے کی

فیکٹری“، جہاں سکّوں کی طرح حدیث بڑی تعداد میں ڈھالی جاتی ہے، جس کی تفصیل کسی قدر ماقبل میں پیش کی گئی۔ (ازن اسماء الرجال للندوی)

فن اسماء الرجال کی حشتِ اوّل

مذکورہ بالا تفصیل سے بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہوگا کہ احادیث کے وضع و کذب کا بازار کس قدر گرم تھا، ان گھناؤنے حالات میں صحابہ کرامؓ نے اخذ روایات میں اپنی احتیاط مزید بڑھادی، چنانچہ حضرت علیؓ نے اعلان کر دیا: ”حدثوا الناس ما يعرفون و دعوا ما ينكرون“ لوگوں سے وہی روایات بیان کرو جو ان کے درمیان معروف ہیں اور جن کو وہ جانتے ہیں اور جن کو نہیں جانتے ہیں ان کو چھوڑ دو یہ احتیاط بڑھتی رہی بڑھتی رہی یہاں تک کہ اس فتنہ سبائیہ کے ظہور کے بعد اسانید کا مطالبہ شروع ہو گیا، مقدمہ صحیح مسلم میں امام محمد بن سیرین کا یہ قول منقول ہے ”لم یکنوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا اسموا لنا رجالکم فینظر إلی اهل السنة فیؤخذ حدیثہم و ینظر إلی اهل البدع فلا یؤخذ حدیثہم“ . (مقدمہ صحیح مسلم)

ترجمہ: پہلے احادیث کی سند کا مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا لیکن جب سے فتنوں کی کارستانیاں شروع ہوئیں تو روایت لینے والے محدثین کہنے لگے اپنی حدیث کے راوی کا تعارف کراؤ، اگر وہ اہل سنت کی جماعت سے تعلق رکھنے والا ہوتا تو اس کی روایت قبول کر لی جاتی اور اگر وہ راوی بدعتی ثابت ہوتا تو اس کی روایت نہیں لی جاتی۔

ایک مرتبہ بشر بن کعب عدوی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ حدیثیں سنانے لگے، مگر ابن عباسؓ نے ان کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا، بشر نے تعجب سے پوچھا کہ ایسا کیوں تو ابن عباسؓ نے حقیقت ظاہر فرمائی۔

انا کنّا اذا سمعنا رجلا يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ابتدرته ابصارنا واضغينا اليه فلما ركب الناس الصعب والذلول لم نأخذ من الناس الا ما نعرف۔ (مقدمہ صحیح مسلم)

ترجمہ: ہم جب سنتے کہ کوئی شخص قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہا ہے تو ہماری آنکھیں اس کی طرف اٹھ جاتی ہیں ہمارے کان لپک پڑتے ہیں لیکن جب لوگوں نے کچی پکی سواریوں پر سواری شروع کر دی تو اب ہم صرف ان ہی حدیثوں کو لیتے جن کی صحت و ثبوت کا ہم کو علم ہوتا۔

بہر حال ان احوال نامرضیہ میں نقد رجال کا کام شرع ہو چکا تھا، اگرچہ ابھی اس کو فن کی حیثیت حاصل نہ تھی، لیکن صحابہ کی ایسی عظیم احتیاطی تدبیر کے نتیجہ میں سبائی فکر کامیاب نہ ہو سکی، اور پورا ذخیرہ حدیث دینی چمک دمک کے ساتھ محفوظ رہا۔

تحقیق رجال ورواة کے سلسلہ میں محدثین کی بیداری

پھر تھوڑے وقفہ کے بعد حق تعالیٰ شانہ نے علماء محققین کی ایک بڑی جماعت پیدا کر دی جنہوں نے اس صورت حال کو تشویش کی نگاہ سے دیکھا، ان کی روایتوں کو جانچا ان کی سندوں کو پرکھا، بحث و تمحیص، تفتیش و جستجو کرید اور تنقید پر زیادہ توجہ کی، اور انہوں نے راویوں کے حالات معلوم کرنے کی جدوجہد بڑے پیمانے پر کی، ہر اسلامی شہر میں جا کر وہاں کے

شیوخ حدیث سے براہ راست مل کر ہر راوی حدیث کے متعلق پوری معلومات فراہم کی، اس سلسلہ میں محدثین نے پورے عالم اسلام میں چل کر ہر قابل ذکر راوی حدیث سے ملاقات کی دوسروں سے ان کے بارے میں پوچھا جانچا پرکھا اور قلم بند کیا انہیں حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں انہوں نے جرح و تعدیل کے ذریعہ ان کی روایتوں کی حیثیت کو واضح کیا، اور ان راویوں کی نشاندہی کر دی جو روایت کے معیار پر پورے نہیں اترتے، دوسری صدی کے اختتام تک بڑے پیمانے پر تنقید رواۃ کا کام ہر طرف شروع ہو گیا، اور راویوں کے حالات معلوم کر کے ان کی روایتوں کے رد و قبول کا فیصلہ کیا گیا، تبع تابعین کا آخری دور تھا؛ اسی دور میں فن اسماء الرجال میں تصنیفوں کا آغاز ہوا، ان محدثین اور علماء اسماء الرجال میں سرفہرست شعبہ ابن الحجاج متوفی ۱۶۵ھ، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، معمر متوفی ۱۵۳ھ، ہشام متوفی ۱۴۶ھ کے اسماء گرامی ہیں، ان کے بعد ائمہ فن اسماء الرجال میں نمایاں نام عبد اللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ، ہشیم متوفی ۱۸۳ھ اور سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ کے آتے ہیں، درجہ بہ درجہ فن وسعت اختیار کرتا جا رہا تھا، کیوں کہ یہ وقت کی سب سے اہم ضرورت کی حیثیت اختیار کر چکا تھا، اس لیے علماء اسلام اور محدثین عظام کا بڑا گروہ میدان میں آ گیا، اور انہوں نے حق تحقیق ادا کیا، ان میں یحییٰ ابن سعید القطان متوفی ۱۹۸ھ اور عبد الرحمن ابن المہدی متوفی ۱۹۸ھ کے نام جلی حروف میں لکھے ہوئے نظر آتے ہیں، یحییٰ القطان ہی وہ شخص ہیں جن کے بارے میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے: قال احمد بن حنبل "ما رأیت بعینی مثل یحییٰ بن سعید القطان" (مذکرۃ الحفاظ: ج ۱/ ص ۲۹۸) امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ مجھے یحییٰ بن سعید القطان جیسا کوئی نظر نہیں آیا، یحییٰ القطان وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راویوں کی تنقید کو باقاعدہ ایک فن کی شکل دیدی، انہوں نے راویوں کے بارے میں مخصوص حکم کا اظہار کیا، اور

ان کو ضبط کیا اور عام محدثین نے ان کے راویوں کو احترام کی نگاہوں سے دیکھا اور اسماء الرجال کی کتابیں ان کے اقوال و آراء سے بھری پڑی ہیں۔

پھر ان حضرات کے شاگردوں نے رِوَاۃ کی تحقیق کا کام سنبھالا، ان میں یحییٰ ابن معین، علی ابن مدینی، امام احمد بن حنبل کے نام سنہرے حروف میں لکھے جائیں گے، پھر ان کے تلامذہ نے فن اسماء الرجال کو ایک مکمل فن بنادیا اور فن میں ضخیم ضخیم کتابیں تصنیف کیں، جیسے امام بخاری، امام مسلم، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی، یہ بہت سارے ناموں میں سے چند نام ہیں، اس کے بعد ان کے شاگردوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور اس میں مزید اضافہ کیا، ان میں کچھ نمایاں نام یہ ہیں: امام ترمذی، امام نسائی، وغیرہ اس طرح تیسری صدی کے اخیر تک یہ فن معراج کمال کو پہنچ کر ایک عظیم الشان فن بن گیا، اور دنیا کی کسی قوم و مذہب کی کوئی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے آج تک عاجز ہے، اس فن میں لاکھوں اشخاص کی زندگی کے سارے پہلوؤں پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے کہ اب ہر شخص کے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو گیا کہ یہ شخص روایت حدیث میں قابلِ اعتماد ہے یا نہیں، اور تیسری صدی کے نصف اول میں صحیح ترین حدیثوں کو جمع کرنے کی مہم پایہ تکمیل کو پہنچ گئی، اور درجنوں احادیث کے مجموعے مرتب کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیے گئے کیوں کہ اب جھوٹی، موضوع اور بے بنیاد روایتوں کو چھانٹنے، علیحدہ کرنے اور صحیح حدیثوں کو منتخب کرنے کی ایسی کسوٹی مہیا ہو چکی تھی کہ اس میں غلطی کا احتمال ختم ہو چکا تھا، حدیثوں کے مجموعے تو بہت پہلے سے موجود تھے لیکن صحاح ستہ کی ترتیب کا شرف تیسری صدی کو حاصل ہوا۔

(فن اسماء الرجال: مؤلف، اسیر ادروی)

باب ششم

علم اسماء الرجال اور علم الجرح والتعديل کا باہمی ربط

نقد رجال کی ضرورت اور اہمیت افادیت کی گفتگو کے تحت علم اسماء رجال اور جرح و تعديل کے الفاظ بار بار کانوں میں پڑے تو ایک سوال ہوتا ہے، کہ دونوں دو الگ الگ چیزیں ہیں یا دونوں ایک ہی علم کے دو نام ہیں، تو معلوم ہونا چاہیے کہ ابتداءً یہ دونوں دو مستقل فن تھے، اگرچہ کہ دونوں کا مآل اور انجام کار اور بناء و تاسیس کی غرض ایک ہی تھی وہ یہ کہ احادیث کا صحیح مقام و درجہ جانا جاسکے، مگر دونوں کے درمیان جو فرق تھا وہ یہ کہ علم اسماء رجال سے صرف اشخاص کی زندگیاں ان کے احوال و کوائف معلوم ہوتے تھے، اور اس اعتبار سے تو یہ فن علم التاریخ کے مترادف معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ابتداءً میں اس فن کو تاریخ ہی کا نام دیا جاتا تھا، چنانچہ اس موضوع پر لکھی جانے والی کتابیں تاریخ کے نام سے موسوم تھیں، مثلاً: التاریخ الکبیر للبخاری، التاریخ الصغیر للبخاری، تاریخ ابن خیثمہ، وغیرہ۔

اور فن جرح و تعديل کا مقصد تھا، راوی کے حالات و اوصاف کو دیکھ کر اس کی حیثیت متعین کر دینا اور نقل روایات کے باب میں اس کی مقبولیت و مردودیت کا درجہ بتلا دینا کہ کون سا راوی ثقہ صدوق ہے، اور کون سا راوی کاذب و مردود ہے، مگر چوں کہ یہ دونوں فن باہم لازم ملزوم تھے بایں طور کہ محض احوال رواۃ کا معلوم کرنا مقصود نہیں بل کہ اصل مقصود تو اس کی راویانہ حیثیت اور درجہ کو جاننا تھا اور درجہ بندی کا یہ کام بغیر تاریخ جانے ہوئے نہیں ہو

سکتا تھا، اس لیے متاخرین محدثین نے دونوں کو ایک ساتھ جمع کرنا شروع کر دیا چنانچہ ان کی تصنیفات میں تاریخ رجال اور جرح تعدیل کے اصول کے مطابق ان کی درجہ بندی بھی ساتھ نظر آتی ہے اور دونوں یکجا کرنے کا یہ طرز اس لیے اپنایا کہ امت کے لیے استفادہ آسان ہو جائے، مثلاً دیکھئے ہم ایک راوی کے لیے ابن حجر کی ”تقریب التہذیب“ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ایک ہی صفحہ پر راوی کی زندگی اور اس کی راویانہ حیثیت دونوں ہمیں مل جاتی ہیں۔

جرح و تعدیل کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لغوی مفہوم: جرح کا معنی لغت میں ہے، زخمی کرنا، توہین کرنا، کسی شخص کی طرف عیب کی نسبت کرنا۔

تعدیل: عدل سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے برابر کرنا، ٹھیک کرنا، کسی کی طرف صحیح اور ٹھیک ہونے کی نسبت کرنا۔

اصطلاحی مفہوم: علم جرح و تعدیل وہ علم ہے، جس کے ذریعہ راوی حدیث کی ثقاہت اور عدم ثقاہت کو جانا جائے۔

تقسیم جرح و تعدیل

ہر ایک جرح و تعدیل میں سے دو قسم پر ہیں، مبہم، مفسر جرح و تعدیل مبہم وہ ہے جس میں کوئی سبب جرح و تعدیل کا راوی میں مذکور نہ ہو جرح و تعدیل مفسر وہ ہے، جس میں کوئی سبب، جرح و تعدیل میں مذکور ہوں۔

قبولیت و عدم قبولیت جرح و تعدیل

جرح مفسر میں و تعدیل مفسر دونوں بالاتفاق مقبول ہیں، البتہ جرح مبہم و تعدیل مبہم کے مقبول ہونے میں گو بعض بزرگوں سے اختلاف منقول ہے، مگر زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ جرح مبہم بالکل مقبول نہیں اور تعدیل مقبول ہے یہی مذہب امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ و ترمذیؒ و ابو داؤدؒ و نسائیؒ ابن ماجہؒ و جمہور محدثین و فقہائے حنفیہ کا ہے۔

شرط قبولیت جرح و تعدیل

جرح مفسر و تعدیل کے مقبول ہونے کے واسطے مشترکہ ثبوت یہ ہیں کہ جرح کنندہ و تعدیل کنندہ میں امور مندرجہ ذیل پائے جانے ضروری ہیں، علم، تقویٰ، ورع، صدق، عدم تعصب، معرفت اسباب جرح و تعدیل اور خاص جرح کے قبول ہونے کے واسطے زائد یہ شرط ہے کہ جرح کنندہ غیر متعصب ہونے کے علاوہ متعنت و متشدد بھی نہ ہو۔

بعض اسماء محدثین جو جرح میں متعصب ہیں

دارقطنی، خطیب بغدادی۔

بعض اسماء محدثین جو جرح میں متعنت ہیں

ابن جوزی، بدر موصلی، جوز قانی، مؤلف کتاب الاباطیل، ابن تیمیہ حرانی،

مجدالدین بغوی مؤلف قاموس۔

بعض اسماء محدثین جو جرح میں متشدد ہیں

ابو حاتم، نسائی، ابن معین، ابن قطان یحییٰ قطان ابن حبان۔

بعض اسماء محدثین جو جرح و تعدیل میں معتدل ہیں

امام احمد بن حنبل، ابن عدی۔

الفاظ جرح و تعدیل کے مراتب

چھ درجہ الفاظ جرح کے اور چھ درجہ الفاظ تعدیل کے ہیں، اور ہر درجہ کے لیے ایک قاعدہ کلیہ ہے۔

الفاظ تعدیل کے مراتب

(۱) الفاظ تعدیل میں سب سے ارفع لفظ یہ ہے کہ کسی راوی کی توثیق ایسے لفظ سے کی جائے جس میں مبالغہ کے معنی پائے جائیں، یا افعَل کے صیغہ سے اس کی تعدیل کی گئی ہو جیسے اوثق الناس اضبط الناس، و الیہ المنتہی فی الثبت، اور اسی درجے میں لا اعراف له نظیراً فی الدنیا ہے۔

(۲) توثیق ایسی صفت کے ساتھ کی گئی ہو، جو راوی کی توثیق و عدالت پر دلالت کرے، خواہ اسی لفظ کو مکرر لایا گیا ہو، یا اس کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ ہو ثَقَّةٌ ثَقَّةٌ، ثَقَّةٌ مامون، ثَقَّةٌ حافظ۔

(۳) توثیق ایسے لفظ سے کی گئی ہو، جو راوی کی عدالت کے ساتھ اس کے ضبط کو بھی ظاہر کر رہا ہو جیسے ثبت، متقن، حجة، امام۔

(۴) ایسے لفظ سے راوی کی توثیق کی گئی ہو کہ اس میں ضبط و اتقان ظاہر نہ ہو رہا ہو، جیسے صدوق، مامون، لا بأس بہ۔

(۵) راوی کی توثیق ایسے لفظ کی گئی ہو، جو راوی کی صداقت کی طرف اشارہ کے، مگر اس کے ضبط پر دلالت نہ کرے، یہ چوتھے مرتبہ کے قریب قریب ہے مگر اس کا درجہ اس

کے بعد ہے، جیسے محلة الصدق، صالح الحديث۔

(۶) ایسے لفظ سے توثیق کی گئی ہو کہ راوی مجروح ہونے کے قریب پہنچ جائے جیسے پانچویں درجے کے الفاظ کے ساتھ انشاء اللہ کا اضافہ کر دیا گیا ہو، یا شیخ لیس ببعید من الصواب، صویلح صدوق ان شاء اللہ۔

الفاظ جرح کے مراتب

- (۱) جو لفظ جرح مبالغہ پر دلالت کرے جیسے اکذب الناس، ركن الكذب۔
- (۲) جرح کذب یا وضع کے سبب کی گئی ہو جیسے کذاب، وضاع یہ الفاظ مبالغہ پر دلالت کرتے ہیں مگر ان کا مرتبہ پہلے درجہ کے بعد ہے۔
- (۳) ایسے لفظ سے جرح کی گئی ہو جس سے راوی کا متہم بالكذب یا متہم بالوضع ہونا معلوم ہوتا ہو جیسے متہم بالكذب و متہم بالوضع و يسرق الحديث، اسی درجے میں یہ الفاظ بھی ہیں، هالك، متروک، لیس بثقة۔
- (۴) ایسے لفظ سے جرح کی گئی ہو جو راوی کے ضعف شدید کو ظاہر کرے، جیسے رد حدیثہ، طرح حدیثہ، ضعیف جدا، و لیس شیء، لا یکتب حدیثہ۔
- (۵) اس درجہ میں وہ تمام الفاظ داخل ہیں جو راوی کے ضعیف ہونے یا اس کے حفظ کے اضطراب پر دلالت کریں، جیسے مضطرب الحديث، لا یحتج به ضعفه، ضعیف، له منا کبر۔

(۶) راوی پر ایسے وصف کے ساتھ جرح کی گئی ہو، جو اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرے، لیکن تعدیل سے قریب ہو، جیسے ”لیس بذلک القوی، فیہ ضعف، غیرہ اوثق منه۔

جرح و تعدیل میں تعارض

ایک راوی میں جرح و تعدیل کے تعارض کی بظاہر چار صورتیں ہیں: جرح مبہم و تعدیل مبہم، جرح مبہم و تعدیل مفسر، جرح مفسر و تعدیل مبہم، جرح مفسر و تعدیل مفسر۔ پہلی اور دوسری صورت میں جرح غیر معتبر اور تعدیل معتبر ہے۔ تیسری اور چوتھی صورت میں جرح معتبر ہے اور تعدیل غیر معتبر ہے، بشرطیکہ جرح مفسر کسی ایسے شخص سے صادر نہ ہوئی ہو جو جرح کرنے میں متعصب یا متعنت، یا متشدد شمار کیا گیا ہو۔ (خیر الاصول: ص ۹)

فن اسماء الرجال کی بنیادی شخصیات

(۱) شعبہ بن الحجاج العنکی الازدی الواسطی ثم البصری المولود ۸۲ھ المتوفی ۱۶۰ھ
حضرت شعبہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راویان حدیث کے حالات کی جستجو تحقیق و تنقید کا آغاز کیا اور سب سے پہلے انہوں نے ہی ثقہ راویوں کی فہرست سے ضعیف اور متروک راویوں کو چھانٹ کر علیحدہ کیا، اور ان راویوں کی نشاندہی کی۔ امام احمد ان کے متعلق فرماتے ہیں: 'هو امة وحدة في هذا الشأن' وہ اس سلسلہ میں تنہا ایک جماعت کے قائم مقام ہیں۔
امام شافعی ان کے بارے میں کہتے ہیں: "لولا شعبة ما عرف الحديث بالعراق"
اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں صحیح طور پر حدیث کا علم نہ ہوتا۔

(۲) یحییٰ القطان التمیمی المولود ۱۲۰ھ المتوفی ۱۹۸ھ

امام احمد بن حنبل نے ان کے متعلق فرمایا: "ما رأيت بعيني مثل يحيى القطان"
میں نے اپنی آنکھ سے یحییٰ القطان کا ثانی نہیں دیکھا۔ ایک محدث بُندار کہتے ہیں کہ میں اپنے بیس

سالہ تجربہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ ان سے کبھی کوئی معصیت صادر نہیں ہوئی۔

(۳) ابن سعد الزہری ابو عبد اللہ البغدادی المولود ۱۶۸ھ المتوفی ۲۳۰ھ

محمد بن سعد منبع الزہری ابو عبد اللہ کاتب الواقدی، اسلام کے مستند مؤرخ اور حفاظ حدیث میں سے ہیں، آپ کی ولادت بصرہ میں ۱۶۸ھ میں ہوئی لیکن پوری زندگی آپ نے بغداد میں گزاری اور مشہور عالم مؤرخ واقدی کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہے، اور ان کے کاتب تھے اس لیے وہ کاتب الواقدی کے نام سے مشہور ہوئے خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ”تاریخ بغداد“ میں لکھا ہے: ”محمد بن سعد عندنا من اهل العدالة وحدثه يدل على صدقه فان يتحوى في كثير من رواياته“۔

یعنی ابن سعد ہمارے نزدیک عادل تھے، ان کی حدیثیں ان کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں وہ بہت جانچ پر تال کرتے تھے۔

آپ کی مشہور ترین کتاب ”طبقات“ ہے جو پوری دنیا میں طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔

(۴) یحییٰ بن معین البغدادی المولود ۱۵۸ھ المتوفی ۲۳۳ھ

یہ رجال حدیث کے بہت بڑے مؤرخ اور امام ہیں۔ امام بخاری کے شیوخ میں سے ہیں۔ علامہ ذہبی نے ان کو سید الحفاظ کا لقب دیا ہے، ابن حجر ان کو امام المخرج والتعديل کہتے ہیں۔

(۵) یحییٰ بن مدینی ابوالحسن علی بن عبد اللہ بن جعفر بن نجم السعدی المدینی ثم البصری المولود ۱۶۱ھ المتوفی ۲۳۴ھ

امام احمد غایت احترام میں نام کے بجائے صرف ان کی کنیت سے ان کو یاد کرتے تھے۔ امام نووی کا بیان ہے کہ ابن المدینی کی تصانیف کی تعداد دو سو کے قریب ہیں، ان بعض کتابوں کے نام یہ ہیں:

- (۱) الاسامی والکنی ۸ جلدیں۔ (۲) الطبقات ۱۰ جلدیں۔
 (۳) قبائل العرب ۱۰ جلدیں۔ (۴) التاريخ ۱۰ جلدیں۔
 (۵) اختلاف الحديث۔ (۶) مذاہب المحدثین وغیرہ۔
 (۷) ابو خثیمہ: زہیر بن حرب بن شداد ابو خثیمہ النسائی البغدادی المولود ۱۶۰ھ المتوفی ۲۳۴ھ
 (۸) امام احمد بن حنبل: احمد بن محمد بن حنبل الذہلی الشیبانی البروزی المولود ۱۶۴ھ المتوفی ۲۴۱ھ
 آپ کے علمی و عملی جلالت قدر شان استقامت تقویٰ و خشیت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

آپ کی تصانیف میں:

- (۱) مسند الامام احمد۔ (۲) النسخ والمسنوخ۔ (۳) الرد علی الزنادقة۔
 (۴) التفسیر۔ (۵) فضائل الصحابة۔ (۶) المناسک وغیرہ۔
 (۸) الفلاس عمرو بن علی بن بحر ابو حفص السقاء الفلاس البغدادی المتوفی ۲۴۹ھ
 آپ کی تصانیف میں:

- (۱) المسند۔ (۲) العلل۔ (۳) التاريخ۔

(۹) امام بخاری: محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری المولود ۱۹۴ھ المتوفی ۲۵۶ھ
 آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فن حدیث کے لیے کچھ مستحکم اصول بنائے اور ایک خاص معیار پر پرکھ کر حدیثوں کو جمع کیا، اس سے پہلے کے احادیث کے مجموع صحت کے اس کڑے والترام سے خالی تھے۔

آپ کی تصانیف میں صحیح بخاری کے علاوہ:

- (۱) التاريخ الکبریٰ۔ (۲) التاريخ الاوسط۔ (۳) التاريخ الصغیر۔
 (۴) کتاب الکنی۔ (۵) کتاب الضعفاء۔

(۱۰) امام مسلم ابوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیشاپوری المولود ۲۰۴ھ المتوفی ۲۶۱ھ...
آپ کی تصانیف میں صحیح مسلم کے علاوہ المسند الکبریٰ، الکافی والاسماء، الافراد والوحدان
الاقران، العلل، الطبقات، کتاب اولاد الصحابہ وغیرہ۔

ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد اجلہ علماء و محدثین کی ہے، جنہوں نے خصوصیت سے فن
اسماء الرجال میں سے بے مثال کارنامے انجام دئے ہیں۔ مثلاً:

- | | |
|-----------------------|------------------------|
| (۱) ابوزرعہ رازی ۲۶۴ھ | (۲) ابو حاتم رازی ۲۷۷ھ |
| (۳) امام ترمذی ۲۷۹ھ | (۴) ابن ابی خيثمه ۲۷۹ھ |
| (۵) ابن الجارود ۳۰۷ھ | (۶) الدولابی ۳۱۰ھ |
| (۷) ابن خزيمة ۳۱۱ھ | (۸) ابن ابی حاتم ۳۲۷ھ |
| (۹) ابن حبان ۳۵۴ھ | (۱۰) ابن عدی ۳۶۵ھ |
| (۱۱) دارقطنی | (۱۲) حاکم |
| (۱۳) ابن مندہ | (۱۴) خطیب بغدادی |
| (۱۵) السمعانی | (۱۶) ابن جوزی |
| (۱۷) ابن حجر وغیرہ | |



رجال اور جرح و تعدیل سے متعلق چند مشہور و اہم کتب

جرح و تعدیل کی بعض کتابوں میں جرح و تعدیل دونوں کی بحث ہے اور ثقہ اور ضعیف دونوں قسم کے رواۃ کا تذکرہ ہے اور بعض کسی ایک کے ساتھ خاص ہیں اسی طرح بعض کتابوں کا معاملہ یہ ہے کہ ان میں حدیث کی کسی ایک کتاب یا چند کتابوں کے رواۃ کا تذکرہ ہے، اور بعض میں عام رواۃ کا ذکر ہے، خواہ ان کی روایت کسی کتاب میں ہو۔

(الف) عام کتب:

(۱) تاریخ بخاری م ۲۵۶ھ معروف بہ ”التاریخ الكبير“ اس کتاب میں بعض حضرات کے بقول چالیس ہزار افراد کے حالات مذکور ہیں ویسے تو مطبوعہ نسخے میں (۱۲۳۳۵) افراد کے حالات ہیں۔

(۲) تاریخ ابن خیشمہ م ۲۶۹ھ۔

(۳) ابن ابی حاتم م ۳۲۷ھ اور امام احمد کی ”الجرح والتعديل“۔

(۴) طبقات ابن سعد م ۲۳۰ھ۔

(۵) تمییز النسائی م ۳۰۳ھ وغیرہ۔

ان میں سے دوسری کے متعلق نوویؒ کا بیان ہے کہ نہایت قیمتی فوائد پر مشتمل ہے اور تیسری کے متعلق ہے ”نہایت عظیم الشان کتاب ہے“ نیز

(۶) ”التکمیل فی معرفة الثقات و المجاہیل“ جو مشہور مفسر ابن کثیرؒ

۷۷۷ھ کی کتاب ہے وہ بھی نہایت اہم کتاب ہے۔

(ب) معتمد رواۃ سے متعلق:

(۱) ثقات ابن حبان م ۳۵۴ھ۔

(۲) احمد بن عبد اللہ عجل م ۲۶۱ھ کی الثقات۔

(۳) شمس الدین ذہبی م ۷۴۸ھ کی تذکرۃ الحفاظ۔

(۴) قاسم بن قطلوبغا م ۸۷۹ھ کی کتاب الثقات۔

(ج) ضعفاء کے متعلق:

(۱) ”الکامل“ ابن عدی م ۳۶۵ھ کی جس میں ضعفاء اور ان تمام لوگوں کا

تذکرہ ہے جن پر جرح کی گئی ہے، خواہ وہ جرح مقبول ہو یا غیر مقبول۔

(۲) ”الضعفاء“ امام بخاریؒ کی۔

(۳) ”تاریخ الضعفاء“ امام نسائی کی۔

(۴) ”میزان الاعتدال“ ذہبی کی، یہ بھی ”الکامل“ کے انداز پر ہے، مگر

اس میں صحابہ اور ائمہ اربعہ کو نہیں لیا گیا ہے اگرچہ جرح کے کلمات ان حضرات کے حق میں بھی منقول ہیں اور ابن عدی نے سب کو جمع کیا ہے۔

(۵) ”لسان المیزان“ ابن حجر عسقلانی

(د) مخصوص کتب کے رواۃ کے متعلق:

(۱) ”الکمال فی اسماء الرجال“ عبد الغنی مقدسی م ۶۶۰ھ کی جو صحاح ستہ

کے ثقہ و ضعیف تمام رواۃ سے متعلق ہے۔

(۲) ”تہذیب الکمال“ مصنف حافظ جمال الدین مزی م ۷۴۲ھ۔

(۳) ”تہذیب التہذیب“ ابن حجر کی جو دراصل مزی کی تہذیب الکمال کی

تلخیص اور سلیقہ دار ترتیب کی صورت میں پیش کی گئی ہے۔

(۴) ”تقریب التہذیب“ از حافظ ابن حجر عسقلانی۔

(تدریب: ج ۲/ ص ۳۶۸؛ وتیسیر المصطلح: ص ۱۵۰/ فن اسماء الرجال: ص ۹۷ تا ۱۰۲)

(۵) قواعد جرح و تعدیل سے متعلق کتب

(۱) مقدمہ کتاب ”الجرح والتعدیل“ مصنف ابن ابی حاتم م ۳۲۷ھ۔

(۲) ”الرفع و التکمیل فی الجرح والتعدیل“

از مولانا عبدالحی لکھنوی م ۱۳۰۴ھ۔

اس کے علاوہ علماء جرح و تعدیل اور ماہرین اسماء رجال نے فن کے جزوی پہلوؤں

کو بنیاد بنا کر بھی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ مثلاً:

(۱) حالات صحابہؓ پر

(۱) معرفۃ من نزل من الصحابۃ سائر البلدان از: علی بن المدینی ۲۳۴ھ

(۲) کتاب المعرفة از: ابو محمد عبداللہ بن عیسیٰ مروزی ۲۹۳ھ

(۳) کتاب الصحابہ از: ابن حبان بستی ۳۵۴ھ

(۴) الاستیعاب از: ابو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز قرطبی ملکی ۳۶۸ھ

(۵) اسد الغابہ از: علامہ ابن الاثیر ۲۳۰ھ

(۶) الاصابہ فی تمییز الصحابہ از: ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ

(۲) تاریخ رجال پر

(۱) تاریخ الرواة از: یحییٰ بن معین ۲۳۳ھ

(۲) التاریخ از: امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ

- (۳) التاریخ الکبیر - الاوسط - الصغیر
از: امام بخاری ۲۵۶ھ
- (۴) تاریخ بغداد
از: احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی ۴۹۳ھ
- (۵) الجمع بین رجال الصحیحین
از: ابوالفضل محمد بن طاہر المقدسی ۵۰۷ھ
- (۶) تاریخ دمشق
از ابن عساکر دمشقی ۵۷۱ھ
- (۷) کتاب الکمال فی اسماء الرجال
از علامہ قزوینی ۶۲۳ھ
- (۸) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال
از علامہ جمال الدین مزی دمشقی ۷۴۲ھ
- (۹) تہذیب تہذیب الکمال
از: حافظ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی ۷۴۸ھ
- (۱۰) تعجیل المنعقہ بزوائد رجال الائمة الاربعة
از: حافظ بن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ
- (۱۱) تہذیب التہذیب
از: حافظ بن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ
- (۱۲) تقریب التہذیب
از: حافظ بن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ

(۳) طبقات پر

- (۱) الطبقات الکبری
از: محمد بن سعد الواقدی ۲۳۰ھ
- (۲) طبقات التابعین
از: مسلم بن حجاج القشیری ۲۶۱ھ
- (۳) کتاب التابعین
از: ابن حبان بستی ۳۵۴ھ
- (۴) طبقات المحذین والرواة
از: علامہ حافظ ابو نعیم الاصبانی ۴۳۰ھ
- (۵) تذکرۃ الحفاظ
از حافظ شمس الدین ذہبی ۷۴۸ھ

(۴) اسماء وکنی اور القاب پر

- (۱) الاسامی والکنی
از: علی عبداللہ بن جعفر المدینی ۲۲۴ھ
- (۲) الاسماء والکنی
از: امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ
- (۳) الکنی نام کی امام بخاری و امام نسائی اور عبدالرحمن بن ابی حاتم کی کتابیں

- (۴) فتح الباب فی الکنی والالقباب
 (۵) المؤلف والمختلف
 (۶) الممشتبه فی النسبة
 (۷) الممشتبه فی اسماء الرجال
 (۸) نزہۃ الالباب فی الالقباب
- از: ابن منندہ اصہبہانی ۳۹۵ھ
 از: شیخ عبدالغنی اسدی مصر ۳۳۲ھ
 از: شیخ عبدالغنی اسدی مصر ۳۳۲ھ
 از: حافظ محمد بن احمد عثمان ذہبی ۷۴۸ھ
 از: ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ

(۵) انساب پر

- (۱) الانساب
 (۲) الانساب
 (۳) الباب
- از: شیخ محمد بن طامقدسی ۵۰۷ھ
 از: علامہ سمعانی ۵۶۲ھ
 از: علی بن محمد شیبانی ۶۳۰ھ

(۶) جرح و تعدیل پر

اس عنوان پر بعضوں نے اپنی تصنیف میں صرف کذابین وضعفاء کو موضوع بنایا اور
 نموں نے صرف ثقات کو اور بعضوں نے ثقات وضعفاء دونوں کو

- (۱) الجرح والتعدیل
 (۲) الجرح والتعدیل والضعفاء
 (۳) الضعفاء
 (۴) تاریخ الضعفاء والمتر وکین
 (۵) الجرح والتعدیل
 (۶) کتاب الضعفاء والمتر وکین
 (۷) الثقات
 (۸) میزان الاعتدال
- از: احمد بن حنبل ۲۴۱ھ
 از: جوزجانی ۲۵۹ھ
 از: امام بخاری ۲۵۶ھ
 از: امام نسائی ۳۰۳ھ
 از: امام رازی ۳۲۷ھ
 از: علامہ ابن الجوزی ۵۹۷ھ
 از: ابو حاتم بن جبار بستی ۳۵۴ھ
 از: حافظ الشمس الدین ذہبی ۷۴۸ھ

- (۹) لسان المیزان
از: حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ
- (۱۰) طبقات المدلسین
از: حافظ ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ

(و) احادیث موضوعہ سے متعلق کتب:

اس عنوان پر احادیث موضوعہ کے علاوہ ان راویوں کو بھی جمع کیا ہے، اور ان پر کلام کیا ہے، جن کو ائمہ فن نے مجروح قرار دیا ہے۔

- (۱) تذکرۃ الموضوعات
از: علامہ مقدسی
- (۲) الموضوعات
از: علامہ ہمدانی جوزقی
- (۳) الموضوعات الکبریٰ
از: علامہ ابن الجوزی
- (۴) تحذیر الخواص عن اکاذیب القصاص
از: علامہ سیوطی ۹۱۱ھ
- (۵) اللآلی المصنوعہ
از: علامہ سیوطی ۹۱۱ھ
- (۶) التعقبات
از: علامہ سیوطی ۹۱۱ھ
- (۷) تنزیہ الشریعہ المرفوعہ
از: علامہ ابن العراق الکلتانی ۹۶۳ھ
- (۸) الفوائد المجموعہ
از: علامہ شوکانی
- (۹) المقاصد الحسنہ
از: علامہ سخاوی ۹۰۲ھ
- (۱۰) موضوعات صغریٰ، موضوعات کبریٰ
از: ملا علی قاری ۱۰۱۴ھ
- تذکرۃ الموضوعات
از علامہ پٹنی (از فن اسماء الرجال وغیرہ)

احادیث موضوعہ پر مشتمل بعض تصانیف کا تعارف

احادیث موضوعہ اور روایات مکذوبہ پر امت کو باخبر کرنے کی محدثین کرام نے دو قسم کی کوشش کی۔

اول: نقد رواۃ اور تحقیق روایات کی غرض سے جب علم اسماء الرجال علم الجرح و التعديل اور علم الاسناد کے اصول و ضوابط منضبط ہو گئے، معتبر اور غیر معتبر راویوں کی مکمل پہچان ہو گئی تو ساتھ ہی ساتھ ان کی نقل کردہ روایات کا بھی بے اصل اور بے سند ہونا اور مکذوب و موضوع ہونا معلوم ہوتا گیا، چنانچہ محدثین کرام ایسے ساقط الاعتبار راویوں کے تذکرہ و تراجم میں ان کی بے سرو پا روایات کا بھی پتہ دیتے گئے، اس طرح رجال کی کتابوں میں موضوع روایات کا ایک بڑا حصہ جمع ہو گیا، اور ان کے وضع و کذب کی کہانی وہیں معلوم ہو گئی، مثلاً حافظ ابن عدی کی ”الکامل“ امام عقیلی کی ”الضعفاء“ امام جوزقانی کی ”الاباطیل“ امام جوزجانی کی ”الجرح و التعديل“ امام بخاریؒ کی ”الضعفاء“ امام نسائی کی ”تاریخ الضعفاء والمتروکین“ علامہ ابن الجوزی کی ”کتاب الضعفاء و المتروکین“ امام ذہبی کی ”میزان الاعتدال“ علامہ ابن حجر عسقلانی کی ”لسان المیزان“ وغیرہ۔

دوم: موضوع یا متہم بالوضع احادیث کو ابواب کی ترتیب سے یا حروف تہجی کی ترتیب سے ذکر کر کے یہ بتایا جاتا ہے کہ ان کو کس نے روایت کیا ہے، اور اس میں سند کیا نقص ہے، اس موضوع پر سب سے پہلے علامہ ابن الجوزیؒ نے قلم اٹھایا، ان کی دو کتابیں ہیں، ایک

”العلل المتناہیة فی الاخبار الواہیة“ دوسری ”الموضوعات الکبریٰ“ لیکن اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ علامہ ابن الجوزیؒ احادیث پر وضع کا حکم لگانے میں نہایت متشدد ہیں، اور انہوں نے بہت سی صحیح احادیث کو بھی موضوع قرار دیدیا ہے، اس لیے بعد کے محقق علماء نے ان کی کتابوں پر تنقیدیں لکھیں، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے ان کی تردید میں ”القول المسدد فی الذب عن مسند احمد“ میں ان کی بہت اچھی تردید کی ہے، اس کتاب میں حافظؒ نے مسند احمد کی ان احادیث کی تحقیق کی ہے، جنہیں ابن الجوزیؒ نے موضوع قرار دیا ہے، اور بتایا ہے کہ جن احادیث پر ابن الجوزیؒ نے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے ان میں سے ایک حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے، اور ایک حدیث بخاری کے (احمد شاہ کراچی لائبریری میں) بھی ہے، اور ایسی احادیث تو بہت سی ہیں جو امام بخاریؒ نے تعلیقاً روایات کی ہیں، اور ابن الجوزیؒ نے انہیں موضوع قرار دیا ہے، پھر علامہ سیوطیؒ نے ابن الجوزیؒ کی موضوعات پر ایک مفصل تنقید لکھی، جس کا نام ”النکت البدیعات علی الموضوعات“ رکھا، بعد میں اس کی تلخیص کی، اور اس میں کچھ اضافے کئے جو ”اللائی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعات“ کے نام سے معروف ہے جو کئی جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، لیکن علامہ سیوطیؒ حدیث کے معاملہ میں قدرے متساہل ہیں، اس لیے بعض ضعیف یا منکر احادیث کو بھی صحیح قرار دیتے ہیں، علامہ ابن الجوزیؒ کے بعد حافظ صغائیؒ کی موضوعات بھی بہت مقبول ہوئیں، علامہ ابن الجوزیؒ اور سیوطیؒ کے بعد بہت سے حضرات نے موضوعات پر کتابیں لکھیں، جن میں ملا علی قاریؒ کی ”الموضوعات الکبیر“ نہایت مقبول و معروف ہے، آخری دور میں قاضی شوکانیؒ کی ”الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعات“ اور علامہ طاہر پٹیؒ کی ”تذکرۃ الموضوعات“ مختصر مگر مفید کتابیں ہیں۔

اس نوع کا جامع ترین کام علامہ ابن عراقؒ نے انجام دیا، انہوں نے اپنی کتاب ”تنزیہ الشریعة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعة الموضوعة“ میں ابن الجوزیؒ، جوزقائیؒ، عقیلیؒ، ابن عدیؒ، حافظ ابن حجرؒ، علامہ سیوطیؒ، اور ملا علی قاریؒ کی تمام کتابوں کو جمع کر دیا ہے، اور ہر حدیث کی خوب تحقیق کی ہے، اس طرح ان کی کتاب جامع ترین بھی ہے، اور محقق ترین بھی جو بسا اوقات پچھلی تمام کتابوں سے مستغنی کر دیتی ہے، اس کتاب میں علامہ ابن عراقؒ نے ابن الجوزیؒ، جوزقائیؒ اور سیوطیؒ کی بیان کردہ احادیث میں سے صرف ان احادیث کو جمع کیا ہے، جو فی الواقع موضوع ہیں۔

اسی سے قریب وہ کتابیں بھی ہیں جن میں ان احادیث مشہورہ کی تحقیق کی گئی ہے جو عام طور سے مشہور اور زبان زد ہوتی ہیں، لیکن ان کی سند کا علم عام طور سے نہیں ہوتا، اس موضوع پر سب سے پہلے علامہ زرکشیؒ نے ”التذکرة فی الاحادیث المشتهرة“ کے نام سے ایک کتاب لکھی، ان کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے ”اللاالی المنشرة فی الاحادیث المشهورة“ بعد میں علامہ سیوطیؒ کی ”الدرر المنشرة فی الاحادیث المشتهرة“ اور علامہ ابن درویشؒ کی ”اسنی المطالب فی احادیث مختلفة المراتب“ بھی اپنے اختصار کے باوجود کافی مشہور ہوئیں، لیکن اس نوع کی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور اور متداول کتاب حافظ شمس الدین سخاویؒ کی ”المقاصد الحسنة فی الأحادیث المشتهرة علی الألسنة“ ہے جسے انہوں نے حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، اور ہر حدیث کی خوب تحقیق کی ہے (مقدمہ درس ترمذی) ”عمدة الاقوال فی تحقیق الأباطیل“ للعبد المسکین محمد رضوان الدین المعروف بغفر له اللہ المتین بھی اسی انداز کی ایک قلمی کاوش ہے، جس سے صرف اتنا مقصود ہے کہ امت کا اردوں خواں طبقہ بھی باخبر ہو جائے

کہ وہ روایات جو عام طور پر اصلاحی چند و نصائح پر مشتمل کتابوں میں موجود ہیں یا غیر محتاط واعظین کے بیانات و خطابات میں پائی جاتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نہیں ہیں بلکہ بالا ارادۃ یا بلا ارادۃ دوسروں کی باتیں احادیث کے نام سے مشہور ہو گئی ہیں، اسی قسم کی روایات کی تمیز اس کتاب کی تالیف سے مقصود ہے اللہ تعالیٰ اس محنت اور عرق ریزی کو قبول فرمائیں، اور جنت الفردوس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ اور محدثینؒ کے ساتھ جگہ نصیب فرمائے۔ آمین!

(مقدمہ درس تہذیب: ص ۵۷، ۵۸)

باب ہفتم

تحقیق احادیث کی تین بنیادیں

جعلی بے سند اور غیر معتبر روایات کی چھان پھٹک اور تحقیق و تمیز کے لیے محدثین کریمؒ نے جو خدمات پیش کی ہیں اور اس کے لیے جن بنیادی چیزوں کو کسوٹی اور معیار قرار دیا ہے، ہم انہیں تین قسم میں تقسیم کر سکتے ہیں: (۱) نقد اسانید (۲) نقد متن (۳) شہادۃ ذوق۔ پہلی بنیادی نقد اسانید: یعنی سند کے ایک ایک راوی کی پوری زندگی کی اعلیٰ معیار پر تحقیق کی اور انکی ثقاہت اور عدم ثقاہت پر غیر جانبدارانہ مبنی برانصاف غور و فکر کیا، ملامت کنندگان کی ملامت کی پرواہ کئے بغیر ہر راوی کے متعلق وہی رائے پیش کی جس کا وہ اہل تھا، خواہ وہ اس کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار رہا ہو۔ مثلاً:

علی بن مدینی جو امام بخاریؒ کے بھی شیخ ہیں ان سے ان کے والد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کے متعلق کسی اور سے دریافت کرو، جب لوگوں نے اصرار کیا تو انہوں نے اپنے سر کو جھکا لیا پھر سر کو اٹھا کر فرمایا، کہ دین کا معاملہ ہے، میرے والد ضعیف راوی ہیں۔

امام وکیع بڑے محدث تھے لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے، یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔

امام ابوداؤد صاحب السننؒ نے اپنے بیٹے کے بارے میں فرمایا کہ وہ کذاب ہے۔

(فتح المغیث: ص ۴۱۸)

زید بن ابی انیسہؓ کہتے ہیں کہ میرے بھائی سے نہ روایت کرو (کیوں کہ وہ ضعیف ہے) مسعودی (م ۱۵۴ھ) ایک محدث ہیں امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ اپنی تحریری یادداشت دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو انہوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی۔

یہی معاذ بن معاذؓ وہ بزرگ ہیں کہ ان کو دس ہزار دینار صرف اس معاوضہ میں پیش کرنا چاہا کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عادل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں، یعنی ان کے متعلق خاموش رہیں، انہوں نے اشرفیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا۔

کیا جرح راوی غیبت ہے؟

جب ائمہ جرح و تعدیل نے راوی کے حالات زندگی کی روشنی میں اس کو کاذب، کذاب، وضاع، دجال اور زندیق، جیسے الفاظ سے یاد کیا تو اس بے لاگ اظہارِ رائے پر نکتہ چیں کی گئیں، اعتراضات کئے گئے اور اس کو غیبت میں شمار کرنے کی کوشش کی گئی، مرنے والوں کے عیوب کو بیان کرنے کی مذمت بھی بیان کی گئی جیسا کہ تاریخ کی کتابوں سے ان اعتراض کرنے والوں کا پتہ چلتا ہے۔

بکر بن خداؤد کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطانؒ سے کہا کہ آپ کو خوف خدا نہیں کہ لوگوں نے آپ سے حدیث رسولؐ بیان کی اور آپ نے ان کو ماننے سے انکار کر دیا، وہ لوگ جب خدا کے دربار میں شکایت کریں گے الہ العلیین! ہم نے یحییٰ بن سعید القطان

سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کیں تو انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی اور ان کی طرف سے بے پرواہی برتی تو آپ کا کیا جواب ہوگا؟

یحییٰ القطان نے فرمایا کہ ان حدیث بیان کرنے والوں کا حریف اور فریق مخالف بننا مجھے سو جان سے منظور ہے لیکن یہ کسی قیمت پر مجھے منظور نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر دعویٰ فرمادیں کہ یحییٰ! مرے اوپر لوگ جھوٹ اور بہتان باندھتے تھے، مرے نام سے جھوٹی حدیثیں بیان کرتے تھے تم نے اس کا دفاع کیوں نہیں کیا؟ تم نے اس فتنہ کا سر کیوں نہیں کچل

دیا، تو بتاؤ میں اس کا کیا جواب دوں گا۔ (علوم الحدیث و مقدمہ ابن الصلاح: ص ۳۵۰)

تاریخ کی کتابوں میں امام احمد بن حنبل کا بھی ایک واقعہ اسی طرح کا ملتا ہے، ایک صوفی اور زاہد شخص ابو تراب نخشی تھا، حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بعض راویوں پر جرح کی تو نخشی نے کہا: ”یا شیخ! لا تغتب العلماء“ جناب عالی علماء کی غیبت تو نہ کیجئے! اس پر امام صاحب نے فرمایا: ”ویحک، هذه نصيحة، ليس هذه غيبة“.

(فتح المغیث، تدریب الراوی، مقدمہ ابن الصلاح)

ترجمہ: چپ رہو، یہ خیر خواہی ہے، غیبت نہیں ہے۔

علماء اسماء الرجال اور ائمہ فن جرح و تعدیل کے قلم کو نہ کسی کی علمی و جاہت پکڑ سکی اور نہ کسی شخص کے زہد و تقویٰ کی شہرت مانع ہو سکی، کتاب الجرح والتعدیل کے جامع ابن ابی حاتم کا قول ہے: ”انا لنطعن علی اقوام لعلمهم قد اخطوا و حالهم فی الجنة منذ اکثر

من مائتی سنة“۔ (علوم الحدیث و مقدمہ ابن الصلاح: ص ۳۵۱)

ترجمہ: فن حدیث کی اہمیت کے تقاضوں کے پیش نظر ہم تو ایسے لوگوں پر بھی جرح کرتے ہیں جن کے متعلق خیال ہے کہ دو سو برس سے ان کے خیمے جنت میں لگے ہوئے ہیں۔

یعنی وہ حضرات جن کے زہد و تقدس اور ورع و تقویٰ کا شہرہ ہے لیکن روایت حدیث کے جو اصول ہیں اس معیار پر وہ پورے نہیں اترتے ہیں تو ان کی بھی روایتوں کو لینے سے انکار کر دیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ فن حدیث ہر طرح کے خرافات سے پاک و صاف رہا، اور یہ تو محدثین کا عام اصول رہا کہ گوشہ نشین صوفیا اور عزلت گزین زہاد کی روایتیں نہیں لیتے تھے کیوں کہ وہ ہر شخص کو بلا امتیاز اپنے حسن ظن کی وجہ سے سچا سمجھنے لگتے تھے اس لیے اگر ان کی روایتوں کو صرف ان کے زہد و تقدس کے اعتماد پر لیا جانے لگتا تو اندیشہ تھا کہ وضاع اور کذاب راویوں کو بھی دربار حدیث میں باریاب ہونے کا موقع مل جاتا۔

اس طرح علماء اسماء الرجال اور ائمہ جرح و تعدیل کا دامن اس سے بھی بالکل پاک ہے کہ کسی شخصیت پر ذاتی رنجش یا معاصرانہ چشمک کی بناء پر جرح کر دی ہو، کیوں کہ وہ خود کو اپنے ضمیر اور خدا کی عدالت میں جوابدہ سمجھتے ہیں، اور یہ بالکل ایک دوسری بات ہے کہ بعض علماء کو محتنت فی الجرح کہا جاتا ہے، اس کی وجہ ان کے اصول کا بے لچک ہونا ہے اسی لیے ان کے رویہ میں سختی ہے اس کا ذاتی بغض و عناد سے قطعی کوئی تعلق نہیں ہے، اس کے بالمقابل کچھ محدثین ایسے ہیں جو جرح کے معاملہ میں قدرے نرم ہیں، ان کے یہاں اصولوں میں کچھ نرمی ہے۔ (فن اسماء رجال اسیری)

سند میں وضع کی علامتیں

محدثین نے نقد اسانید و تحقیق رجال کی مہم کو آگے بڑھاتے ہوئے سند کے کھوٹ کو پہچاننے کے لیے کچھ علامتیں بھی متعین فرمائیں جن سے سند کا موضوع و مکذوب ہونا باسانی ظاہر ہو جائے وہ علامات یہ ہیں:

(۱) راوی حدیث وضع کرنے کا خود اعتراف کرے کہ اس نے فلاں فلاں حدیث وضع کی ہے، ابو عصمہ نوح بن ابی مریم نے قرآن کی سورتوں میں حدیث وضع کرنے کا اعتراف کیا، عبدالکریم بن ابی العوجاء نے چار ہزار حدیثیں وضع کرنے کا اعتراف کیا، اسی طرح ابوشیبہ کا بیان ہے کہ ایک شخص میرے آگے بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ میری مغفرت فرما اور میرا خیال ہے کہ تو ایسا نہیں کرے گا، میں نے کہا اے شخص تیری مایوسی تیرے گناہ سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی ہے، اس نے کہا مجھے چھوڑ دو، میں نے کہا اپنا ماجر ابتاؤ، تو اس نے کہا میں نے پچاس احادیث وضع کر کے لوگوں میں رائج کر دی ہیں اور اب میرے بس میں نہیں کہ ان کو لوٹاؤں۔ (دراسات فی الحرح والتعديل: ص ۹۵)

عباسی خلیفہ مہدی نے کہا کہ ایک مرتبہ ایک زندیق نے میرے سامنے اقرار کیا کہ اس نے چار سو احادیث وضع کر کے رائج کر دی ہیں۔ (موضوعات کبیر: ص ۱۴)

(۲) حدیث کا راوی جھوٹ میں مشہور ہو اور اس کی روایت کوئی ثقہ راوی نہ کرتا

ہو، مثلاً روایت ”بجلوا المشائخ فان تبجيل المشائخ من تبجيل الله“.

ترجمہ: مشائخ کی تعظیم کیا کرو کیوں کہ مشائخ کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے۔

(تذکرۃ الموضوعات للمقدس: ص ۲۸)

اس حدیث کا راوی صحر بن محمد المروزی الحاجی ایک جھوٹا آدمی تھا، اور اس حدیث کی روایت کسی ثقہ راوی نے نہیں کی۔

اسی طرح یہ حدیث ”سیکون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادريس
اضر علی امتی من ابلیس“

ترجمہ: عنقریب میری امت میں ایک محمد ابن ادريس نامی شخص ہوگا وہ میری امت
کے لیے شیطان سے زیادہ نقصان دہ ہوگا۔ (السنة و مکانها فی التشریع الاسلامی: ص ۱۰۰)
اس کا راوی مامون، کذاب تھا۔

(۳) راوی کسی ایسے شخص سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات ثابت نہ
ہو، نہ وہ اس کا معاصر ہو یا وہ اس کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہو، یا جس جگہ حدیث سننے کا دعویٰ
کیا وہاں وہ نہ گیا ہو، مثلاً مامون بن احمد الہروی نے دعویٰ کیا کہ اس نے ہشام بن عمار سے
فلاں حدیث سنی تو حافظ ابن حبان نے اس سے پوچھا کہ تم شام کب گئے تھے؟ اس نے کہا
۲۵۰ھ میں اس پر ابن حبان نے کہا تم جس ہشام سے روایت کرنے کے مدعی ہو وہ ۲۴۵ھ
میں انتقال کر گئے تھے۔ (السنة و مکانها فی التشریع الاسلامی: ص ۱۱۴)

اسی طرح عبد اللہ بن اسحاق کرمانی نے محمد بن یعقوب سے روایت کا دعویٰ کیا تو
اس سے کہا گیا کہ تمہاری پیدائش سے نو سال قبل محمد بن یعقوب کا انتقال ہو چکا تھا۔

عمر بن معدان الکلاعی کہتے ہیں کہ عمر بن موسیٰ حمص آیا تو ہم اس کے ساتھ مسجد میں
جمع ہوئے، اس نے کہا کہ مجھ سے بیان کیا تمہارے صالح شیخ نے، اور جب بار بار یہ جملہ کہا

تو میں نے پوچھا، شیخ صالح کون ہیں؟ ان کا نام بتاؤ تا کہ ہم ان کو جانیں؟ اس نے جواب دیا کہ خالد بن معدان ہیں، میں نے پوچھا کس سال تمہاری ملاقات ہوئی، تو بولا ۱۰۸ھ میں، میں نے پوچھا کہاں؟ تو وہ بولا آرمینیہ کے جہاد میں، میں نے کہا شیخ اللہ سے ڈرو خالد بن معدان ۱۰۴ھ میں وفات پا گئے اور تم دعویٰ کرتے ہو کہ ان کی وفات کے چار سال بعد ان سے ملے ہو، پھر انہوں نے جہاد روم میں تو حصہ لیا جہاد آرمینیہ میں کبھی نہیں۔

(کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص ۱۵۸)

سفیان ثوریؒ کہتے ہیں کہ ”جب سے راویوں نے جھوٹ بولنا شروع کیا تو ہم نے

ان کے لیے تاریخ کا استعمال شروع کر دیا۔ (کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص ۱۵۸)

(۴) بعض اوقات وضع حدیث کا فیصلہ راوی کی حالت اور اس کے پیشہ، ہنر

اور عمل کو دیکھ کر کیا جاتا ہے، مثلاً حاکم نے سیف بن عمر تیمی سے روایت کی کہ ہم لوگ سعد بن

ظریف کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس وقت اس کا بیٹا ہاتھ میں کتاب لیے روتا ہوا آیا تو اس

نے پوچھا کیا ہوا؟ بچے نے جواب دیا کہ استاد نے مارا ہے، اس پر وہ بولا کہ آج میں اسے

رسوا کروں گا کیوں کہ مجھ سے عکرمہ نے بحوالہ ابن عباس بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ”معلمو صبیانکم شرارکم اقلہم رحمۃ للیتیم واغلظہم للمساکین“

(تدریب الراوی: ج ۱ ص ۱۱۰/موضوعات کبیر: ص ۴۹)

ترجمہ: تمہارے بچوں کے معلمین بدترین لوگ ہوں گے، یتیم پر کم رحم کریں گے،

اور مسکینوں پر سخت ہوں گے۔

یا مثلاً یہ حدیث کہ ”الہریسۃ تشد الظهر“۔ (موضوعات کبیر: ص ۱۱۰)

ترجمہ: ہریسہ کمر کو مضبوط کرتا ہے۔ (اس کا راوی محمد بن حجاج، ہریسہ فروش تھا)

(۵) راوی اہل بدعت ہو اور اپنے مسلک کی حمایت میں حدیث بیان کرتا ہو مثلاً خارجیہ، مرجیہ، معتزلہ، کرامیہ، اور قرامطہ وغیرہ سے تعلق رکھتا ہو اور اس کی دعوت دیتا ہو مثلاً یہ حدیث ”سمعت علیا قال عبدت الله مع رسول الله قبل ان يعبدہ احد من هذه الامة خمس سنين او سبع سنين“ (الآلی الموضوعۃ: ج ۱ / ص ۶۶) ترجمہ: حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اللہ کی عبادت اس امت کے افراد سے پانچ یا سات سال پہلے کی۔

بدعتی راوی کا مفہوم:

واضح رہے کہ محدثین نے داعی اہل بدعت اور غیر داعی اہل بدعت میں فرق کیا ہے۔

(کتاب الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص ۱۶۰)

اور خود امام بخاریؒ نے بہت سے ایسے شیوخ سے روایت کی ہے جو بدعتی گروہوں سے تعلق رکھتے تھے۔ (تکمیل الارشاد، مؤلفہ عبد اللطیف رحمانی)

بدعتی کے سلسلے میں اکثر محدثین کا موقف یہی ہے کہ اگر وہ داعی بدعت نہ ہو تو اس کی روایت قابل قبول ہے، امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ بھی اس کی روایت کو قابل قبول سمجھتے ہیں بشرطیکہ اس کی تکفیر نہ کی گئی ہو اور نہ وہ جھوٹ کو جائز سمجھتا ہو، جب کہ امام مالکؒ قاضی ابوبکر باقلانیؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک ایسے بدعتی کی بھی روایت قابل قبول نہیں، جس کی تکفیر نہیں کی گئی ہے۔ (لسان المیزان: ج ۱ / ص ۱۰)

دوسری بنیاد نقد متن:

یعنی سند میں تو کھوٹ نہ ہو مگر خود اس روایت میں کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس سے حدیث کا موضوع ہونا معلوم ہو جائے، علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ ”قد یکون

الاسناد كله ثقات ويكون الحديث موضوعاً“ .

ترجمہ: یعنی کبھی سند کا ہر ہر راوی ثقہ ہوتا ہے پھر بھی حدیث موضوع قرار پاتی ہے۔

”ابن دقیق العید کہتے ہیں: ”کثیراً ما يحكمون بذلك أى بالوضع

باعتبار امور ترجع الى المروى والفاظ الحديث“ . (فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث)

ترجمہ: بسا اوقات حدیث کے وضعی (جعلی) ہونے کا حکم ان امور کی وجہ سے لگاتے

ہیں جن کا تعلق مروی (متن حدیث) سے ہوتا ہے۔

ابن صلاح کہتے ہیں: ”وقد يفهمون الوضع من قرينة حال الراوى او

المروى فقد وضعت احاديث طويلة يشهد بوضعها ركاة الفاظها

ومعانيها“ (علوم الحدیث، مقدمہ ابن صلاح النوع الحادى والعشرون معرفة الموضوع)

ترجمہ: کبھی حدیث کی وضعیت (جعلی ہونا) راوی یا مروی (متن) کی حالت سے

سمجھی جاتی ہے، چنانچہ بہت سی طویل حدیثوں کے الفاظ و معانی کی رکاکت (سطحیت) خود

وضع ہونے کی شہادت دیتی ہے۔

نقد متن کی اصل

متن حدیث میں نقد و تحقیق کا کام شریعت میں ایک اہم امر ہے، جسکی اصل قرآن

وسنت اور اقوال صحابہؓ سے ثابت ہے۔

(الف) قرآن مجید سے:

”و إذا جاءهم امر من الامن أو الخوف اذاعوا به ولو ردوه إلى

الرسول والى اولى الامر منهم لعلمه الذين يستنبطونه منهم“ . (سورة النساء آية: ۸۳)

ترجمہ: جب ان کے پاس امن یا ڈر کی خبر آتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اگر اس

کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اولوالامر تک پہنچا دیتے تو جوان میں ملکہ استنباط رکھنے والے تھے وہ اس کو پوری طرح معلوم کر لیتے۔

اس میں ”اولو الامر“ سے مراد اہل علم و فقہ ہیں اور ”یستنبطون“ میں استنباط سے مراد کلام میں گہرائی اور گیرائی کے ساتھ غور کرنا ہے، پس معلوم ہوا کہ نقد و تحقیق اہل علم کی شان ہے۔

(ب) حدیث سے:

”اذا سمعتم الحديث تعرفه قلوبكم وتلين له اشعاركم و ابشاركم و ترون انه منكم قريب فانا اولاكم به و اذا سمعتم الحديث عني تنكره قلوبكم و تنفر منه اشعاركم و ابشاركم و ترون انه منكم بعيد فانا ابعداكم منه“.

(مسند أحمد حدیث ابی اسید الساعدی)

ترجمہ: جب کوئی ایسی حدیث تم سنو جس سے تمہارے دل کو انسیت ہو اور تمہارے بال و کھال اس سے متاثر ہوں اور اپنے سے اس کو قریب سمجھو تو میں اس کا تم سے زیادہ حقدار ہوں اور جب کوئی ایسی حدیث تم سنو جس کو تمہارے دل قبول نہ کریں اور تمہارے بال و کھال اس سے متوحش ہوں اور اپنے سے اس کو دور سمجھو تو میں تمہاری نسبت اس سے دور ہوں۔

دوسری جگہ فرمایا ”ما حدثتم عن ما تنكرونه فلاتاخذوا به فاني لا اقول المنكر و لست من اهلہ“ (تنزیہ الشریعة المرفوعة عن الأخبار الشنیعة الموضوعة، فصل فی حقیقة الموضوع“.

ترجمہ: تم سے ایسی حدیث بیان کی جائے جس سے تمہارا دل نکیر کرے تو اس کو مت قبول کرو کیوں کہ میں نہ منکر کہتا ہوں اور نہ اس کا اہل ہوں۔

(ج) اقوال صحابہؓ سے:

”ان الميت ليعذب ببكاء أهله“۔ (رواہ البخاری)

ترجمہ: یعنی میت کو اس کے اہل خانہ کے رونے کے سبب عذاب دیا جاتا ہے۔
یہ حدیث جب حضرت عائشہؓ کے سامنے آئی تو انہوں نے نقد کرتے ہوئے فرمایا
”حسبکم القرآن ولا تنزروا زرة وزر اخرى“۔ (مشکوٰۃ باب البكاء علی الميت)
ترجمہ: قرآن کافی ہے جس میں مذکور ہے کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔
اس حدیث میں عذاب کو اس صورت پر محمول کیا گیا ہے جس میں مردہ نوحہ کرنے کا
سبب بنے یعنی رونے کی وصیت کر جائے یا کسی کو مقرر کر جائے اس کے بغیر قرآن سے ربط
قائم نہیں ہو سکتا۔

(د) اقوال محدثین سے:

عمرو بن میمون کہتے ہیں ”رایت فی الجاهلیة قرداً اجتمع علیہا قردة قد
زنت فرجموها فرجمتها معهم“

(بخاری ج ۲ کتاب بنیان الکعبہ باب القسامة فی الجاهلیة)

ترجمہ: میں نے زمانہ جاہلیت میں بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا اس پر بندروں
نے جمع ہو کر اس کو سنگسار کیا چنانچہ میں نے بھی ان کے ساتھ سنگسار کیا۔

حافظ ابن عبد البر (مشہور محدث) نے اس واقعہ پر نکیر کرتے ہوئے کہا ہے: ”فیہا

اضافة الزنا الی غیر مکلف واقامة الحد علی البهائم وهذا منکر عند اهل

العلم“۔ (فتح الباری ج ۷ باب القسامة فی الجاهلیة)

ترجمہ: اس میں غیر مکلف کی طرف زنا کی نسبت ہے اور جانوروں پر حد (سزا) قائم

کرنا ہے، جو اہل علم کے نزدیک ناقابل قبول ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے: ”من عشق و کتم وعف وصبر غفر اللہ له و ادخله الجنة“۔ (زاد المعاد ج ۲ ذکر حدیث من عشق الخ)

ترجمہ: جس شخص نے عشق کیا اور اس کو چھپایا اور پاک دامن رہا اور صبر کیا تو اللہ اس کی مغفرت کرے گا اور جنت میں اس کو داخل کرے گا۔

حافظ ابن القیمؒ اس کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: ”فلو کان اسناد هذا الحديث كالشمس کان غلطاً و همّاً“۔ (زاد المعاد: ج ۲)

ترجمہ: اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح بھی ہوتی تو بھی یہ غلط اور وہم ہوگی۔
(ملخصاً از حدیث کا درایتی معیار والنسۃ و مکانتھانی التشریع الاسلامی و مقدمۃ تنزیہ الشریعۃ)

متن حدیث میں وضع کی علامتیں

(۱) رکاکۃ اللفظ: یعنی لفظی رکاکت جس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ میں اصول عربیت اور قوانین بلاغت کی رو سے کوئی کمزوری پائی جاتی ہو جس کا وقوع کسی فصیح و بلیغ انسان سے مستبعد ہو اور ماہرین کلام کا ذوق اس کو سننے سے اباہ کرے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو فصحاء عرب کے امام و سردار تھے، لہذا یہ لفظی خرابی اس بات کی علامت ہوئی کہ یہ کلام، احادیث نبویہ کی قبیل سے نہیں۔

(۲) رکاکۃ المعنی: یعنی معنوی رکاکت جس کا مطلب یہ ہے کہ کلام کا

مضمون نادانی یا ایسے بھونڈے پن پر مشتمل ہو جو لوگوں کے درمیان باعث استہزاء و مذاق

بنے، ایسی کمزوریوں سے تو اہل عقل کے کلام محفوظ ہوا کرتے ہیں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاکیزہ کلام جو تمام کلاموں کا امام ہے، اس میں اس قسم کی کمزوری کا ہونا حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل ہے۔ مثلاً: ”أربع لا يشبعن من أربع أرض من مطروا نثی من ذکر وعین من نظر وعالم من علم“۔ (اس کی تحقیق حدیث نمبر ۵ میں دیکھئے)

اس کی دوسری مثال: ”لو كان الارز رجلاً لكان حليماً ما اكله جائع

الاشبعة“۔ (الاسرار المرفوعة: ص ۳۰)

ترجمہ: اگر چاول انسان ہوتا تو نہایت بردبار ہوتا اور چاول ہر بھوکے کا پیٹ بھر ہی دیتا ہے۔ (اس کی تحقیق کے لیے دیکھئے حدیث نمبر ۵۹)

رکات لفظی اور معنوی کے متعلق ایک اہم تنبیہ:

محدثین کے نزدیک لفظی رکات کے مقابلہ میں معنوی رکات زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ”والممدار علی ركة المعنی فحيث وجدت دلت علی الوضع سواء انضم إليها ركة اللفظ أم لا فإن هذا الدين كله محاسن و الركة ترجع إلى الردائة فيبين مقاصد الدين مبينة، و ركة اللفظ وحدها لا تدل علی ذالك لا حتمال أن يكون الراوی رواه بالمعنی فعبر بألفاظ غير فصیحة من غير أن یخل بالمعنی، نعم إن صرح الراوی بأن هذا لفظ النبی دلت ركة اللفظ حينئذ علی الوضع انتهى“۔

(تنزیہ الشریعة المرفوعة: ص ۷؛ تدریب الراوی: ص ۲۷۱)

ترجمہ: حدیث کی موضوعیت کا دار و مدار معنوی رکات پر ہے اسلئے جس حدیث میں یہ معنوی رکات پائی جائے گی وہاں اگرچہ لفظی رکات نہ بھی ہو وہ حدیث موضوع قرار

پائے گی، تنہا لفظی رکاکت حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل نہیں اسلئے کہ یہ احتمال ہے کہ راوی نے روایت بالمعنی پیش کی ہو اور حدیث کے مفہوم کو کسی کمی بیشی کے بغیر اپنے الفاظ میں نقل کیا ہو، اور وہ الفاظ غیر فصیح ہوں، ہاں اگر راوی یہ صراحت کرے کہ یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ ہیں اور اس میں کوئی لفظی رکاکت ہے تو یہ رکاکت موضوع ہونے دال ہوگی۔

فتح المغیث میں امام سخاویؒ لکھتے ہیں: ”لکنہ فی اللفظ وحده مقید بما اذا صرح بانہ لفظ الشارع“۔ (فتح المغیث)

ترجمہ: تنہا لفظی کمزوری کا دلیل وضع ہونا اس قید کے ساتھ ہے کہ راوی، حدیث کے تعلق سے یہ تصریح کرے کہ حضرت شارع علیہ السلام کے الفاظ ہیں۔

(۳) مخالفة الحديث لصريح القرآن: یعنی اس حدیث کا مفہوم قرآن کے خلاف ہو، مثلاً: ”ولد الزنا لا یدخل الجنة الى سبعة ابناء“۔

(کشف الخفاء: ص ۳۳۹)

ترجمہ: غیر ثابت النسب بچہ سات نسلوں سمیت جنت میں داخل نہ ہوگا۔

یہ حدیث آیت قرآنی: ”لا تزوروا ورة ووزر اخری“ (کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) کے خلاف ہے۔

(۴) مخالفة السنة الثابتة: یعنی اس کا مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی سنت ثابتہ کے خلاف ہو، مثلاً: ”اذا حدثتم عنی بحديث یوافق فخذوا به

حدثت به اولم“۔ (المقاصد الحسنة: ص ۱۶)

ترجمہ: جب تمہارے پاس میری موافقت میں کوئی حدیث میرے حوالہ سے پہنچے

تو اس کو لے لو خواہ میں نے وہ حدیث بیان کی ہو یا نہ کی ہو۔

یہ روایت ایک صحیح مشہور بلکہ متواتر حدیث: ”من کذب علی متعمداً فلیتبعوا مقعده من النار“ (جو شخص میری طرف قصداً جھوٹی بات منسوب کرے اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کر لینا چاہئے) کے خلاف ہے۔

(۵) مخالفة الحقائق التاريخية: حدیث تاریخی حقائق کے خلاف ہو، مثلاً:

”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضع الجزية علی اهل خيبر رفع عنهم الكلفة و السخرة بشهادة سعد بن معاذ و معاوية بن أبي سفيان“.

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ اور معاویہ بن ابوسفیان کی گواہی کی بنا پر اہل خیبر سے جزیہ معاف کر دیا اور ان سے بے گاری و ذلت کو ختم کر دیا۔

اس روایت میں کئی باتیں اسلامی تاریخی حقائق کے خلاف ہیں، اول یہ کہ جزیہ کا حکم غزوہ تبوک کے بعد آیا ہے، غزوہ خیبر کے موقع پر اس کا کوئی تصور بھی نہیں تھا۔ دوم یہ کہ سعد بن معاذ خیبر کے موقع پر زندہ نہیں تھے بلکہ غزوہ خندق کے موقع پر وفات پا چکے تھے۔

سوم یہ کہ معاویہ خیبر کے موقع پر کفار میں سے تھے، اور فتح مکہ کے زمانہ میں اسلام قبول کیا ہے۔

(۶) نقل الفرد الواحد مع توافر الدواعی: کسی معاملہ کے متعلق

ناقل کوئی ایک فرد تھا ہو جبکہ اس معاملہ کی اہمیت اس کا عموم اس بات کا متقاضی ہو کہ اس کے ناقلین کی ایک بڑی جماعت ہونی چاہئے تھی، مثلاً: ”حدیث غدیر خم“ اس پر محدثین نے صرف اس بناء پر وضع کا حکم لگایا کہ یہ واقعہ تو صحابہ کرام کے مجمع میں پیش آیا لیکن اس کی

روایت سے سارے صحابہؓ خاموش ہیں معلوم ہوا، یہ روایت جعلی اور گھڑی ہوئی ہے۔

(۷) مخالفة الحس والمشاهدة : روایت، محسوسات و مشاہدات کے

خلاف ہو مثلاً ”اذا عطس الرجل عند الحديث فهو صدق“۔ (الأسرار المرفوعة)

ترجمہ: آدمی کے بات کرتے کرتے چھینک آجائے تو یہ اسکی سچائی کی علامت ہے۔

(۸) مخالفة العقل العام او مخالفة العقل الصريح : حدیث،

عقل عام یا عقل صریح کے خلاف ہو، عقل عام کا مطلب یہ ہے کہ کسی خاص فرد یا کسی گروہ کے

خلاف کی بات نہیں بلکہ عام طور پر تو لوگوں کی عقل اس کو باور نہ کرے، مثلاً ”ان سفينة نوح

طافت بالبيت سبعاً و صلت عند المقام ركعتين“۔

(السنة و كانتها في التشريع الإسلامي: ص ۹۸)

ترجمہ: نوح علیہ السلام کی کشتی نے بیت اللہ کا سات چکر طواف کیا اور مقام ابرہیم

کے پاس دو رکعت نماز پڑھی۔

(۹) مخالفة الحکمة و الأخلاق : حدیث، حکمت اور اخلاق شرافت

کے خلاف ہو، مثلاً: عورتوں کے متعلق مشہور ہے ”عقو لهن فی فرجهن“ ترجمہ: عورتوں

کی عقل ان کی شرمگاہوں میں ہوتی ہے۔

دوسری مثال ”النظر إلى المرأة الحسناء يزيد في البصر“۔

(الفوائد المجموعة للشوکانی)

ترجمہ: خوبصورت عورت کو دیکھنا آنکھ کی روشنی میں اضافہ کرتا ہے۔

(۱۰) الدعوة إلى الشهوة و المفسدة : حدیث شہوت و فساد پر

ابھارنے والی ہو، مثلاً:

(الف) ”شهوة النساء تضاعف على شهوة الرجال“ .

ترجمہ: عورتوں کی شہوت مردوں کی بنسبت دوگنا ہوتی ہے۔

(ب) ”شكوت إلى جبريل ضعفى من الوقاع فامرني بأكل الهريسة“ .

ترجمہ: میں نے جبریل سے ضعف باہ کی شکایت کی تو انہوں نے حریرہ کھانے کا حکم دیا۔

(۱۱) مخالفة القواعد الطبية المجمع عليها : یعنی حدیث طب

کے متفق علیہ قواعد کے خلاف ہو، مثلاً ”الباذنجان شفاء من كل داء“ .

(مقاصد حسنه: ص ۱۴۱)

ترجمہ: بیگن میں ہر بیماری کی شفاء ہے۔

(۱۲) مخالفة الشواهد الصحيحة : حدیث کے خلاف صحیح معتبر شواہد

موجود ہوں، مثلاً: عوج بن عنق کے متعلق ہے ”ان طوله ثلاثة آلاف ذراع وثلاث مائة وثلاثة وثلاثين وثلاثاً“

ترجمہ: عوج بن عنق (جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قتل کیا تھا) کا قد تین ہزار

تین سو تینتیس اور ثلاث ذراع تھا۔

(۱۳) مخالفة شان الالوهية : حدیث کا مضمون، اللہ تعالیٰ شانہ کی شان

عالی کے خلاف ہو، مثلاً: ”ان الله اشتكت عيناه فعادته الملائكة“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی دو آنکھیں بیمار ہوئیں تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی عیادت کی۔

(۱۴) مخالفة شان النبوة : حدیث کا مضمون، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

شان کے خلاف ہو، مثلاً: ”ان النبي صلى الله عليه وسلم كان يطير الحمام“ .

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبوتر اڑایا کرتے تھے۔

(۱۵) تکلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغة عجمية : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر عربی زبان میں کلام کرنا، مثلاً: ”ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مر علی قوم ینون حائطاً فقال نیک نیک می کنند“۔

(تذکرۃ الموضوعات للمقدس)

ترجمہ: کچھ لوگ دیوار بنا رہے تھے اسی دوران نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے تو فرمایا ”نیک نیک می کنند“ یعنی ٹھیک بنا رہے ہیں۔

(۱۶) ذم لغة او قوم : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی زبان یا کسی قوم کو برا کہنا، مثلاً: (الف) ”ان اللہ تعالیٰ اذا رضى انزل الوحي بالعربية واذا غضب انزل الوحي بالفارسية“۔ (تذکرۃ الموضوعات: ص ۱۱۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جب خوش ہوتے ہیں تو عربی زبان میں وحی نازل کرتے ہیں اور جب ناراض ہوتے ہیں تو فارسی میں۔

(ب) ”الزنجی اذا شبع زنا و اذا جاع سرق“۔

ترجمہ: یعنی حبشی جب پیٹ بھرا ہوتا ہے تو زنا کرتا ہے اور جب بھوکا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے۔

(۱۷) ذم اهل الحرفة: یعنی روایت میں کسی پیشہ کی مذمت ذکر کی گئی، مثلاً

(الف) ”بخلاء امتی الخياطون“۔ (تذکرۃ الموضوعات للفتنی: ص ۱۳۷)

ترجمہ: میری امت کے بخیل درزی ہیں۔

(ب) ”ینح ج الدجال ومعه سبعون الف حاک“۔

(میزان الاعتدال: ج ۱/ ص ۱۱۷)

ترجمہ: یعنی جب دجال نکلے گا تو اس کے ساتھ ستر ہزار جولا ہے ہوں گے۔

(۱۸) ان یکون فی الحدیث تاریخ کذا و کذا: یعنی حدیث میں کسی شے سے متعلق تاریخ مذکور ہو، مثلاً: ”اذا انکسف القمر فی المحرم کان الغلاء و القتال و شغل السلطان و اذا انکسف فی صفر کان کذا و کذا“۔

(الأسرار المرفوعة: ص ۳۱۴)

ترجمہ: جب ماہ محرم میں چاند گہن ہو تو مہنگائی بڑھے گی اور قتل و قتال ہوگا اور بادشاہ کو پریشانی ہوگی اور جب صفر میں گہن لگے تو ایسا ایسا ہوگا۔

(۱۹) ان یکون ناشئاً عن باعث نفسی حمل الراوی علی الروایة: یعنی کوئی نفسانی جذبہ موجود ہو جسکے سبب راوی نے روایت سنائی ہو، مثلاً: ”معلموا صبیانکم شرارکم“

ترجمہ: تمہارے بچوں کے معلم تمہارے شریر لوگ ہیں۔

(۲۰) ان یکون منشاء الحدیث العصبیة: گروہی عصبیت پر روایت مشتمل ہو، مثلاً:

(الف) امام ابو حنیفہؒ کی تعریف سے متعلق ”سیکون فی امتی رجل اسمہ

النعمان کنیتہ أبو حنیفہ و هو سراج امتی“۔ (تنزیہ الشریعة: ج ۲/ ص ۳۰)

تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب ہذا، حدیث نمبر ۱۰۱۔

ترجمہ: میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام نعمان ہوگا اور اس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔

(ب) امام محمد ابن ادریس شافعیؒ کے متعلق ”سیکو فی امتی رجل یقال له

محمد بن ادریس ہو اضر علی امتی من ابلیس“۔ (تنزیہ الشریعہ: ج ۲/ ص ۳۰)

تفصیل کے لیے دیکھئے کتاب ہذا کی حدیث نمبر ۱۰۱)

ترجمہ: میری امت میں ایک آدمی پیدا ہوگا جس کو محمد بن ادریس کہا جائے گا وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ خطرناک ہوگا۔

اس روایت کا پس منظر حافظ ابن حجرؒ اور امام سیوطیؒ نے یہ بتلایا کہ مامون بن احمد ہروی سے کسی نے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ امام شافعیؒ کے متبعین خراسان میں کس قدر پھلتے جارہے ہیں اس نے فوراً کہا میں نے احمد بن عبد اللہ سے سنا اس نے عبد اللہ بن معدان ازدی سے اس نے حضرت انسؓ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور یہ روایت پیش کی۔

یہ کل بیس علامات بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں، ورنہ تو محدثین نے ان کے علاوہ بھی بہت ساری دوسری علامتیں اور کچھ اصول و قواعد اور کلیات و ضوابط اپنی کتابوں میں ذکر فرمائے ہیں، خصوصاً علامہ ابن القیم نے ”المنار المنیف“ میں ان ہی اصولوں کو بہت ہی مفصل پیش کیا ہے، اسی طرح ملا علی قاریؒ نے ”المصنوع“ کے اواخر میں بہت ہی اہم بنیادیں تحریر فرمائیں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل رہی تو ان تمام اصولوں کی تلخیص پیش کی جائے گی ”من شاء فلیراجع“۔

بہر حال اس طویل مقالہ سے یہ حقیقت سامنے آگئی کہ احادیث مبارکہ روز اول سے آج تک محفوظ ہیں بدقماشوں کی بدقماش کے باوجود یہ ذخیرہ اپنی پوری تابانی کیساتھ موجود ہے اور رہے گا۔

اللہ تعالیٰ محدثین کرام اور علماء اسلام اور جملہ حامیان دین و مذہب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

تیسری بنیاد شہادۃ الذوق:

تحقیق احادیث کے لیے محدثین نے جو تیسری بنیاد قائم کی وہ ہے شہادۃ الذوق، یعنی حدیث کے ملکہِ راسخہ اور وجدانِ فنی کو بھی انہوں نے بنیاد بنایا کیوں کہ ان کو حق تعالیٰ شانہ نے وہ نورِ باطن اور وجدانی ملکہ عطا فرمایا تھا کہ کسی راوی کی روایت سننے و دیکھنے کی ساتھ ہی سمجھ جاتے تھے کہ یہ راوی جھوٹا ہے یا سچا، روایت صحیح ہے یا ضعیف و موضوع۔

علامہ ابن قیم کا ایک گراں قدر ملفوظ:

حافظ ابن قیم سے سوال کیا گیا کہ کیا ممکن ہے کہ بغیر سند کے دیکھے ہوئے حدیث موضوع کا علم ہو جائے؟ تو حافظ صاحب نے فرمایا کہ یہ بڑا عظیم القدر سوال ہے بغیر سند کے دیکھے ہوئے وہی شخص حدیث کو پہچان سکتا ہے جس کے گوشت و پوست میں حدیث سرایت کر چکی ہو اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات و اوامر و نواہی اور آپ کے مرغوبات و مرضیات ہر وقت اس کی نظر کے سامنے ہوں، گویا کہ وہ حضور پر نور کی مجلس مبارک میں صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، ایسا شخص حدیث کو سنتے ہی بغیر سند کے دیکھے ہوئے سمجھ جاتا ہے کہ یہ ارشادِ نبوی ہے یا نہیں۔

یہ ایسا ہے کہ جس طرح فقہائے حنفیہ یا فقہائے شافعیہ طرزِ کلام سے پہچان لیتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے یا امام شافعی کا۔

صراف (سار) جس طرح سونا دیکھ کر کھرے کھوٹے کا اندازہ کر لیتا ہے، اسی طرح یہ حضرات محدثین بھی حدیث پاک سے اشتغال اور طولِ ممارست کی وجہ سے غلط و صحیح میں امتیاز کر لیتے تھے، مگر یہ واضح رہے کہ یہ حکم لگانے کا حق اسی وقت ہوگا جب کہ اس کی سند

معلوم نہ ہوا اگر سند معلوم ہو جائے تو حکم کا مدار سند پر ہوگا نہ کہ ذوق پر۔

تنبیہ: مسئلہ مذکورہ کے متعلق شیخ عبدالفتاح ابو غدہ لکھتے ہیں: هذا الجواب صحيح بالنظر للحديث الموضوع والمنكر المخالف للشرعية المطهرة، واما الحديث الموضوع من حيث هو، فمنه ما يخالف الشرعية ومنه الذي معناه صحيح، وهذا لا يعرف الا بمعرفة الاسناد يعنى بعض الحديث الموضوع لا ينكشف إلا من جهة الاسناد ومعرفة الناقل.

(لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث للشيخ عبد الفتاح)

یعنی شہادت الذوق کی بنیاد پر وضع و کذب کا حکم صرف انہیں احادیث میں معتبر ہوگا جو موضوع و منکر ہونے کے ساتھ مخالف شریعت بھی ہوں، کیوں کہ حدیث موضوع میں اصلا و بالذات دونوں احتمال ہیں، کہ وہ حدیث شریعت کے موافق ہوگی یا مخالف، اگر شریعت کے مخالف ہو تو ذوق محدثین کی بنیاد پر وضع کا حکم معتبر ہوگا، اور اگر اس حدیث موضوع کا مضمون شریعت کے موافق ہو تو سند اور راوی کی معرفت کے بغیر یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہوگا کہ وہ حدیث ہے یا نہیں۔

بعض دوسرے محدثین کے اقوال و احوال: ربیع بن خثیم ایک جلیل القدر تابعی ہیں فرماتے ہیں: "ان من الحديث حديثا له ضوء كضوء النهار و ان من الحديث حديثا له ظلمة كظلمة الليل نعرفه بها" بیشک بعض روایتوں میں روشنی ہوتی ہے، دن کی روشنی کی مانند اور بعض میں ایک تاریکی ہوتی ہے، رات کی تاریکی کی مانند جس سے ہم اس کا صحیح و غلط ہونا پہنچانتے ہیں۔

عبدالرحمن بن مہدیؒ نے فرمایا کہ حدیث کی معرفت ایک البہام ہے، بسا اوقات اگر

تم کسی عالم سے جو حدیث کی علت بیان کرتا ہے، دلیل طلب کرو تو وہ دلیل نہیں پیش کر سکتا۔
علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں، حدیث منکر کو منکر محدث کے رو نگئے کھڑے ہو جاتے ہیں، اور قلب اس سے نفرت کرتا ہے۔

شیخ ابوالحسن علی بن عروہ حنبلیؒ ”کتاب الکواکب“ میں فرماتے ہیں کہ جسکی فطرت سلیم ہو اور قلب اس کا نور تقویٰ سے منور ہو، اور صدق و اخلاص اس کا مزاج ثانی بن چکا ہو، سنتے ہی اس کو جھوٹ و سچ کا پتہ چل جاتا ہے، بعض بزرگان دین نے فرمایا کہ جب کوئی جھوٹ بولنے کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کا کلام پورا ہونے سے پہلے ہی میں اس کی مراد کو سمجھ جاتا ہوں (کہ وہ جھوٹا ہے) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ”و لتعرفنہم فی لحن القول“ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو ایسا خاص نور فراست عطا کیا ہے کہ آپ اس کے ذریعہ منافقین کو ان کے لب و لہجہ سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ نفاق کی بات ہے۔

حافظ بلقینیؒ کا ارشاد ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی انسان کی چند سالوں تک خدمت کرے گا تو وہ اس کی ان تمام چیزوں سے واقف ہو جائے گا جو اسے پسند ہیں یا ناپسند، پس اگر کوئی دعویٰ کرے کہ وہ فلاں چیز کو ناپسند کرتا ہے، جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ وہ پسند کرتا ہے تو فقط اس کی بات سننے ہی سے اس کی تکذیب کر دے گا۔

علامہ ابن دقیق العیدؒ فرماتے ہیں محدثین کرام کا کسی حدیث کو موضوع قرار دینے کا تعلق اکثر حدیث کے متن اور اس کے الفاظ سے ہوتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرات محدثین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے کثرت استعمال سے ایک خاص ذوق و ملکہ حاصل ہو جاتا ہے جس سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اور دوسرے کے الفاظ میں تمیز

کر لیتے ہیں۔ (از فن اسماء الرجال مؤلف الشیخ الدكتور تقی الدین الندوی المظاہری)

باب ہشتم

حدیث و اقسام حدیث مع تعریفات

حدیث: ہر وہ چیز ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو چاہے قول ہو یا فعل ہو یا صفت ہو یا تقریر، تقریر کا مطلب یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو کوئی فعل کرتے ہوئے دیکھا ہو اور سکوت فرمایا ہو، جس کا حاصل یہ ہے کہ شریعت میں اس فعل کی اجازت ہے ورنہ آپ سکوت نہ فرماتے۔

خبر: خبر کے متعلق تین اقوال ہیں:

(۱) خبر حدیث کا ہی دوسرا نام ہے۔

(۲) حدیث وہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور خبر وہ ہے جو کسی اور سے منقول ہو۔

(۳) خبر حدیث سے عام ہے یعنی اس روایت کو بھی کہتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو اور اس کو بھی کہتے ہیں جو کسی اور سے منقول ہو۔

آثار: ایسے اقوال اور افعال جو صحابہ کرامؓ اور تابعینؓ کی طرف سے منقول ہوں۔
حدیث کی مختلف اعتبار سے کئی تقسیمیں کی گئی ہیں اور ہر تقسیم میں حسب ذیل متعدد قسمیں پائی جاتی ہیں:

تقسیم اول: راویوں کی قلت اور کثرت کے اعتبار سے حدیث کی اولاد دو قسمیں ہیں:

خبر متواتر خبر واحد

متواتر: وہ خبر ہے جس کے روایت کرنے والے ہر طبقہ میں اتنے کثیر ہوں کہ ان کا بالقصد جھوٹ پر اتفاق کر لینا، یا اتفاقیہ طور سے ان کا جھوٹ پر مجتمع ہو جانا عاۓہ محال ہو، اور یہ کثرت ابتداء سے انتہاء تک باقی رہے، کسی طبقہ میں کمی نہ ہو، نیز وہ خبر مفید للیقین ہو، اور اس کا شتہی امر محسوس ہو، یعنی اس خبر کا تعلق محض عقل سے نہ ہو، بلکہ ابتدائی ناقلین اپنا مشاہدہ یا سماع نقل کریں، ایسی خبر سے علم بدیہی حاصل ہوتا ہے۔

فائدہ: علامہ سیوطیؒ تدریب میں فرماتے ہیں ”لایعتبر فیہ عدد معین علی الاصح“ یعنی جمہور کے نزدیک کثرت رواۃ کی کوئی خاص تعداد معین نہیں، بلکہ حد تو اتر تک پہنچنے کے لیے علم یقین حاصل ہونا ہی علامت ہے، پھر یہ کثرت مخبرین کے اختلاف احوال اور خبر کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہو سکتی ہے، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ تحقیق یہ ہے کہ متواتر میں اتفاق علی الکذب کا محال ہونا کبھی مخبرین کی محض کثرت کی وجہ سے ہوتا ہے، خبر دینے والوں کے اوصاف کا لحاظ نہیں ہوتا، اور کبھی کثرت اور اوصاف دونوں کے لحاظ سے ہوتا ہے، مثلاً کوئی خبر عشرہ مبشرہ سے منقول ہو اور ان سے دس تابعی نے نقل کیا ہو، تو اول میں اجماع علی الکذب عاۓہ محال سمجھا جائے گا، دوسرے میں نہیں، پس معلوم ہوا کہ حدیث متواتر کبھی ناقلین کی کثرت کی وجہ سے مفید للیقین ہوتی ہے، اور کبھی کثرت اور اوصاف ناقلین دونوں کی وجہ سے اور کبھی کثرت اور قرائن کی وجہ سے مفید للیقین ہوتی ہے، بہر کیف اصح یہی ہے کہ تواتر کے لیے کوئی تعداد متعین نہیں۔ بعضوں نے چار، پانچ، دس، بارہ، چالیس، ستر، تین سو تیرہ۔ کی تعداد بتائی ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے تدریب: ص ۳۷۱ میں ان اقوال کے متمسکات کو بھی ذکر کیا ہے، لیکن تعین تعداد جمہور کے خلاف ہے، خود علامہ سیوطیؒ کا رجحان یہ ہے کہ دس یا دس سے زیادہ صحابی کی روایت تواتر کے لیے کافی ہے، علامہ سیوطیؒ نے ایک

رسالہ لکھا ”الفوائد المتکاثرة فی الأخبار المتواترة“ اس میں اپنی دانست میں ہر وہ حدیث جمع کر دی ہے، جس کو دس یا دس سے زیادہ صحابیؓ نے روایت کیا ہے، اور اس کتاب میں تمام طرق والفاظ کا استیعاب کیا ہے، اس کے بعد دوسرا رسالہ لکھا ”الازہار المتناثرة فی الأخبار المتواترة“ ابواب کی ترتیب پر جو پہلے رسالے سے کسی قدر مختصر ہے، پھر اس کا خلاصہ لکھا ”قطب الازہار“ جس میں اسانید کو حذف کر دیا ہے اور مشکاة شریف کی طرح حوالہ پر اکتفاء کیا ہے، اور بہت سی احادیث متواترہ کو بیان کیا ہے، مثلاً: حوض کی احادیث پچاس سے زیادہ صحابہؓ سے منقول ہے، اور مسیح علی الخفین کی روایت ستر بلکہ اسی صحابہؓ سے مروی ہے ”نضراً لله امرأ سمع مقالتي“ تقریباً تیس صحابہؓ سے اور ”انزل القرآن علی سبعة احرف“ ستائیس صحابہؓ سے اور ”من بنی لله مسجداً بنی الله له بیتاً فی الجنة“ بیس اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وغیرہا من الاحادیث، اس سلسلہ میں متعدد دوسرے علماء نے بھی لکھا ہے اور کچھ اضافہ بھی کیا ہے۔ (تدریب: ص ۳۷۸)

خبر واحد کی تعریف

کسی حدیث کے راویوں کی تعداد کسی طبقہ میں حد تواتر سے کم ہو تو اس کو خبر واحد کہتے ہیں، متعدد تقسیمات کے اعتبار سے خبر واحد کی بہت سے قسمیں ہیں۔

خبر واحد کی تقسیمات

پہلی تقسیم

خبر واحد اپنے منہا کے اعتبار سے تین قسموں پر ہے:

- (۱) مرفوع
- (۲) موقوف
- (۳) مقطوع۔

- (۱) مرفوع: وہ حدیث ہے جس میں حضورؐ کے قول یا فعل یا تقریر یا صفت کو بیان کیا گیا ہو۔
 (۲) موقوف: وہ روایت ہے جس میں صحابیؓ کے قول یا فعل یا تقریر کی خبر دی گئی ہو۔
 (۳) مقطوع: وہ روایت ہے جس میں تابعیؒ یا بعد والے کسی شخص کے قول یا فعل یا تقریر کو بیان کیا گیا ہو۔

خبر واحد کی دوسری تقسیم

خبر واحد کی روایوں کی تعداد کے اعتبار سے بھی تین قسمیں ہیں:

(۱) مشہور (۲) عزیز (۳) غریب۔

مشہور کی تین قسمیں ہیں: مشہور عند المحدثین - مشہور عند الفقہاء - مشہور عند العامة۔

(الف) مشہور عند المحدثین: وہ حدیث غیر متواتر ہے، جس کے راوی صحابی

کے بعد ہر طبقہ میں کم از کم تین ہوں، کسی مقام پر تین سے کم نہ ہوں۔

مثلاً: عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ

وسلم قال: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ (رواہ البخاری)

(ب) مشہور عند الفقہاء: اصول فقہ والوں کے نزدیک حدیث مشہور وہ

روایت ہے، جس میں صحابہؓ کے بعد راویوں میں تواتر کی کثرت پیدا ہو جائے، یعنی صحابہؓ کے

طبقہ میں تو تفرّد ہو اس کے بعد متواتر ہو جائے۔

مثلاً: رفع عن امتی الخطاء والنسیان۔ (رواہ ابن حبان والحاکم)

ترجمہ: میری امت سے خطاء و نسیان کو معاف کر دیا گیا ہے۔

(ج) مشہور عند العامة: وہ حدیث جو زباں زد عوام و خواص ہو خواہ اس میں شہرت

کی شرائط موجود ہوں یا نہ ہوں۔

مثلاً: (الف) اختلاف امتی رحمة. (ابن حبان)

(ب) العجلة من الشيطان. (رواہ الترمذی)

فائدہ:

مشہور کے ساتھ ایک لفظ مستفیض بھی استعمال کیا جاتا ہے دونوں کے درمیان کون سی نسبت ہے؟ اس کے متعلق دو قول ہیں (۱) دونوں مترادف ہیں (۲) مشہور عام ہے، اور مستفیض خاص، بایں طور کہ مستفیض وہ حدیث ہے جس کے راویوں کی تعداد ہر طبقہ میں برابر ہو کسی مقام پر کم و بیش نہ ہو، اور مشہور میں یہ قید نہیں ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات کے بقول ایسی حدیثوں کو بھی مشہور کہہ دیا جاتا ہے جن پر حدیث مشہور کی تعریف صادق نہیں آتی مگر چوں کہ کسی خاص طبقہ کے نزدیک وہ معروف اور زباں زد ہو جاتی ہے اس لیے اس کو مشہور کہہ دیا جاتا ہے۔

(۲) عزیز: وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں کم از کم دو ہوں جیسے ”لا یؤمن

احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس أجمعین۔ (رواہ البخاری)

یہ حدیث حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، پھر حضرت انسؓ سے قتادہ

اور عبد العزیز نے نقل کیا ہے، اور قتادہ سے حضرت شعبہ اور حضرت سعید نے نقل کیا ہے، اور

عبد العزیز سے اسماعیل بن علیہ نے پھر ہر ایک سے ایک ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

(۳) غریب: وہ حدیث ہے جس کی سند میں صحابی کے بعد کسی جگہ یا تمام طبقات میں ایک

ہی راوی ہو، غریب کو فرد بھی کہتے ہیں۔

خبر واحد کی تیسری تقسیم

خبر واحد کی راویوں کی صفات کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:

(۱) مقبول (۲) مردود

(۱) مقبول: وہ حدیث ہے، جس کے ثبوت واقعی کے رجحان پر کوئی دلیل موجود ہو۔

(۲) مردود: وہ حدیث ہے کہ اس کے ثبوت کے رائج ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو۔

خبر مقبول کی چار قسمیں ہیں:

(۱) صحیح لذاتہ (۲) صحیح لغيرہ (۳) حسن لذاتہ (۴) حسن لغيرہ

صحیح لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کے راوی عادل، کامل الضبط ہوں اور اس کی سند

متصل ہو، معلل اور شاذ نہ ہو۔

عادل کی قید سے وہ سب روایتیں خارج ہوں گی جن کے راوی عادل نہ ہوں، یا جن

کی عدالت معروف نہ ہو یا جو مجہول الحال ہوں اور تام الضبط کی قید سے وہ روایتیں خارج

ہو گئیں، جن کے راوی اگرچہ صدق و عدالت کے ساتھ متصف ہوں، مگر کامل الضبط نہ ہوں،

متصل الاسناد کی قید سے وہ حدیثیں خارج ہو گئیں، جن کی اسناد میں ارسال یا انقطاع یا اعضاء

ہو، عدم شذوذ کی قید سے احادیث شاذہ اور عدم علت کی قید سے روایات معللہ خارج ہو گئیں۔

چوں کہ صحیح لذاتہ کا مدار عدالت اور ضبط وغیرہ اوصاف پر ہے اور ظاہر ہے کہ ان

اوصاف میں بھی کوئی اعلیٰ، کوئی اوسط، اور کوئی ادنیٰ ہوتا ہے، لہذا ان اوصاف کے تفاوت کی

وجہ سے صحیح لذاتہ کے درجات میں بھی تفاوت ہوگا ”و هو ظاہر“۔

مثال: صحیح بخاری کی روایت ہے: ”حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال اخبرنا

مالک عن ابن شہاب عن محمد بن جبیر بن مطعم عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرء فی المغرب بالطور“۔ (کتاب الاذان)
یہ حدیث صحیح ہے اس لیے کہ اس کی سند متصل ہے، روایت عادل و ضابط ہیں اور حدیث شذوذ و علت سے بھی خالی ہے۔

صحیح لغیرہ: وہ حدیث ہے جس میں صحیح لذاتہ کے تمام شرائط پائے جائیں، لیکن اس کے کسی راوی میں ضبط کی کچھ کمی ہو اور اس نقص کی تعدد طرق سے تلافی ہو جائے۔

مثال: بخاری کی حدیث ہے ”عن ابی بن العباس بن سہل بن سعد عن ابیہ عن جدہ فی ذکر خیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم“
اس حدیث کے راویوں میں سے ”ابی“ کی امام احمد، ابن معین اور نسائی نے قوت حفظ کی خرابی و کمزوری کی بنا پر تضعیف کی ہے، اس لیے ان کی حدیث ”حسن“ ہے، لیکن چون کہ اسی حدیث کو ان کے بھائی ”عبد المہیمن“ نے بھی روایت کی ہے اس لیے یہ ”صحیح لغیرہ“ قرار پائی ہے۔ (تدریب: ج ۱/ ص ۱۷۶)

حسن لذاتہ: وہ حدیث ہے جس کے رواۃ میں سے کوئی راوی خفیف الضبط ہو، تام الضبط نہ ہو، یعنی صحیح لذاتہ کے سب شرائط اس میں موجود ہوں، لیکن راوی کا صرف ضبط ناقص ہو اور اس نقص کی تلافی کثرت طرق یا تعدد طرق سے نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ صحیح لغیرہ اور حسن لذاتہ میں صرف اتنا فرق ہے کہ حسن لذاتہ میں ضبط کے نقصان کی مکافاة نہیں ہوتی اور صحیح لغیرہ میں اس نقصان کی تلافی ایک چند معاضد سے ہو جاتی ہے۔

مثال: ترمذی کی روایت ہے: ”حدثنا قتيبة حدثنا جعفر بن سليمان

الضبي عن أبي عمر ان الجوني عن أبي بكر بن أبي موسى الأشعري رضي
الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم ان ابواب الجنة
تحت ظلال السيوف الحديث)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ جنت
تلواروں کے نیچے ہے۔

ترمذی نے اس حدیث کے متعلق کے فرمایا کہ یہ حدیث ”حسن غریب ہے“۔

(ترمذی مع تحفة الاحوزی: ج ۵/ ص ۳۰۰)

یہ حدیث ”حسن“ اس لیے ہے کہ اس کی سند کے چاروں روات ”ثقة“ ہیں بجز
”جعفر بن سلیمان ضعیفی“ کے کہ ان کا مرتبہ ”ضبط“ میں کم ہے، اس لیے حدیث کا مرتبہ ”صحیح“
سے گھٹ کر ”حسن“ کا قرار پایا ہے۔

حسن لغیرہ: اس حدیث کو کہتے ہیں، جس میں ایسا نقص ہو جو توقف کو مقتضی ہو،
لیکن ایک یا چند عاصد کی وجہ سے اس کی قبولیت رائج ہو جائے، مثلاً: کسی حدیث کا کوئی راوی
مستور الحال ہو، یا ضعف حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہو اسلئے اس کی روایت قابل توقف ہے، مگر
تعدد طرق کی وجہ سے توقف زائل ہو جائے، اور قبولیت رائج ہو جائے تو اس کو حسن لغیرہ کہتے
ہیں، اس لیے کہ دوسرے طرق کی وجہ سے اس میں قوت پیدا ہوئی ہے، بذات خود اس میں
صلاحیت قبولیت نہیں۔

مثال: ترمذی کی روایت ہے: ”عن شعبة عن عاصم عن عبيد الله عن

عبد الله بن عامر بن ربيعة عن أبيه ان امرأة من بني فزارة تزوجت علي

نعلمین الحديث) قال الترمذی و فی الباب عن عمرو و ابی هريرة و عائشة و ابی حدود“.

اس حدیث کے روایات میں عاصم سوء حفظ کی وجہ سے ضعیف ہیں لیکن دوسرے طرق سے اس حدیث کے مروی ہونے کی بنا پر ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے۔ (تدریب: ج ۱/ ص ۱۷۶)

فائدہ (۱): خبر مقبول کے بارے میں الفاظ مستعملہ، محدثین مندرجہ ذیل الفاظ بھی استعمال کرتے ہیں:

جید ، قوی ، صالح ، معروف ، محفوظ ، مجود ، ثابت ، مستحسن

بعض علماء محدثین صحیح اور جید اور قوی میں فرق نہیں کرتے بلکہ جید اور قوی کو صحیح کے مساوی قرار دیتے ہیں، مگر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ کبار محدثین صحیح کے بجائے جید اور قوی کا لفظ بغیر کسی نکتہ کے استعمال نہیں فرماتے ہیں، مثلاً جب کوئی حدیث حسن لذاتہ سے اونچی ہوتی ہے اور صحت کے درجہ تک پہنچنے میں تردد ہوتا ہے تو اس وقت اس کو جید یا قوی کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جید اور قوی کا رتبہ صحیح سے کم ہے، اور صالح کا لفظ صحیح اور حسن دونوں کو شامل ہے کیوں کہ احتجاج و استدلال کی صلاحیت دونوں میں ہوتی ہے، بلکہ صالح کا اطلاق ایسی ضعیف روایت پر بھی ہوتا ہے، جس میں اعتبار کی صلاحیت ہو، اور لفظ معروف، منکر کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، جو مقبول کی تمام قسموں کو شامل ہے، اور محفوظ کا اطلاق شاذ کے مقابل میں ہوتا ہے، اور مجود اور ثابت کا لفظ صحیح اور حسن دونوں کو شامل ہے اور مستحسن کا لفظ حسن اور حسن کے قریب کے لیے مستعمل ہے، لہذا کہا جاسکتا ہے، کہ مستحسن کا درجہ حسن سے کم ہے، شیخ صبحی صالح نے کہا ہے کہ: جب محدثین کسی حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مستحسن (پسندیدہ) ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حدیث حسن اصطلاحی ہے، بلکہ اس میں صحیح و

حسن دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ (علوم الحدیث بحوالہ الجامع للخطیب)

فائدہ (۲): حافظ ابن صلاحؒ فرماتے ہیں کہ صحیح اور صحیح الاسناد، اسی طرح حسن اور حسن الاسناد میں فرق ہے، اس لیے کہ اسناد کے صحیح یا حسن ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حدیث بھی صحیح یا حسن ہو، اس لیے کہ کبھی سند صحیح ہوتی ہے، لیکن شاذ یا معطل ہونے کی وجہ سے وہ حدیث صحیح نہیں ہوتی، لیکن جب کوئی معتمد مصنف صحیح الاسناد پر اکتفاء کرتا ہے، اور کوئی علت نہیں بیان کرتا نہ کوئی قدح کرتا تو ظاہر ہے کہ اس نے صحیح ہونے کا حکم لگا دیا، کیوں کہ عدم علت وعدم قدح ہی اصل و ظاہر ہے انتہی، لیکن حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ جب کوئی امام صحیح کے بجائے صحیح الاسناد کہتا ہے تو اس میں کوئی راز ضرور ہوتا ہے، اس لیے صحیح الاسناد اور حسن الاسناد کا درجہ صحیح حسن سے کم ہے۔

اقسام مردود:

ضعیف: وہ حدیث ہے جس کے راوی میں صحیح اور حسن کے شرائط پائے نہ جائیں۔

مثال: ترمذی نے روایت ذکر کی ہے 'حدثنا قتيبة حدثنا رشدين بن سعد

عن عبد الرحمن بن زياد بن انعم عن عتبة عن حميد عن عباد بن نسي عن عبد الرحمن بن غنم عن معاذ بن جبل قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم اذا توضأ مسح وجهه بطرف ثوبه.

ترجمہ: معاذ بن جبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ

آپ جب وضو فرما لیتے تو اپنے کپڑے کے ایک طرف میں اپنا چہرہ پونچھتے تھے۔

اس روایت کے متعلق امام ترمذیؒ لکھتے ہیں کہ: "هذا حديث غريب واسناده

ضعیف ورشدین بن سعد و عبد الرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی یضعفان فی هذا الحدیث۔ (جامع الترمذی باب ما جاء بالتمندل بعد الوضوء)

یعنی یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند ضعیف اسلئے کہ اس میں رشدین بن سعد اور عبد الرحمن بن زیاد بن انعم الافریقی ہیں اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

متروک: وہ حدیث ہے جس کا راوی متہم بالکذب ہو یا وہ روایت قواعد معلومہ فی الدین کے خلاف ہو۔

مثال: عمرو بن شمر جعفی کو فی شیعہ کی روایت ”عن جابر عن ابی الطفیل عن علی و عمار قالا کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث“ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں قنوت پڑھا کرتے تھے اور یوم عرفہ کی فجر کی نماز سے ہی تکبیر کہا کرتے تھے اور ایام تشریق کے آخری دن بوقت عصر بند کر دیتے تھے)۔

اس کے راوی ”عمرو بن شمر“ کے متعلق نسائی اور دارقطنی وغیرہ کا بیان ہے کہ ”یہ متروک الحدیث ہے“ اس کی حدیث جھوٹ کی تہمت کی بنا پر قبول نہیں کی جائے گی۔

(میزان الاعتدال: ج ۳/ ص ۲۶۸)

شاذ: وہ حدیث ہے جس کا راوی خود ثقہ ہو مگر ایسی جماعت کی مخالفت کرتا ہو، جو اس سے زیادہ ثقہ ہو۔

محفوظ: وہ حدیث ہے جو شاذ کے مقابل ہو۔

مثال: ابوداؤد و ترمذی کی نقل کردہ، عبد الواحد بن زیاد کی روایت: ”عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ مرفوعاً“ اذا صلی أحدکم الفجر فلیضطجع عن یمینہ“ (یعنی جب تم میں سے کوئی فجر کی نماز پڑھ لیا کرے تو داہنی کروٹ پر لیٹ جایا کرے)

بیہقی کا بیان ہے عبدالواحد نے اس روایت میں ایک کثیر التعداد روایات کی مخالفت کی ہے، اس لیے کہ دوسرے حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے طور پر اس کو روایت کیا ہے، اور عبدالواحد جو کہ امام اعمش کے ثقہ اصحاب میں سے تھے، انہوں نے تنہا اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بتایا ہے، عبدالواحد کی روایت ”شاذ“ ہے، اور دوسروں کی ”محفوظ“ ہے۔ (تدریب)

منکر: وہ حدیث ہے جس کا راوی باوجود ضعیف ہونے کے جماعت ثقات کے مخالف روایت کرے۔

معروف: وہ حدیث ہے جو منکر کے مقابل ہو (یعنی ثقات کی حدیث)۔

مثال: ابن ابی حاتم کی روایت جو حبیب بن حبیب کے طریق سے ہے بواسطہ

ابو اسحق عن العیزار بن حرث عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ”من اقام الصلوة و اتى الزکاة و حج البيت و صام و قرى الضیف دخل الجنة“ یعنی جو آدمی نماز پڑھے، زکاة ادا کرے، بیت اللہ کا حج کرے، روزہ رکھے اور مہمان نوازی کرے جنت میں داخل ہوگا۔

ابو حاتم کا قول ہے کہ یہ حدیث منکر ہے اسلئے کہ معتمد روایات نے اس کو ابو اسحق سے موقوفاً روایت کیا ہے یعنی حضرت ابن عباس سے ہی نقل کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں، مذکورہ روایت ”منکر“ ہے اور دوسرے ثقات کی نقل کردہ ”معروف“ ہے۔

مضطرب: وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن میں ایسا اختلاف ہو کہ اس میں ترجیح یا

تطبیق نہ ہو سکے۔

مثال: ترمذی کی روایت ہے: ”عن شریک عن ابی حمزۃ عن الشعبي عن فاطمة بنت قیس رضی اللہ عنہا قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الزکاة فقال ان فی المال حقاً سوى الزکاة“ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زکاة کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا، مال میں زکاة کے علاوہ بھی کچھ حق ہے)۔

ابن ماجہ نے اس کو اسی سند سے بایں الفاظ ذکر کیا ہے ”لیس فی المال حق سوى الزکاة“ (یعنی مال میں زکاة کے علاوہ کوئی اور حق نہیں ہے) ظاہر ہے کہ یہ اضطراب ہے اور ایسا کہ اس کی توجیہ ممکن نہیں۔

مقلوب: وہ حدیث ہے جس میں راوی نے بھول سے متن یا سند میں تقدیم یا تاخیر کر دی ہو، یعنی لفظ مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیا ہو، یا ایک راوی کی جگہ دوسرے راوی کا نام رکھ دیا ہو۔

مثال: امام مسلم کی نقل کردہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے، ان سات حضرات کی بابت جن کو حشر کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے خصوصی سایہ میں رکھا جائے گا جبکہ کوئی دوسرا سایہ نہیں ہوگا، اس حدیث میں ایک متعلق فرمایا گیا ہے: ”رجل تصدق بصدقة فاخفاها حتی لاتعلم یمینہ ما تنفق شمالہ“ (رواہ مسلم) اس میں کسی راوی کے ذریعہ آخری ٹکڑے میں قلب ہو گیا ہے صحیح یوں ہے: ”حتی لاتعلم شمالہ ما تنفق یمینہ“ (یعنی ان سات حضرات میں سے وہ بھی ہوگا جو اتنا چھپا کر صدقہ کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو دائیں کے خرچ کی خبر نہ لگے۔

مصحف: وہ حدیث ہے جس میں باوجود صورت خطی باقی رہنے کے لفظوں و حرکتوں و سکونوں کے تغیر کی وجہ سے لفظ میں غلطی واقع ہو جائے، کبھی تصحیف راوی میں ہوتی ہے، جیسے شعبہ کی وہ حدیث جس کو انہوں نے عوام بن مراحم (بالراء والنجیم) سے نقل کیا ہے، اس کو یحییٰ بن معین نے غلطی سے مراحم کے بجائے مزاحم (بالراء والنجیم) ذکر کیا ہے۔

کبھی تصحیف حدیث میں ہوتی ہے جیسے ”من صام رمضان واتبعه ستا من شوال“ کو بعض راوی نے ”شیأ“ (بالشین المعجمة) ذکر کیا ہے۔

مدرج: وہ حدیث ہے جس میں کسی جگہ راوی نے اپنا کلام درج کیا ہو۔

مثال: ترمذی کی حدیث ”عن بNDAR عن ابن مہدی عن سفیان الثوری عن واصل ومنصور والأعمش عن ابی وائل عن عمرو بن شرحبیل عن عبد اللہ ... الحدیث“۔

اس حدیث میں سفیان ثوری کے تین شیوخ مذکور ہیں جن کا سند کے اگلے حصہ میں یہ اختلاف ہے کہ ان میں ”واصل“ نے ”ابو وائل“ اور ”عبد اللہ“ کے ”درمیان“ عمرو بن شرحبیل“ کا واسطہ نہیں بیان کیا ہے، باقی دو نے اس واسطہ کا ذکر کیا ہے مگر روایت کرنے والوں نے تینوں سے بالاتفاق ”عمرو“ کا واسطہ ہونا نقل کیا ہے۔

معلل: وہ حدیث ہے جس میں کوئی ایسی چھپی ہوئی بیماری ہو جس کو کوئی ماہر فن ہی جان سکتا ہے۔

مثال: موسیٰ بن عقبہ سہیل بن ابی صالح سے روایت کرتے ہیں وہ اپنے والد سے وہ ابو ہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسی مجلس میں بیٹھا جہاں بہت شور و غل

ہو اور مجلس برخواست کرنے سے قبل یہ کلمات کہے ”سبحنک اللہم وبحمدک لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک“ تو اس سے جو گناہ اس مجلس میں صادر ہوئے تھے وہ معاف کر دیتے ہیں، مروی ہے کہ امام مسلم امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا، جناب امام نے فرمایا ”یہ بڑی خوبصورت حدیث ہے اور دنیا بھر میں اس مضمون کی یہ واحد حدیث ہے البتہ یہ معلول ہے، یہ حدیث ہمیں موسیٰ ابن اسماعیل و ہیب سے سن کر بتائی و ہیب نے سہیل سے اور اس نے عون بن عبد اللہ سے سنی حالاں کہ موسیٰ بن عقبہ کا سماع سہیل بن ابی صالح سے معروف نہیں۔

(معرفة علوم الحديث: ص ۱۱۳، ۱۱۴)

خبر واحد کی چوتھی تقسیم

خبر واحد سقوط و عدم سقوط راوی کے اعتبار سے سات قسم پر ہے:

متصل، مسند، منقطع، معلق، معضل، مرسل، مدلس

متصل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں سارے راوی مذکور ہوں کوئی راوی حذف نہ ہو۔

مثال ”حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا یحییٰ بن سعید

الأنصاری قال أخبرني محمد بن ابراهيم التيمي انه سمع علقمة بن وقاص الليثي يقول سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر يقول: انما الاعمال بالنيات وانما لامرئ ما نوى ومن كانت هجرته الى دنيا يصيها او الى امرأة ينكحها فهجرته الى ماها جر اليه“۔ (بخاری: ج ۱/ص ۲)

مسند: وہ حدیث ہے کہ اس کی سند آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔

مثال: بخاری کی روایت ہے: ”حدثنا عبد الله بن يوسف عن مالك عن

أبى الزناد عن الأعرج عن أبى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا شرب الكلب فى إناء أحدكم فليغسله سبعة“ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب کتا کسی کے برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات مرتبہ دھوئے۔ یہ حدیث مرفوع اور اس کی سند متصل ہے۔

منقطع: وہ حدیث ہے جس سند کے درمیان راوی گرا ہوا ہو۔

مثال: عبدالرزاق کی روایت جو انہوں نے سفیان ثوری سے نقل کی ہے ”عن أبى

اسحق عن زيد بن شيع عن حذيفة مرفوعاً ان وليتموها ابا بكر فقوى امين“ (اگر تم ابو بکر کے سپرد خلافت کرو تو اس کے حقدار بھی ہیں اس لیے کہ وہ قوی و امین ہیں)

اس حدیث کی سند کے درمیان کا ایک راوی مذکور نہیں اور وہ شریک ہیں جو ”ثوری“ اور اسحاق کے درمیان ہیں اس لیے ثوری نے براہ راست ابو اسحاق سے حدیث کی تحصیل نہیں کی ہے بلکہ شریک سے تحصیل کی ہے اور شریک نے ابو اسحاق سے، یہ صورت ایسی ہے کہ معلق، مرسل، معضل، تینوں سے الگ ہے۔ (معرفة علوم الحديث: ص ۳۶؛ تدریب: ج ۱/ ص ۲۱۴)

معلق: وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع سے ایک یا زیادہ راوی گرے ہوئے ہوں۔

مثال: بخاری کی حدیث جو انہوں نے باب ما يذكر فى الفخذ کے مقدمہ

میں ذکر کی ہے: ”وقال أبو موسى غطى النبى صلى الله عليه وسلم ركبتيه حين دخل عثمان“. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عثمان گھر کے اندر تشریف لائے تو اپنی رانوں کو ڈھانک لیا (اس حدیث میں چوں کہ بخاری نے بجز صحابی کے پوری سند چھوڑ دی ہے اسلئے یہ حدیث معلق ہے۔

معطل: وہ حدیث ہے جس کی سند میں ایک سے زیادہ راوی پے درپے گرے ہوئے ہوں۔

مثال: حاکم کی روایت ہے جو انہوں نے بواسطہ قعنبی امام مالک سے نقل کی ہے ”
عن مالک انه بلغه ان ابا هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
للمملوك طعامه و كسوته بالمعروف و لا يكلف من العمل الا ما يطيق“.
(یعنی مملوک کا کھانا و کپڑا قاعدے کے مطابق اس کا حق ہے اور اس کو اسی کام کا مکلف بنایا
جائے جس کی وہ طاقت رکھتا ہو)

حاکم کا بیان ہے کہ یہ حدیث معطل ہے امام مالک نے اسے مؤطا میں معطل ذکر
کیا ہے، اس لیے اس میں حضرت ابو ہریرہؓ اور امام مالکؒ کے درمیان پے درپے دو راوی مذکور
نہیں ہیں اس کا علم اس سند سے ہوا ہے: ”عن مالک عن محمد عن عجلان عن ابيه
عن ابي هريرة“.

مرسل: وہ حدیث ہے جس کی سند کے آخر سے کوئی راوی گرا ہوا ہو، یعنی صحابہؓ۔

مثال: مسلم کی روایت: ”حدثني محمد بن رافع ثنا حجين ثنا الليث
عن عقيل عن ابن شهاب عن سعيد بن المسيب ان رسول الله صلى الله عليه
عليه وسلم نهى عن لمزابة“ (یعنی حضورؐ نے ”مزابنہ“ جو کہ دور جاہلیت میں خرید و
فروخت کی رائج صورتوں میں سے ایک تھی اس کے نامناسب ہونے کی وجہ سے اس سے منع
فرمادیا)۔ (کتاب البیوع)

اس حدیث کو حضرت سعید بن مسیب نے جو کہ اکابر تابعین میں سے ہیں حضورؐ سے براہ راست نقل کیا ہے اور اپنے بعد کے راوی کا ذکر چھوڑ دیا ہے جس کی کم از کم حد یہ ہے کہ ایک صحابی ہو، اور احتمال ایک سے زائد کا بھی ہے جو کہ صحابی بھی ہو سکتا ہے، اور تابعی بھی، اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تابعی کسی دوسرے تابعی کے واسطے سے حدیث حاصل کرتا ہے جیسے کہ صحابہؓ نہیں بھی ایسا ہوتا رہا کہ ایک دوسرے سے بھی سنتے اور روایت کرتے رہے۔

مدلس: وہ حدیث ہے جس کی روایت میں راوی نے اپنے شیخ یا شیخ کے شیخ کا نام اس طرح چھپا دیا ہو کہ شیخ مذکور سے سننے کا وہم ہوتا ہو۔

حدیث مدلس کی تین قسمیں ہیں

(۱) تدلیس الاسناد:

یہ وہ حدیث ہے جو راوی ایسے شخص سے روایت کرے جو اس کا ہم عصر ہو اور اس سے مل چکا ہو مگر اس سے اس کا سماع ثابت نہ ہو۔ یا ایسے ہم عصر سے روایت کرے جسے ملانہ ہو مگر دوسرے کو یہ تاثر دے کہ اس نے اپنے معاصر سے سن کر یہ روایت بیان کی ہے۔

اس کی مثال علی بن خشرم کا یہ قول ہے:

”ہم سفیان بن عیینہ کے یہاں حاضر تھے سفیان نے کہا: ”زہری نے یوں فرمایا

”سفیان سے پوچھا گیا ”کیا آپ نے زہری سے سنا ہے؟“

سفیان نے کہا ”مجھے عبدالرزاق نے بتایا، اس نے معمر سے سنا اور معمر نے زہری سے سنا“

(اختصار علوم الحدیث، ص ۵۸)

مذکورہ صدر اسناد میں سفیان زہری کے ہم عصر تھے اور ان سے مل چکے تھے۔ مگر انہوں نے زہری سے کوئی روایت نہیں سنی۔ بخلاف ازیں سفیان نے یہ روایت عبدالرزاق سے سنی، عبدالرزاق نے معمر سے اور معمر نے زہری سے اخذ کی۔ بنا بریں اس سند میں تدلیس یہ ہے کہ سفیان نے اور عبدالرزاق اور معمر دونوں کا نام حذف کر دیا اور ایسے الفاظ روایت کی جن سے وہم ہوتا ہے کہ انہوں نے براہ راست یہ حدیث زہری سے سنی۔

یہ تدلیس کی نہایت بدترین قسم ہے۔

شعبہ فرماتے ہیں: ”میں تدلیس کا مرتکب ہونے کی نسبت زنا کاری کو ترجیح

دیتا ہوں۔“ (التوضیح: ج ۱/ ص ۳۲۶)

(۲) تدلیس الشیوخ:

تدلیس الشیوخ سے مراد یہ ہے کہ راوی بڑھا چڑھا کر اپنے شیخ کے القاب بیان کرے، یا کنیت کے بجائے اس کا نام ذکر کرے، مقصد یہ ہو اس کی پہچان نہ ہو سکے مثلاً یوں کہے: ”یہ حدیث مجھے فلاں علامہ امام ضابطہ اور حافظ نے سنائی۔“

اس کی مثال وہ حدیث ہے جو ابو بکر بن مجاہد المقری نے ابو بکر بن ابوداؤد سے روایت کی اس نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن ابوعبداللہ نے حدیث سنائی اس نے ابو بکر بن حسن نقاش مفسر سے سنا، اس نے کہا ہمیں محمد بن سید نے بتایا۔

اس اسناد میں روای کے والد کے بجائے اس کی نسبت اس کے دادا کی طرف کردی گئی ہے، حالاں کہ اس کی نسبت والد کی جانب مشہور تر ہے۔

(۳) تدلیس التسویہ:

تدلیس تسویہ کا مطلب یہ ہے کہ کسی راوی کے شیخ کا نام اس لیے ذکر نہ کیا جائے کہ وہ ضعیف یا صغیر السن ہے، اس کے بجائے یہ ظاہر کیا جائے کہ حدیث صرف ثقات سے مروی ہے، تاکہ اسے صحیح اور مقبول قرار دیا جائے، یہ تدلیس کی بدترین قسم ہے، کیوں کہ اس میں شدید ترین دھوکہ پایا جاتا ہے۔

ولید بن مسلم اس قسم کی تدلیس میں مشہور تھے، چنانچہ وہ اوزاعی کے ضعیف شیوخ کو حذف کر کے صرف ثقات کا نام ذکر کرتے، جب اس ضمن میں ولید سے سوال کیا گیا تو اس نے کہا ”اوزاعی کا مقام اس سے کہیں زیادہ بلند ہے کہ وہ ایسے ضعیف راویوں سے حدیث روایت کرے۔“

پھر ولید سے کہا گیا ”جب اوزاعی ضعیف راویوں سے منکر روایتیں نقل کریں اور آپ ان کو حذف کر کے ان کی جگہ ثقہ راویوں کے نام ذکر کر دیں تو پھر اوزاعی کو ضعیف راوی قرار دینا چاہئے“ ولید نے یہ سن کر کچھ جواب نہ دیا۔

مدلسین کے الفاظ ان کے خبث باطن کو غمازی کرتے ہیں، مثلاً بعض مدلسین اپنے شیخ کی تعظیم کے لیے ایک مبہم اور متشابہ لفظ بولتے ہیں، اور اس طرح کسی شہر یا قبیلہ کی عظمت و فضیلت کے پر وہ میں شیخ کی عظمت جتنا چاہتے ہیں، مثلاً ایک مصری شخص کہے کہ ”حدثنی فلان بالاندلس“ یعنی مجھے اندلس کے فلاں شخص نے حدیث سنائی۔ اور اندلس سے مراد وہ مقام ہو جو ”القرافۃ“ میں واقع ہے، یا ”زقاق حلب“ کہے اور قاہرہ کی ایک جگہ مراد لے، یا ایک بغدادی شخص کہے ”حدثنی فلان بما وراء النہر“ یعنی ما وراء النہر کے شخص نے مجھے حدیث سنائی، اور اس سے مراد یہ لے کہ دریائے دجلہ کے پار اس نے مجھے حدیث سنائی۔

یایوں کہے ”رقہ“ میں مجھے حدیث سنائی، اور رقعہ (ایک شہر کا نام) سے دریائے دجلہ کے کنارے پر ایک باغ مراد لے، یاد مشق کا رہنے والا یوں کہے کہ ”مجھے فلاں شخص نے کرک میں حدیث سنائی“ اور کرک سے ”کرک نوح“ مراد لے جو دمشق کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔

ان تمام الفاظ سے سامع کے ذہن میں یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہ شخص طلب حدیث میں کافی سفر و سیاحت کر چکا ہوگا، حافظ بن حجر عسقلانی اس ملمع سازی اور دجل و فریب کو ”تدلیس البلاد“ سے تعبیر کرتے اور کہتے ہیں، یہ ”تدلیس الشیوخ“ سے ملتی جلتی ایک اصطلاح ہے۔

بعض تدلیس پیشہ محدثین تدلیس میں لطف و لذت محسوس کرتے تھے، انہیں مذاق کا یہ اندازہ بڑا پسند آتا تھا کہ سہل انگاری سے ایک مبہم روایت بیان کرتے پھرے اس پر ندامت کا اظہار کرنے لگتے، ہشیم بن بشیر سے دریافت کیا گیا آپ کو تدلیس پر کیا چیز آمادہ کرتی ہے؟ ہشیم نے کہا ”تدلیس میں بڑی لذت ہے“۔ (امداد الباری، علوم الحدیث للاسعدی، علوم الحدیث للصبحی)



إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا (القرآن)

عمدة الأقاويل فی تحقیق الأباطیل (غیر معتبر احادیث کی تحقیق)

(۱)

مؤلف

حضرت مولانا محمد رضوان الدین معرونی / مدظلہ العالی

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا

ضلع نندور بار، مہاراشٹر

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الأنبياء
و المرسلين و آله المطيبين و أصحابه الكاملين . أجمعين !

احادیث موضوعہ کے متعلق محدثین کی بعض اصطلاحات کا تعارف

محدثین ناقدین نے احادیث کی تحقیق کے دوران بے سند، جعلی، من گھڑت روایات کی طرف جن الفاظ سے اشارہ کئے ہیں، وہ کثیر التعداد ہیں۔

شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ نے اس موضوع پر بہت گہرائی و گیرائی سے غور فرمایا؛ اور احادیث مکذوبہ اور روایات موضوعہ پر لکھی گئی، علماء متقدمین و متاخرین کی تمام اہم کتابوں کی ورق گردانی کی اور ان کے مزاج و منہج اور عبارات و اشارات سے ایک نہایت جامع خلاصہ تیار فرمایا، جو ملا علی قاریؒ کی کتاب ”المصنوع فی معرفة الحديث الموضوع“ کے ساتھ بطور مقدمہ طبع ہوا ہے، اس موضوع پر یہ مقدمہ نہایت بصیرت افروز، معلومات افزا اور تحقیق و تفتیش کی خوبیوں کا حامل ہے، یہاں شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ کے اسی مقدمہ کی تلخیص پیش کی جا رہی ہے۔

محدثین نے کسی روایت کا موضوع، مکذوب اور بے سند و جعلی ہونے یا سند کے باوجود غیر معتبر ہونے کو بتلانے کے لیے جن اصطلاحات و کلمات کا استعمال فرمایا ہے، وہ تو

بہت ہیں لیکن ان کو اساسی طور پر چند قسموں میں لایا جاسکتا ہے۔

قسم اول: ”لا اصل له“ اور اس کی اخوات..... یعنی وہ کلمات جو حدیث کے بے اصل ہونے کو بتلائیں، ایسے کلمات کی کئی انواع ہیں مثلاً:

(الف) ”هذا الحديث لا اصل له، لا اصل له بهذا اللفظ، ليس له اصل، لا يعرف له اصل، لم يوجد له اصل، لم يوجد“ وغیرہ۔

ان تعبیرات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں ہے، اور سند کے بغیر کوئی حدیث معتبر نہیں ہو سکتی، لہذا ایسی حدیث موضوع کہلائے گی۔

تذریب الراوی میں امام سیوطی لکھتے ہیں۔

”قولهم هذا الحديث ليس له أصل أو لا أصل له قال ابن تيمية:

معناه ليس له اسناد“۔

یعنی جب محدثین کسی حدیث کے متعلق ”ليس له اصل“ یا ”لا أصل له“ کہتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں پائی جاتی۔

(النوع الثاني والعشرون: ۱۹۵)

(ب) کبھی محدثین ”لا اصل له“ جیسے الفاظ استعمال کرتے ہیں، مگر ان کا مقصد بے سند ہونا بتلانا نہیں ہوتا ہے، بل کہ وہ یہ بتلانا چاہتے ہیں، کہ اس روایت کی سند تو ہے مگر اس کی سند میں کذاب اور وضاع راوی پایا جاتا ہے، گویا اس صورت میں اصلیت سند کی نفی مقصود نہیں ہوتی، بل کہ اصلیت حدیث کی نفی مقصود ہوتی ہے، کہ یہ مضمون (حدیث) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

مثلاً: امام غزالی نے احیاء علوم الدین (۶۰۶/۴) میں ترتیب الاوراد میں

ایک حدیث اس طرح ذکر فرمائی ہے کہ ”کرز بن دبرہ عن رجل من أهل الشام عن ابراهيم التيمي ان الخضر علمني المسبعات العشر وقال الخضر في آخرها اعطانيها محمد صلى الله عليه وسلم“۔

یعنی ابراہیم تیمیؒ کہتے ہیں کہ مجھ کو حضرت خضر علیہ السلام نے مسبعات عشر (ایک طویل دُعا) کی تعلیم دی اور آخر میں خضر علیہ السلام نے بتلایا کہ یہ دعاء مجھ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عطاء کی ہے۔

اس حدیث کے متعلق علامہ عراقی (جنہوں نے احیاء علوم الدین کی احادیث کی تحقیق و تخریج کا کام کیا ہے) لکھتے ہیں ”حدیث کرز بن وبرہ لیس لہ اصل و لم یصح فی حدیث قط اجتماع الخضر بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ولا عدم اجتماعہ و لا حیاتہ و لا موتہ“۔

یعنی اس روایت کی سند تو موجود ہے مگر قابل اعتبار نہیں ہے، اس لیے علامہ عراقیؒ نے ”لیس لہ اصل“ فرمایا۔

(ج) هذا الحديث لا أصل له في الكتاب ولا في السنة الصحيحة ولا الضعيفة.

اس عبارت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ مضمون نہ تو قرآن کریم میں ہے نہ ہی کسی صحیح یا ضعیف حدیث میں، بل کہ شریعت مطہرہ میں یہ بات ایک بالکل نئی سی بات ہے۔

(د) هذا الحديث لا أصل له في الكتاب ولا في السنة الصحيحة.

اس عبارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس روایت کا مضمون قرآن اور صحیح حدیث سے تو ثابت نہیں ہے، ممکن ہے کسی ضعیف حدیث میں اس کا ذکر ہو۔

دوسری قسم: ”لا اعرفه“، لم أعرفه، لم أقف عليه، لا اعرف له اصلا، لم أجده له أصل، لم أقف له على أصل، لا أعرفه بهذا اللفظ، لم أره بهذا اللفظ، لم أجده، لم أجده هكذا، لم يرد فيه شيء، لا نعلم من اخرجه و لا إسنادہ۔
 ان کلمات میں سے اگر کوئی لفظ کسی حدیث کے متعلق استعمال کیا جائے تو حکم یہ ہے کہ اگر ان الفاظ کا استعمال کرنے والا مشہور حفاظ حدیث میں سے کوئی محدث ہو اور کسی نے اس کا تعاقب نہ کیا ہو تو یہ علامت ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:
 ”قال الحافظ ابن حجر إذا قال الحافظ المطلع الناقد في حديث لا اعرفه اعتمد ذلك في نفيه“۔

(تدريب الراوى النوع الثانى والعشرون: ۱۹۵)

یعنی حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ جب کوئی صاحب بصیرت ناقد محدث کسی حدیث کے بارے میں ”لا أعرفه“ کہے (میں اس حدیث کو نہیں جانتا) تو اس روایت کے ثابت نہ ہونے کے لیے اتنا کہہ دینا کافی ہے۔

اس پر اضافہ کرتے ہوئے امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ جب ماہرین فن حدیث کو ایک حدیث نہیں ملی اور بعد کا کوئی آدمی سنا رہا ہے تو ظاہر ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے، بعد میں کہیں سے تیار ہوئی ہے، یہی بات شیخ ابن العراقؒ، اور شیخ علائیؒ نے بھی کہی ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ اس طبقہ محدثین میں کون کون حضرات داخل ہیں، جن کا ”لا أعرفه“ کہہ دینا حدیث کے موضوع ہونے کی دلیل ہے۔ تو ابن العراقؒ کنائیؒ نے شیخ علائیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ، علی بن المدینیؒ، یحییٰ بن معینؒ، امام بخاریؒ، ابو حاتم، ابوزرعمہؒ، امام نسائیؒ، دارقطنیؒ اسی زمرہ محدثین سے تعلق رکھتے ہیں۔

اور بقول شیخ ابو غده، حافظ ضیاء مقدسی، ابن الصلاح، صاغائی، منذری، نووی، ابن دیق العید، میاطی، ابن تیمیہ، مزنی، ذہبی، سبکی، زیلعی، ابن کثیر، زرکشی، ابن رجب، ابن الملقن، عراقی، یثمی، ابن حجر، عینی، ابن الہمام، سخاوی، سیوطی، زرقاتی اور ابن ہمات الدمشقی وغیرہم بھی اسی طبقہ میں شامل ہیں کہ اگر کسی حدیث کے متعلق یہ حضرات ناواقفیت کا اظہار کریں تو حدیث کے عدم ثبوت کے لیے کافی ہوگا، لیکن ان کے ماسوا دوسرے محدثین کا یہ مقام نہیں ہے، یعنی ان کے ”لا اعرفہ، لم اجده“ کہنے کا اس درجہ میں اعتبار نہیں ہے، لہذا ان کا عدم وجدان، عدم وجود کی دلیل نہ ہوگا۔

تیسری قسم: ”لا یصح، لا یثبت، لم یصح، لم یثبت، لیس بصحیح، لیس بثابت، غیر ثابت، لا یثبت فیہ شیء وغیرہ“۔

ان تعبیرات کا حکم یہ ہے کہ

جب ان میں سے کوئی تعبیر ایسی کتاب میں استعمال کی جائے جو ضعیف رواۃ یا موضوع احادیث کے عنوان پر لکھی گئی ہو تو اشارہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

اور جب احکام سے متعلق احادیث کے لیے اس کا اطلاق کیا جائے تو صرف صحت حدیث کی نفی مقصود ہوتی ہے، پس اس دوسری صورت میں یہ ممکن ہے کہ یہ حدیث کسی درجہ میں ثابت ہو، اگرچہ کہ احادیث صحیحہ کے مقام تک نہ پہنچی ہو۔

علامہ کوثریؒ نے ”انتقاد المغنی عن الحفظ والکتاب“ کے مقدمہ (ج ۱/ ص ۱) میں لکھا ہے کہ:

”بقول المسند الا واحد ابن ہمات الدمشقی فی ”التکیت و الافادۃ“ فی تخریج احادیث ”خاتمة سفر السعادة“ اعلم ان البخاری وکل

من صف فی الأحکام یرید بقوله ”لم یصح“ الصحة الاصطلاحية .
 ”ومن صف فی الموضوعات والضعفاء یرید بقوله ”لم یصح“ أو
 ”لم یثبت“ المعنی الاعم ولا یلزم من الأول نفی الحسن أو الضعف و یلزم
 من الثانی البطلان“ . (مقدمة المصنوع: ۲۷)

ترجمہ: ابن ہمام الدمشقی نے ”التنکیت و الافادة فی تخریج أحادیث
 خاتمة سفر السعادة“ میں فرماتے ہیں کہ معلوم ہونا چاہیے کہ بخاری اور جن لوگوں نے
 احکام کے باب میں تصنیف کی ہے ان کے ”لم یصح“ یا ”لم یثبت“ سے مراد صحت
 اصطلاحیہ ہوتی ہے؛ اور جنہوں نے موضوعات اور ضعفاء میں کتابیں تصنیف کی ہیں ان کے
 قول ”لم یصح“ یا ”لم یثبت“ سے معنی اعم مراد ہوتا ہے۔ اول سے حسن یا ضعف کی نفی
 لازم نہیں ہوتی۔ البتہ ثانی سے بطلان لازم آتا ہے۔

قسم رابع: ”موضوع، کذب، مکذوب، لیس بحديث، منکر، باطل
 منکر، منکر جدا، منکر باطل وغیرہ“ یہ وہ کلمات ہیں جن سے حدیث کا موضوع ہونا
 صراحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔

اجمال بعد التفصیل

فائدہ: احادیث موضوعہ کی طرف اشارہ کرنے والے تمام الفاظ اصطلاحیہ کو اجمالاً انواعاً میں بترتیب ذیل دیکھا جاسکتا ہے:

- | | | |
|---|------------------------------------|-----------------------|
| ۱ | باطل لا أصل له.....تا | ما عرفت اصله |
| ۲ | لا یثبت فیہ شیء.....تا | ولا یثبت بهذا اللفظ |
| ۳ | لا یصح.....تا | لا یصح لفظه مرفوعاً |
| ۴ | لا یعرف.....تا | لا اعرفه بهذه اللفظ |
| ۵ | لم یوجد.....تا | لم اجده مرفوعاً |
| ۶ | لم اقف علیہ.....تا | لم اقف له علی سند |
| ۷ | لا یعلم من اخرجه ولا اسناده.....تا | ما علمته فی المرفوع |
| ۸ | لم یرد فیہ شیء.....تا | لا استحضره فی المرفوع |
| ۹ | منکر.....تا | منکر باطل |

یہ وہ کلمات ہیں جو کسی حدیث کے متعلق استعمال کئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ حدیث بے سند، جعلی یا باسند مگر من گھڑت اور موضوع ہے۔

سلسلة الأحاديث الموضوعة

(۱) (الف) ”ابی اللہ ان یصح الا کتابہ“

(ب) ”ابی اللہ الا ان یصح کتابہ“

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، شیخ عجلونی، ملا علی قاری، شیخ ابن الدبیج، علامہ شوکانی، شیخ محمد اثیر، سبیر مالکی، شیخ محمد خلیل مشیشی طرابلسی، علامہ طاہر پٹنی وغیرہم، ان تمام محدثین کرام نے اس حدیث کو بے سند اور موضوع قرار دیا ہے، صاحب ”المنحبة البهیئة“ شیخ محمد امیر مالکی نے اس روایت کو نقل فرما کر لکھا کہ ”لم یرد اصلاً“ اس حدیث کا کوئی اصل ہونا بالکل ثابت نہیں ہے، امام سخاوی ”المقاصد الحسنة“ میں لکھتے ہیں ”لا اعرفه ولكن قال الله تعالى ولو كان من عند غير الله لوجدوه فيه اختلافاً كثيراً“۔ (سورة النساء)

ولذا قال امامنا الشافعی رحمہ اللہ فیما روینا ہ فی مناقبہ لابی عبد اللہ بن شاکر من طریق محمد بن عامر عن البویطی قال سمعت الشافعی یقول لقد الفت هذه الفت الكتب ولم ال فیها ولا بد ان یوجد فیها الخطأ لان الله تعالى یقول لو كان من عند غير الله لوجدوه الاية“ فما وجدتم فی کتبی هذا مما یخالف الكتاب والسنة فقد رجعت عنه ولبعضهم.

شعر:

وقلت فی نفسی اصلحته

کم من کتاب تصفحته

وجدت تصحیفاً فصحتہ

حتى اذا طالعته ثانیاً

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ روایت مذکورہ کا حدیث ہونا مجھے معلوم نہیں، یعنی یہ روایت بے سند اور موضوع ہے، لیکن یہ بات سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے متعلق فرمایا ”لو کان من عند غیر اللہ لو جدوہ فیہ اختلافا کثیرا“، یعنی اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت سارے اختلاف ہوتے۔

اسی بنا پر سیدنا امام شافعیؒ سے منقول ہے جس کو ان کے شاگرد شیخ بو یطی روایت کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے اپنی یہ کتابیں لکھی اور ان میں کسی قسم کی کوئی لاپرواہی نہیں کی لیکن پھر بھی اس میں غلطی کا پایا جانا ضروری ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ”لو کان من عند غیر اللہ ... الآیۃ“۔

لہذا میری کتابوں میں جو بات کتاب و سنت کے خلاف ہو تو سنو کہ میں اس سے رجوع کر رہا ہوں، اور اسی مناسبت سے کسی کا یہ شعر بھی ہے۔

کم من کتاب تصفحتہ و قلت فی نفسی اصلحتہ

حتی اذا طالعته ثانیاً وجدت تصحیفاً فصحتہ

یعنی: میں نے بہت سی کتابیں لکھی اور مجھے خیال ہوا کہ میں نے بالکل صحیح اور درست لکھی ہے، لیکن جب دوبارہ ان کتابوں پہ نگاہ ڈالی تو مجھے ان میں غلطیاں نظر آئیں پھر میں نے ان کی تصحیح کی۔

ملا علی قاری نے موضوعات صغریٰ میں اور موضوعات کبریٰ دونوں کتابوں میں اس روایت کو نقل فرما کر لکھا ”قال السخاوی لا اعرفہ“ پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ ابو غدہ عبدالفتاح رحمہ اللہ موضوعات صغریٰ (المصنوع) کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں: ”هو من کلام الامام الشافعی رضی اللہ عنہ، قال المزنی تلمیذ الشافعی“

قرأت کتاب ”الرسالة“ علی الشافعی ثمانین مرة ، فما من مرة إلا وکان یقف علی خطأ ، فقال الشافعی : هیه ! أى حسبک واکفف ”ابی الله أن یكون کتاب صحیحا غیر کتابه“ ذکرہ الإمام عبد العزیز البخاری فی أول شرحه علی أصول الإمام البزدوی المسمى کشف الاسرار : ج ۱ / ص ۱۹ ونقله عنه الشیخ ابن العابدین فی حاشيته رد المحتار : ج ۱ / ص ۱۹ .

یعنی شیخ عبد العزیز بخاری م ۷۳۰ھ نے اپنی کتاب اصول بزدوی کی ”شرح کشف الاسرار : ج ۱ / ص ۱۹“ پر لکھا ہے اور پھر علامہ شامی نے اپنی کتاب ”رد المحتار حاشیة الدر المختار : ج ۱ / ص ۱۹“ پر اس کو نقل فرمایا ہے کہ یہ روایت سیدنا امام الشافعی کا کلام ہے حضرت کے شاگرد شیخ مزنی نے فرمایا کہ میں نے امام شافعی کے سامنے ان کی کتاب ”الرسالة“ اسی مرتبہ پڑھی ، اور ہر مرتبہ دوران قراءت کسی نہ کسی کی غلطی کا انکشاف ہوتا رہا ، بالآخر حضرت نے فرمایا ”ہیہ ابی الله ان یكون کتاب صحیحا غیر کتاب“ چھوڑ دیجی رہے دو اللہ کو منظور ہی نہیں ہے اس کی کتاب کے سوا کوئی دوسری کتاب غلطی سے پاک ہو۔

اور خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ”موضح اوہام الجمع و التفريق : ج ۱ / ص ۶“ پر شیخ مزنی کے حوالہ سے حضرت امام شافعی کا یہ قول اس طرح نقل فرمایا ہے ”لو عورض کتاب سبعین مرة لو جدد فیہ خطأ ابی الله ان یكون کتاب صحیحا غیر کتابه“ .

اگر کسی کتاب پر ستر مرتبہ بھی نظر ثانی کی جائے تو ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی غلطی ملتی رہے گی کیوں کہ اللہ کو یہ پسند ہی نہیں کہ اس کی کتاب قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب صحیح ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ روایت مذکورہ حدیث نبوی نہیں ہے، حضرت امام شافعیؒ کا کلام ہے، اور یہ کلام اپنی جگہ بالکل صحیح ہے جس کی تائید قرآن کی آیت مذکور سے ہو رہی ہے۔

(المقاصد الحسنیة: ص ۵؛ كشف الخفاء: ج ۱ / ص ۳۵؛ النخبة فی الاحادیث المکذوبة: ج ۱ / ص ۲؛ الفوائد المجموعة: ج ۱ / ص ۳۰۹؛ اللؤلؤ المرصوع: ج ۱ / ص ۲۹؛ المصنوع: ص ۵۰؛ الاسرار المرفوعة: ص ۴۸)



(۲) اتق شر من احسنت إلیه

ترجمہ: جس شخص پر تم نے احسان کیا ہے اس کے شر سے بچ کر رہنا۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ ”لا اعرفه، و یشبه ان یکون من کلام بعض السلف“ مجھے اس کا حدیث ہونا معلوم نہیں ہے، یعنی میرے علم کے مطابق یہ حدیث موضوع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں، بہت ممکن ہے کہ اسلاف میں سے کسی کا قول ہو، یہی بات علامہ عجلوٹی، ملا علی قاریؒ، علامہ پٹنیؒ نے بھی لکھی ہے۔

تنبیہ: یہ روایت اگرچہ حدیث نبوی نہیں ہے مگر اس کا مضمون ایک حد تک صحیح ہے، کیوں کہ علی الاطلاق تو ہر شخص کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے ساتھ احسان کرو تو اس کے شر سے بچو کہ وہ شر پہنچانے کے درپے ہوتا ہے، لیکن کم ظرفوں اور کمینوں کا حال ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ کسی کا احسان پا کر بجائے شکر گزاری کے ایذا رسانی پر آمادہ ہو جاتے ہیں، رہ گئے شرفاء اور بااخلاق حضرات تو ایسے لوگ تو کسی کا احسان پا کر جذبہ منت شناسی کی وجہ سے احسان کرنے والے کے مزید گرویدہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ”الکریم یلین اذا استعطف واللیم یقسوا اذا الطف“ یعنی نیک طبیعت انسان پر جب احسان کیا جائے تو وہ اپنے محسن کے لیے بالکل نرم ہو جاتا ہے، اور کمینہ خصلت آدمی کسی کا احسان پا کر مزید سخت دل ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: ”ما وجدت لیماً قط الا قلیل المروءة“۔ یعنی میں نے کمینہ لوگوں کو ہمیشہ انسانیت سے محروم پایا ہے۔

قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے: ”وما نقموا منهم الا ان اغناهم اللہ ورسوله من فضله“۔

یعنی اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ لیا ہے کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے رزقِ خداوندی سے مالدار کر دیا۔ (التوبہ: ۷۴)

امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں محمد بن حاتم المظفریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”اتق شر من یصحبک لنائلة فانها اذا انقطعت عنه لم یعذر ولم یبال ما قال وما قیل فیہ“ (شعب الایمان: ۸۷۵۶)

یعنی جو شخص کسی منفعت کی بنیاد پر تمہارا ساتھ بنا ہو اس کے شر سے بچ کر رہو کیوں کہ جس وقت یہ منفعت ختم ہو جائے گی وہ تمہاری کسی مجبوری کا اعتبار کئے بغیر بے ہودہ بکواس میں مبتلا ہو جائے گا۔

شیخ ابو عمرو بن العلاءؒ نے اپنے احباب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”کن من الکریم علی حذر اذا اہنتہ ومن اللیم اذا اکرمتہ ومن العاقل اذا احرجتہ ومن الأحمق اذا رحمتہ ومن الفاجر اذا عاشرتہ ولیس من الادب ان تجیب من لا یسئلك او تسأل من لا یجیبک أو تحدث من

لا ینصت لک۔

یعنی: تم ہمیشہ چوکنا اور بچ بچ کر رہنا اس شریف النفس آدمی سے جس کی تم نے توہین کردی ہو اور اس بداخلاق سے جس پر تم نے کوئی انعام کیا ہو اور اس عقلمند سے جس کو تم نے کسی موقع پر تنگ کر دیا ہو اور اس احمق سے جس کے ساتھ تم نے ہمدردی کی ہو، اور اس بد کردار فاجر شخص سے جس کی تم نے صحبت اختیار کر لی ہے۔ اور آداب و اصول سے ہٹ کر یہ بات ہے کہ تم ایسے شخص کو کوئی جواب دو جس نے تم سے سوال نہ کیا ہو، یا ایسے آدمی سے کوئی بات پوچھو جو تم کو جواب نہ دے یا اس سے تم بات کرو جو تمہاری بات سننے کے لیے تیار نہ ہو۔

(المقاصد الحسنة: ص ۲۰؛ الاسرار: ص ۵۰؛ المصنوع: ص ۴۵؛

کشف الخفا: ج ۱/ ص ۴۳؛ تذکرة الموضوعات: ج ۱/ ص ۶۹)

خلاصہ: بطور بالا سے معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ (اتق شر من احسنت الیہ) کا مضمون تو صحیح اور بعض اسلاف سے منقول ہے، مگر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے۔



(۳) اتقوا مواضع التهم

ترجمہ: تہمت کی جگہوں سے بچ کر رہو۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس روایت کو حدیث مرفوع کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ مگر صاحب تخریج احادیث احیاء، شیخ عراقیؒ نے فرمایا ”لم اجده اصلاً“ مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔ (تخریج احیاء: ۱۲/۳)

اسی طرح علامہ شوکانیؒ نے بھی اس کو بے اصل قرار دیا ہے۔

شیخ عجلونیؒ نے کشف الخفا: ۴۴/۱ میں اس کو بے اصل، بے سند اور موضوع قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کا کلام نبی ہونا تو ثابت نہیں، البتہ اس کا مضمون، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دوسری حدیث اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دواثر سے ملتا جلتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے جس کو شیخ الخرائطیؒ نے مکارم الاخلاق میں مرفوعاً نقل کیا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”من اقام نفسه مقام التهم فلا يلومن من اساء الظن به“۔

یعنی: جو شخص اپنے آپ کو تہمت کی جگہ پر لا کر کھڑا کرے، پھر اس کے ساتھ کوئی بدگمانی کرے تو اس کو برا بھلا نہ کہے۔

اور حضرت عمرؓ کے دواثر یہ ہیں:

(الف) من سلك مسالك الظن اتهم۔

یعنی جو بدگمانی کی راہ پر چلتا ہے اس پر تہمت آ ہی جاتی ہے۔

(ب) ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ زریں حکمت آموز باتیں تحریر فرمائیں جن میں ایک بات یہ تھی کہ ”من عرض نفسه للهمة فلا يلومن من اساء الظن به“۔

یعنی: جس نے خود کو تہمت کی جگہ ڈالا تو بدگمانی کرنے والے کو ملامت نہ کرے۔

خلاصہ یہ کہ روایت مذکورہ کا مضمون تو صحیح اور معقول و منقول ہے مگر ان الفاظ

(اتقوا مواضع التهم) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

(تخریج احیاء: ج ۳/ص ۱۷؛ الفوائد للشوکانی: ج ۱/ص ۲۵؛ کشف: ج ۱/ص ۴۴؛ ۲/۲۵۴؛ المقاصد

الحسنة: ج ۱/ص ۲۱۸؛ الدرر المنتثرة للسيوطی: ج ۱/ص ۱۹؛ تذکرة الموضوعات: ج ۱/ص ۲۰۴)

(۴) إذا حضر العشاء والعشاء فابدؤا بالعشاء

ترجمہ: جب عشا اور عشاء (یعنی رات کا کھانا اور رات کی نماز) دونوں جمع ہو جائیں تو پہلے کھانا کھالو۔

حکم: یہ حدیث ان الفاظ میں موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ سخاوی، ملا علی قاری، ابن حجر عسقلانی، شیخ عجلونی، امام سیوطی اور علامہ محمد بن طاہر پٹی یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاوی مقاصد حسنہ میں لکھتے ہیں کہ علامہ عراقی نے شرح الترمذی میں فرمایا کہ ”لا اصل له في كتب الحديث بهذا اللفظ“ یعنی یہ روایت ان الفاظ میں کتب حدیث میں موجود نہیں ہے۔

یہاں تین باتیں قابل توجہ ہیں:

(۱) یہ حدیث ان الفاظ میں کتب حدیث میں موجود نہیں ہے، البتہ الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ اس روایت کا ثبوت ہے، مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے:

”إذا وضع العشاء وأقيمت الصلاة فابدؤا بالعشاء“

(بخاری، الأظعمة: ۵۰۴۲؛ مسلم الصلاة)

صحیحین اور اسی طرح سنن ابوداؤد اور مسند امام احمد میں بھی ایک روایت مذکور ہے ”عن ابن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا وضع عشاء أحدکم واقیمت الصلاة فلا یقوم حتی یفرغ“

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”جب رات کا کھانا حاضر ہو اور جماعت بھی کھڑی ہو رہی ہو تو جب تک کھانے سے فارغ نہ ہو جائے نماز کے لیے نہ جائے۔“

(سنن ابی داؤد: ج ۱/ ص ۲۰۳؛ مسند امام احمد: ج ۱/ ص ۱۵)

(۲) امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ روایت انہیں الفاظ میں مصنف ابن ابی شیبہ میں اسماعیل بن علیہ کی سند سے مرفوعاً مروی ہے، مگر یہ خیال صحیح نہیں ہے اس لیے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ”و حضرت الصلوٰۃ“ منقول ہے، نہ کہ ”حضرت العشاء“۔ اور پوری روایت اس طرح مذکور ہے ”عن اسماعیل بن علیہ عن اسحق قال حدثنی عبد اللہ بن رافع عن ام سلمة مرفوعاً ”اذا حضر العشاء وحضرت الصلوٰۃ فأبدأوا بالعشاء“ اور انہیں الفاظ میں امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند میں اس کو ذکر فرمایا ہے۔

(۳) یہ روایت اگرچہ الفاظ مذکورہ (اذا حضر العشاء والعشاء.....) میں ثابت نہیں ہے مگر اس کا مفہوم و مضمون صحیح ہے کہ آدمی کو سخت بھوک کا تقاضا ہو اور اسی وقت جماعت کھڑی ہو جائے تو پہلے کھانا کھا کر بھوک مٹالینی چاہیے، پھر نماز شروع کرنی چاہیے تاکہ نماز کا خشوع و خضوع باقی رہے، اور دل نماز کی طرف متوجہ رہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق سنن ابی داؤد میں منقول ہے کہ ”و کان عبد اللہ اذا وضع عشاؤہ او حضر عشاؤہ لم یقم حتی یفرغ و ان سمع الاقامة وان سمع قراءة الإمام“۔

یعنی حضرت ابن عمرؓ کا معمول تھا، کہ جب رات کا کھانا اور عشاء کی جماعت دونوں

اکٹھے ہو جائیں تو اگرچہ اقامت اور امام کی قراءت سنتے ہوتے مگر دسترخوان سے نہ اٹھتے یہاں تک کہ فارغ ہو جاتے۔

(سنن أبی داؤد: ج ۱۰/ص ۲۰۳؛ الدرر المنتثرة: ج ۱/ص ۵؛ الاسرار المرفوعة: ص ۵۴؛ المقاصد الحسنة: ص ۳۸؛

كشف الخفاء: ج ۱/ص ۸۷؛ فتح الباری: ج ۳/ص ۲؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱/ص ۱۴۲)



(۵) أربع لا يشبعن من أربع أرض من مطر و انشی من ذکر و

عين من نظر و عالم من علم.

ترجمہ: چار کو چار سے کبھی سیرابی نہیں ہوتی، زمین کو بارش سے، مونث کو مذکر سے، آنکھ کو دیکھنے سے، اور عالم کو علم سے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ ابن جوزیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ عجلوٹیؒ اور علامہ طاہر پٹنیؒ اور حافظ ذہبی نے اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

علامہ طاہر پٹنیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ایسے راویوں سے مروی ہے، جو متہم بالوضع اور متہم بالکذب ہیں۔

امام سخاویؒ نے اس روایت کی تمام سندوں کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ روایت متعدد سندوں سے منقول ہے مگر کوئی سند مستبر نہیں ہے، کیوں کہ ہر سند میں غیر معتبر راوی پایا جاتا ہے۔

پہلی سند: جس کو حاکم نیشاپوریؒ نے اپنی کتاب ”تاریخ نیسابور“ میں اور ابو نعیمؒ

نے ”حلیہ“ میں ذکر کیا ہے جو محمد بن الفضل بن عطیہ سے گذرتی ہوئی حضرت ابو ہریرہؓ تک پہنچتی ہے مگر محمد بن الفضل پر وضع اور کذب کی تہمت ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اس کے متعلق فرمایا: ”لیس بشیء، حدیثہ حدیث اہل الکذب“۔

ترجمہ: اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس کی حدیث کا ذہین کی حدیثوں کے درجہ میں ہے۔

یحییٰ بن معینؒ نے کہا ”کان کذاباً“ اور یہی بات سعدی اور فلاس نے بھی کہی ہے۔

امام نسائیؒ نے اس کو متروک الحدیث لکھا ہے۔

ابن حبان نے کہا کہ ”کان یروی الموضوعات عن الاثبات لا یحل

کتب حدیثہ إلا علی سبیل الاعتبار“

یہ شخص ثقہ راویوں کے حوالہ سے موضوع روایات سنایا کرتا تھا جن کا لکھنا جائز نہیں، ہاں اس کی باتیں عبرت اور نصیحت لینے کی غرض سے نقل کی جاسکتی ہیں، مگر ان کو حدیث نہ سمجھا جائے۔

دوسری سند: جس کو امام عقیلیؒ نے اپنی کتاب ”الضعفاء“ میں نقل کیا ہے، جو محمد

بن الحسن بن زبالہ سے چل کر ابو ہریرہؓ پر منتهی ہوتی ہے، مگر محمد بن الحسن بن زبالہ کے متعلق یحییٰ

بن معینؒ نے بھی ”لیس بثقة“ اور کبھی ”کان کذاباً“ جیسے الفاظ لکھے ہیں؛ اور امام نسائیؒ

نے اس کو متروک الحدیث کہا ہے۔

تیسری سند: جس کو ابن عدیؒ نے ”الکامل“ میں عبد السلام بن عبد القدوس عن

ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہؓ کے طریق سے نقل کیا ہے، مگر عبد السلام کی وجہ سے یہ روایت

منکر ہے، اور ابن الجوزیؒ نے کہا کہ اس میں ایک دوسرا راوی عباس بن الولید الخلال ہے،

جس کے متعلق ابن حبان لکھتے ہیں: ”یروی العجائب لا يجوز الاحتجاج به بحال ولا كتب حديثه الا للاعتبار“۔

نیز عبدالسلام کے متعلق فرمایا کہ ”یروی الموضوعات لا يجوز الاحتجاج به“ اور آخر میں فرمایا: ”والحديث موضوع“ کہ یہ حدیث من گھڑت اور موضوع ہے۔ ابن عدیؒ لکھتے ہیں کہ ہشام سے نقل کرنے والا تنہا عبدالسلام ہی ہے کوئی متابع نہیں ہے۔

امام عقیلیؒ نے فرمایا کہ ”لا يروى هذا الكلام عن رسول الله صلى الله عليه وسلم عن جهة تثبت“ یعنی یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی معتبر سند سے ثابت نہیں۔

اس روایت کو امام ذہبیؒ نے ”میزان الاعتدال“ میں عبدالسلام بن عبدالقدوس کے ترجمہ کے تحت ذکر کیا ہے پھر حسین بن علوان الکفسی کے ترجمہ کے تحت نقل کر کے طنز کے انداز میں اس کے مکذوب ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے روایت کے آخر میں ”عالم من علم“ کے بعد ”وکذاب من کذب“ کا اضافہ کیا ہے اور حسین بن علوان کے متعلق لکھتے ہیں ”قال يحيى كذاب وقال علي ضعيف جدًا وقال ابو حاتم والنسائي والدارقطني متروك الحديث وقال ابن حبان كان يضع الحديث علي هشام وغيره وضعًا لا يحل كتب حديثه الا علي جهة التعجب، وله عن هشام عن ربيعة عن عائشة مرفوعًا، اربع لا يشبعن عن اربع قلت وكذاب من كذب.“ (میزان الاعتدال: ج ۱/ ص ۵۴۲)

یعنی: یحییٰ بن معین نے اس کو کذاب، علی بن مدینی نے ضعیف جداً، ابو حاتم، نسائی

اور دارقطنی نے متروک الحدیث کہا ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ ہشام وغیرہ کے نام حدیثیں گھڑ کر پیش کر دیا کرتا تھا، اس کی احادیث کو لینا درست نہیں؛ ہاں اظہار تعجب اور رد و قدح کے لیے اس سے تعرض کیا جاسکتا ہے، اس کی موضوعات و مکذوبات میں سے یہ روایت (اربع لا يشبعن... الخ) بھی ہے جس کو اس نے ہشام کی سند سے حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے مرفوعاً گھڑ کر چلتی کر دی ہے۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں کہ جس طرح چار کا چار سے پیٹ نہیں بھرتا اسی طرح کذاب کا کذب سے پیٹ نہیں بھرتا۔



(۶) أفضل العبادات حمزها

ترجمہ: سب سے افضل عبادت وہ ہے جو سب سے زیادہ مشقت والی ہو۔

حکم: ان الفاظ میں یہ حدیث موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، عجلوئیؒ، ابن درویشؒ، سیوطیؒ اور سخاویؒ وغیرہم اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

علامہ زرکشیؒ نے فرمایا ”لا يعرف“۔ علامہ ابن القیمؒ نے شرح المنازل میں فرمایا: ”لا اصل له“۔

امام مزنیؒ فرماتے ہیں ”هو من غرائب الاحاديث ولم يرو في شيء من كتب السنة“ یہ ایک عجیب و غریب حدیث ہے جس کا کتب حدیث میں کہیں کوئی پتہ نہیں۔ صاحب ”اسنی المطالب“ نے لکھا ہے کہ ”هو من كلام ابن عباس كما في النهاية“ یہ حدیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں، بل کہ ابن عباسؓ کا کلام

ہے۔ (اسی المطالب: ص ۵۳)

علامہ ابن الاثیرؒ کی نہایت یہ جملہ ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے (دیکھئے النہایہ فی غریب الحدیث باب الحاء مع المیم)۔ امام سخاویؒ بھی یہی فرماتے ہیں، نیز فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا ”ای الأعمال افضل“ کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”احمزھا“ یعنی سب سے افضل عمل وہ ہے جو سب سے مشکل ہو، اس سوال و جواب کے مجموعہ سے کہ ”افضل العبادات احمزھا“ والی روایت تیار ہوگئی۔

تنبیہ (۱): یہ روایت دو طرح منقول ہے۔

(الف) افضل العبادات احمزھا۔ (کشف الخفاء: ج ۱/ ص ۱۵۵)

(ب) افضل العبادة احمزھا۔ (ایضاً)

تنبیہ (۲): اس روایت کا ان الفاظ میں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت نہیں ہے مگر اس کا مضمون صحیح ہے، اور دوسرے الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت بھی ہے، مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عمرہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اجرک علی قدر نفقتک، أو علی قدر نصبک، أو علی قدر تعبک“۔

اور ایک روایت میں واؤ کے ساتھ وارد ہے ”ان لك من الاجر علی قدر

نصبک و نفقتک“۔

عبداللہ بن المبارکؒ نے حضرت سفیان ثوریؒ کا ایک قول بھی ان الفاظ میں نقل کیا

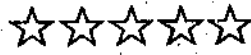
ہے: ”انما الاجر علی قدر الصبر“۔

خلاصہ: معلوم ہوا کہ روایت مذکورہ (افضل العبادات احمزھا) کلام نبویؐ تو نہیں ہے

مگر اس کا مضمون صحیح ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری احادیث سے ماخوذ ہے۔

(صحیح البخاری و مسلم؛ الاررار المرفوعة: ص ۶۱؛ كشف الخفاء: ج ۱/ص ۱۵۵، ج ۱/۴۹؛

اسنی المطالب: ص ۵۳؛ المقاصد الحسنة: ص ۶۹؛ الدرر المنتثرة للسيوطی: ج ۱/ص ۲)



(۷) اللّٰهُمَّ اَيِّدِ الْاِسْلَامَ بِاَحَدِ الْعَمْرِيْنَ

ترجمہ: اے اللہ اسلام کو قوت پہنچا، دو عمروں (یعنی عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام) میں سے کسی ایک کے ذریعہ۔

حکم: ان الفاظ میں یہ روایت موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، ملا علی قاری اور شیخ عجلوئی وغیرہم نے اس روایت کو موضوع اور بے اصل لکھا ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ”لا أصل له بهذا اللفظ“ اس حدیث کی اس لفظ کے ساتھ کوئی اصل موجود نہیں ہے ”و معنى الحديث صحيح ثابت فقد رواه الامام أحمد و الترمذی فی جامع وغیرہما عن ابن عمر مرفوعاً بلفظ ”اللّٰهُمَّ اَيِّدِ الْاِسْلَامَ بِاَحَدِ الْعَمْرِيْنَ“ اس آخری روایت میں صرف عمر کا ذکر ہے، اور عمر کی تخصیص کی وجہ یہ ہوئی کہ جب بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ ابو جہل کی تقدیر میں اسلام نہیں ہے، تو صرف حضرت عمر کے لیے دعا فرماتے تھے، اسی طرح یہ روایت ”بأحد العمرین“ کے لفظ کے ساتھ بھی مروی ہے، مگر یہ روایت بھی ثابت نہیں ہے۔

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: ”قد اشتهر هذا الحديث الآن على الألسنة بلفظ
 احب العمرين لا اصل له في شئ من طرق الحديث بعد الفحص البالغ“۔
 یعنی یہ حدیث لوگوں کی زبانوں پر ”احب العمرين“ کے لفظ کے ساتھ مشہور
 ہے، مگر تتبعِ بلغ کے بعد بھی کسی سند یا حدیث میں اس کی اصل نہیں ملی۔

۶۷ (المقاصد الحسنة: ص ۸۷؛ الدرر المنتشرة: ج ۱/ ص ۳؛ مختصر المقاصد الحسنة: ص ۶۷؛

كشف الخفاء: ص ۱۸۴؛ الاسرار المرفوعة: ص ۶۸)



(۸) اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُعَلِّمِينَ ثَلَاثًا وَّاطْلُ اَعْمَارَهُمْ

و بَارِكْ لَهُمْ فِي كَسْبِهِمْ

ترجمہ: اے اللہ معلمین کی مغفرت فرما دے (یہ دعائیں مرتبہ فرمائی) اور ان کی عمریں دراز
 کر دے اور ان کی کمائی میں برکت ڈال دے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: معلمین کے لیے دعاء مغفرت سے متعلق روایت کتب حدیث میں مندرجہ ذیل مختلف
 الفاظ میں منقول ہے، لیکن ان میں سے کوئی ایک روایت بھی ثابت نہیں ہے، جس کو امام سیوطیؒ
 نے مفصل بیان فرمایا ہے۔

(۱) ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُعَلِّمِينَ ثَلَاثًا وَّاطْلُ اَعْمَارَهُمْ وَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي كَسْبِهِمْ“
 اس کی سند میں تین راوی غیر معتبر ہیں:

اول: اصرم بن حوشب، دوم: نہشل بن سعید، یہ دونوں کذاب ہیں، اور تیسرا راوی محمد بن
 علی ہے جو مجہول ہے، اور یہ احادیث منکر کہلاتی ہیں، اس لیے یہ روایت موضوع ہے۔

(۲) اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُعَلِّمِينَ وَاطْلُ اَعْمَارَهُمْ وَاطْلُ ظِلَّهُمْ تَحْتَ ظِلِّكَ فَانَّهُمْ يَعْلَمُونَ كِتَابَكَ الْمَنْزِلَ۔

یعنی اے اللہ معلمین کی مغفرت فرما اور ان کو عمر طویل عطا کر دے اور ان کو اپنے سایہ میں جگہ نصیب فرما دے اس لیے کہ یہ لوگ آپ کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ روایت بھی موضوع ہے کیوں کہ اس میں ایک راوی ابو الطیب محمد ابن الفرغانی بن روزبہ مولی التوکل ہے جو حدیثیں وضع کیا کرتا تھا۔

(۳) عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْتَمِعُوا وَارْفَعُوا أَيْدِيَكُمْ فَاجْتَمَعْنَا وَرَفَعْنَا أَيْدِنَا ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُعَلِّمِينَ كَيْلَا يَذْهَبَ الْقُرْآنُ وَاعِزَّ الْعُلَمَاءَ كَيْلَا يَذْهَبَ الدِّينُ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! جمع ہو جاؤ اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھاؤ، چنانچہ ہم جمع ہو گئے اور ہم نے دعا کا ہاتھ بھی اٹھا لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی، ”اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُعَلِّمِينَ كَيْلَا يَذْهَبَ الْقُرْآنُ وَاعِزَّ الْعُلَمَاءَ كَيْلَا يَذْهَبَ الدِّينُ“ یعنی اے اللہ معلمین کی مغفرت فرماتا کہ قرآن نہ مٹے اور علماء کی عزت فرماتا کہ دین برباد نہ ہو۔

یہ روایت بھی موضوع ہے اس لیے کہ اس کی سند میں چار راوی ساقط الاعتبار ہیں۔

اول: سعدان بن عبد القداحی۔

دوم: اس کا شاگرد احمد بن اسحاق بن یونس یہ دونوں مجہول ہیں۔

سوم: محمد بن دینار بن داؤد الفارسی ہے جو روایت، کذب بیانی سے کیا کرتا تھا۔

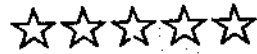
چہارم: عبید اللہ بن عبد اللہ العتقی ہے جس کے پاس منکر حدیثیں ہوا کرتی تھیں۔

(اللاکلی المصنوعة: ۱/۱۹۸)

امام سیوطی، علامہ شوکانی، علامہ عجلونی، علامہ طاہر پٹنی، ملا علی قاری، ان تمام محدثین نے ان روایات کو موضوع بتلایا ہے۔

(الفوائد المجموعة: ۱/۲۷۶؛ كشف الخفاء: ۱/۴۸؛ تذكرة الموضوعات: ۱/۹۸؛

الاسرار المرفوعة: ۱/۵۱؛ اللاکلی المصنوعة: ۱/۱۹۸)



(۹) (الف) انا عند المنكسرة قلوبهم لاجلی

(ب) انا عند المندرسه قبورهم لاجلی

ترجمہ: دونوں روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ میں ان دلوں میں رہتا ہوں جو میری نسبت پر ٹوٹے ٹوٹے سے رہتے ہیں۔

حکم: دونوں موضوع ہیں۔

تحقیق: شیخ عجلونی، ملا علی قاری اور سید بن درویش نے ان دونوں روایتوں کو موضوع قرار دیا ہے، اسنی المطالب میں ہے کہ ”ذکره الغزالی فی البدایة ولم یسنده“۔

امام غزالی نے یہ روایت ”البدایة“ میں ذکر کی ہے مگر اس کی کوئی سند ذکر نہیں فرمائی۔

(الاسرار المرفوعة: ص ۷۱؛ كشف الخفاء: ج ۱/ ص ۲۰۳/ ج ۲/ ص ۳۲۵؛ اسنی المطالب: ص ۷۹)



(۱۰) الأنبياء قادة و الفقهاء سادة و مجالستهم زيادة

ترجمہ: انبیاء قائد ہیں، فقہاء سردار ہیں اور ان کی صحبت (علم وغیرہ میں) زیادتی کا باعث ہے۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ صفائی، علامہ طیبی، ملا علی قاری، شیخ عجلونی، علامہ شوکانی، علامہ طاہر پٹنی نے اس روایت کو موضوع لکھا ہے۔

ملا علی قاری نے ”المصنوع“ میں روایت مذکورہ کو نقل فرما کر لکھا کہ ”موضوع علی مافی الخلاصہ“ یعنی یہ روایت موضوع ہے۔ ”خلاصہ“ میں ایسا ہی مذکور ہے۔
”خلاصہ“ سے مراد شیخ محقق علامہ حسین بن عبد اللہ الطیبی کی کتاب ”الخلاصہ فی معرفة الحديث“ ہے۔

اس میں علامہ طیبی نے امام صفائی کی ”الدرر الملتقط فی تبیین الغلط“ سے استفادہ کرتے ہوئے موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

تنبیہ: شیخ عبد الفتاح ابو غدہ حاشیہ المصنوع میں تحریر فرماتے ہیں کہ طبرانی کی معجم کبیر، پیشی کی مجمع الزوائد اور ابو نعیم کی حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے۔ ”المتقون سادة و الفقهاء قادة و مجالستهم زيادة“

ترجمہ: متقین سردار ہیں، فقہاء قائد ہیں اور ان کی ہم نشینی اضافہ کا سبب ہے۔

یہ کلام اپنی جگہ نہایت قیمتی، مبنی بر حقیقت اور انتہائی مفید ہے، مگر سچ یہ ہے کہ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے، حدیث نبوی نہیں ہے۔ شاید اسی کلام کو اصل بنا کر کسی نے قدرے تغیر کے ساتھ ایک جملہ تیار کیا، اور اس کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

منسوب کر دیا۔ (المصنوع مع الحاشية: ۶۱)

تنبیہ: اسی انداز کی ایک روایت علامہ ابن الجوزیؒ نے اپنی ”الموضوعات“ میں تحریر فرما کر اس کو بھی موضوع قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

”عن أنس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الأنبياء سادة أهل الجنة والعلماء قواد أهل الجنة وأهل القرآن عرفاء أهل الجنة“۔
یعنی انبیاء کرام علیہ السلام اہل جنت کے سردار ہیں، اور علماء اہل جنت کے قائد ہیں، اور اہل قرآن اہل جنت کے نمائندے ہیں۔

اس روایت کے متعلق علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ ”هذا حديث لا يصح“
یہ بھی بے اصل و بے سند ہے۔

(كشف الخفاء: ۲۰۵، تذكرة الموضوعات: ۱۸/۱؛ الخلاصة الطيبي؛

الدر الملتقط للصغاني؛ الاسرار المرفوعة: ۴۷؛ الفوائد المجموعة: ۲۸۴/۱؛ الموضوعات: ۲۵۴، ۲۵۷/۲)



(۱۱) انفق ما في الجيب يأتك ما في الغيب

ترجمہ: جیب کا خزانہ خرچ کرو تو تمہارے پاس غیب کا خزانہ آئے گا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، علامہ عجلوئیؒ اور امام سخاویؒ نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

علامہ عجلوئیؒ لکھتے ہیں کہ ”ليس بحديث لكنه يقرب من معنى الحديث

المتقدم المتفق عليه، انفق انفق عليك و قوله تعالى و ما انفقتم من شيء

فهو يخلفه“۔ (كشف: ج ۱/ ص ۲۱۲)

یہ روایت، حدیث نہیں ہے، لیکن ایک متفق علیہ حدیث انفق انفق علیک (خرچ کرو تو میں تمہارے اوپر خرچ کروں گا) اور آیت کریمہ: و ما انفقتم من شیء فہو ینخلفہ (جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کا بدل تم کو عطا فرمائیں گے) سے اس روایت کا مضمون ملتا جلتا ہے۔

علامہ عجلاویؒ نے یہ بھی لکھا کہ یحییٰ بن معاذ رازی کسی سفر میں خرچ کے تعلق سے متفکر تھے کسی ہاتف غیبی نے آواز دی جس کو ان کے قلب نے محسوس کیا کہ ”انفق ما فی الجیب نعطیک من الغیب“ ملا علی قاریؒ نے بھی ”الاسرار المرفوعة: ج ۱/ ص ۷۲“ میں یہی بات لکھی ہے: ”لا اصل لمبناہ ولكن معناه صحیح“۔

یعنی ان الفاظ میں یہ روایت تو حدیث نہیں ہے، لیکن اس کا مضمون صحیح ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۱۰۵؛ الاسرار المرفوعة: ص ۷۲؛ كشف الخفاء: ج ۱/ ص ۲۱۲)



(۱۲) ان أهل الجنة ليحتاجون إلى العلماء في الجنة
وذلك انهم يزورون الله في كل جمعة فيقول تمنوا على
ما شئتم فيلتفتون إلى العلماء فيقولون ماذا نتمنى على ربنا
فيقولون كذا وكذا فهم يحتاجون إليهم في الجنة كما
يحتاجون إليهم في الدنيا

ترجمہ: بے شک اہل جنت جنت میں بھی علماء کرام کے محتاج ہوں گے، ہر جمعہ کو جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی، اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے اہل جنت! تمہارے جی میں جو

آئے مجھ سے مانگ لو، سارے لوگ علماء کی طرف رجوع کریں گے اور ان سے سوال کریں گے اب ہم اپنے رب سے کس نعمت کی تمنا کریں، تو یہ علماء ان کی رہنمائی فرمائیں گے کہ فلاں فلاں نعمت کا سوال کرو پس عوام جس طرح دنیا میں علماء کے محتاج ہیں جنت میں بھی ان کے محتاج ہوں گے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، ابن السید درویشؒ، شیخ عجلوئیؒ، علامہ البانیؒ، علامہ پٹنیؒ، امام ذہبیؒ وغیرہم نے اس حدیث کے موضوع ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

شیخ البانیؒ ”سلسلة الاحادیث الضعيفة: ۱۵۷/۷“ میں لکھتے ہیں:

”أخرجه الديلمي وابن عساكر وابن الدواليبي في فضل العلم و فضل حملته من طريق مجاشع بن عمرو عن محمد بن الزبير قان عن مقاتل ابن حيان عن الزبير عن جابر بن عبد الله مرفوعاً“.

قلت: وهذا اسناد موضوع، آفته مجاشع هذا، قال ابن معين قد رأيت أحد الكذابين.

قلت: وذكر له في ”الميزان“ و ”اللسان“ من موضوعاته هذا الحديث. و من العجائب ان السيوطي اورد هذا الحديث في ”الجامع الصغير“ من رواية ابن عساكر مع انه اوردہ ايضاً في ”ذيل الأحاديث الموضوعة“ من طريق الديلمي وقال عقبه قال في ”الميزان“ هذا موضوع و مجاشع قال فيه ابن معين أحد الكذابين“. (السلسلة الضعيفة: ۱۹۶/۶)

یعنی: اس روایت کو دیلمیؒ، ابن عساكر اور ابن دوالیبی نے علم اور اہل علم کی فضیلت

کے تحت ذکر کیا ہے، اور اس کی سند اس طرح بیان کی ہے ”مجاشع بن عمرو عن محمد بن الزبرقان عن مقاتل ابن حیان عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد اللہ مرفوعاً“ میں (البانی) کہتا ہوں کہ یہ من گھڑت سند ہے اور اس میں آفت مجاشع ہے۔ ابن معین نے کہا میں اس کو ”کذابین“ میں سمجھتا ہوں اسی طرح یہ روایت ”میزان الاعتدال“ اور ”لسان المیزان“ میں موضوعات میں شمار کی گئی ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ امام سیوطی نے ”الجامع الصغیر“ میں اس حدیث کو ابن عساکر کی سند سے ذکر فرمایا ہے، اور دیلمی کے حوالہ سے ”ذیل الأحادیث الموضوعه“ میں اس حدیث کو لکھنے کے بعد کہتے ہیں کہ علامہ ذہبی نے اس حدیث کو میزان میں موضوع کہا؛ اس کی سند میں مجاشع ہے جس کے بارے میں یحییٰ بن معین نے بتلایا کہ وہ کذابین میں سے ایک کذاب ہے۔

اسی طرح شیخ البانی نے ”صحیح وضعیف الجامع الصغیر: ۸۹/۱۱“

پر بھی اس روایت کو موضوع بتلایا ہے۔

شیخ ابن السید درویش بھی ”اسنی المطالب: ۶۵“ میں لکھتے ہیں:

”فیہ مجاشع بن عمرو قال یحیٰ هو احد الکذابین وقال الذہبی

موضوع راوی کتاب الاہوال والقیامۃ وکلہ کذب“۔

یعنی اس میں مجاشع بن عمرو ہے جس کے بارے میں ابن معین نے کہا ہے کہ جھوٹوں

میں سے ایک ہے۔..... حافظ ذہبی نے بھی موضوع کہا ہے۔..... کتاب الاہوال والقیامۃ کو

روایت کرنے والا شخص ہے جو پوری کی پوری جھوٹ ہے۔

شیخ عجلوٹی اور شیخ طاہر پٹی نے بھی اس حدیث کو نقل فرما کر لکھا ہے کہ ”قال القاری

ذکر فی المیزان انه موضوع“۔

یعنی: ملا علیؒ کا کہنا ہے کہ امام ذہبیؒ نے یہ روایت میزان الاعتدال میں ذکر کی ہے اور فرمایا کہ یہ روایت موضوع ہے۔

الغرض! یہ روایت موضوع ہے، اس کی سند میں مجاشع بن عمرو واقع ہے جس کو ابن معین نے کذاب، عقیلی نے ”حدیثہ منکر“ اور امام بخاریؒ نے ”منکر مجہول“ کہا ہے۔

(السلسلة الضعيفة: ۱۹۶/۶؛ اسنی المطالب: ۶۵؛ المصنوع: ۶۴؛

میزان الاعتدال: ۴۳۶/۳؛ تذکرۃ الموضوعات: ۱۸/۱)



(۱۳) ان العالم والمتعلم إذا مرا على قرية فان الله تعالى

يرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية أربعين يوماً

ترجمہ: دین کے کسی عالم یا متعلم کا کسی بستی پر گزر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بستی کے قبرستان سے چالیس دن کے لیے عذاب اٹھا لیتے ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ عجلوٹی، ملا علی قاریؒ اور امام سیوطیؒ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ ”لا أصل له“ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

(المصنوع: ص ۶۵؛ الاسرار المرفوعة: ص ۷۴؛ كشف الخفاء: ج ۱/ ص ۲۵۶)

(۱۴) إن الله يقبل الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم

اس کی تحقیق کے لیے دیکھئے: ”الصلوة على النبي لا ترد“ حدیث نمبر ۳۸۔



(۱۵) (الف) ان لله مدينة تحت العرش من مسك اذفر
 علی بابها تلک ینادی کل یوم ألامن زار عالمًا فقد زار الرب
 و من زار الرب فله الجنة.

(ب) ان لله مدينة تحت العرش من مسك اذفر علی بابها
 تلک ینادی کل یوم الامن زار العلماء فقد زار الأنبياء.

ترجمہ: عرش کے نیچے عمدہ مشک سے سجا ہوا اللہ تعالیٰ کا ایک شہر ہے جس کے
 دروازے پر روزانہ آواز دی جاتی ہے کہ جس شخص نے کسی عالم کی زیارت کی اس نے اللہ
 تعالیٰ کی زیارت کی، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی اس کو جنت نصیب ہوگئی۔
 اور دوسری روایت میں ہے کہ جس نے علماء کی زیارت کی اس نے انبیائے کرام کی
 زیارت کی۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ عجلوئیؒ نے (کشف الخفاء: ۱/۲۵۳) میں اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا
 ہے اور لکھا ہے کہ ”کذب موضوع کما نقله ابن حجر المکی عن السيوطي“
 یعنی یہ روایت موضوع اور جھوٹ ہے، ابن حجر مکیؒ نے امام سیوطیؒ سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔



(۱۶) ان المیت یری النار فی بیتہ سبعة أيام

ترجمہ: مردہ اپنے گھر میں سات دن تک آگ دیکھتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام احمد، امام سخاوی، ملا علی قاری، ابن السید درویش، امام سیوطی، شیخ عجلونی، شیخ ابن عبدالباقی الزرقانی۔ نے اس روایت کو موضوع لکھا ہے۔

امام سخاوی نے اس کو موضوع اور باطل قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

”قال البيهقي في مناقب الإمام: قال أحمد ابن منيع: سئل عنه

أحمد فقال باطل لا أصل له، وهو بدعة، قلت و ينظر معناه، وقد أخرجه

ابوداؤد في سننه عن عائشة قالت: لم مات النجاشي كنا نتحدث انه لا يزال

على قبره نور“.

یعنی امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے مناقب میں امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا

ہے کہ ابن منیع نے بتلایا کہ امام احمد سے روایت مذکورہ کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ یہ

روایت باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور یہ ایک نوپید روایت ہے۔ میں (سخاوی) کہتا

ہوں کہ اس روایت کے مفہوم میں غور کرنا چاہیے۔..... امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں نقل کیا

ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جب نجاشی کا انتقال ہوا اور دفن کر دیئے گئے تو ہمارے

درمیان اس بات کا چرچا رہا کہ ان کی قبر پر مسلسل نور سایہ فگن رہا۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں:

”قال المنوفی: کلام مظلّم، و واضعه مجرم، قبح اللّٰه من وضعه، و

لا برد مضجعه۔“

یعنی شیخ منوفی نے اس روایت کے متعلق فرمایا کہ یہ ظلمت آلود کلام ہے، اس کا وضع کرنے والا مجرم ہے، اللہ اس کو رسوا کرے جس نے اس کو وضع کیا ہے اور اس کی قبر کو ٹھنڈی نہ کرے۔

امام سیوطی نے بھی ”الدرر المنتشرة“ میں یہی لکھا ہے کہ ”قال أحمد: باطل

لا اصل له“ امام احمد نے فرمایا کہ یہ باطل اور بے اصل ہے۔

روایت کا مطلب کیا ہے؟ اس کے متعلق امام سخاویؒ تو صرف اتنا کہہ کر گذر گئے کہ

”ينظر معناه“ اس کی مراد میں غور کیا جائے، لیکن شیخ عجلوئیؒ نے لکھا کہ ”واقول لعل

المراد ببיתه قبره“۔

یعنی بیت سے مراد قبر ہے اور مطلب یہ ہے کہ میت اپنی قبر میں سات دن تک آگ

دیکھتا ہے اور غالباً امام سخاویؒ کے خیال میں بھی یہی مراد ہے اسی لیے اس کی تردید میں قبر پر

نازل ہونے والے نور کا ذکر فرمایا، اور حدیث عائشہؓ سے اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

(الدرر المنتشرة: ۱/۲۳؛ المقاصد الحسنة: ۱۳۰؛ كشف الخفاء: ۱/۲۵۵؛ مختصر المقاصد: ۷۷؛

اسنی المطالب: ۷۳؛ الأسرار المرفوعة: ۸۰؛ المصنوع: ۶۹؛ سنن ابو داؤد)



(۱۷) عن ابن عمر قيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم أين

الله في الأرض أو في السماء؟ قال في قلوب عباده المؤمنين.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اللہ

کہاں ہے زمین میں یا آسمان میں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ مومن

بندوں کے قلوب میں ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے امام غزالیؒ نے ”احیاء علوم الدین“ میں ذکر کی ہے، مگر علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ ”لم ارلہ اصلاً“ یعنی مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔

حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث بے سند اور بے اصل ہے۔ (تخریج أحادیث الأحياء: ۶/۳)

☆☆☆☆☆

(۱۸) البطنة أصل الداء و الحمية أصل الدواء
اس کی تحقیق کے لیے دیکھئے ”المعدة بيت كل داء“ حدیث نمبر ۷۱۔

☆☆☆☆☆

(۱۹) البطنة تذهب الفطنة

ترجمہ: شکم پُری قوت فہم کو کمزور کر دیتی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلوئیؒ اور صاحب اسنی المطالب وغیرہم؛ اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت نہیں ہے، بل کہ صحابی حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے یہ کلام منقول ہے۔

ملا علی قاریؒ ”الاسرار المرفوعة“ میں لکھتے ہیں: ”لیس له اصل فی میناه

و هو عن عمرو بن العاص وغیره من الصحابة فمن بعدهم بمعناه“۔

اور ”المصنوع“ (ص ۷۷) میں لکھتے ہیں: ”لیس بحديث انما هو من كلام عمرو بن العاص وغيره“۔

”اسنی المطالب“ ص ۹۱ میں ہے ”هو اثر ليس بحديث“۔

(اللؤلؤ المصنوع: ج ۱/ ص ۶۲؛ المقاصد الحسنة: ص ۱۴۵؛

اسنی المطالب: ص ۹۱؛ المصنوع: ص ۷۷؛ كشف: ج ۱/ ص ۲۸۶)



(۲۰) التائب حبيب الله

ترجمہ: توبہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا پیارا ہوتا ہے۔

حکم: ان الفاظ میں یہ روایت موضوع ہے۔

تحقیق: اس روایت کو امام غزالیؒ نے احیاء میں نقل فرمایا ہے، مگر علامہ عراقیؒ نے اس کی تخریج میں فرمایا کہ بعینہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے، کتب حدیث میں اس کا کوئی پتہ و نشان نہیں، ہاں اس سے قدرے میل کھاتی ہوئی روایتیں ملتی ہیں مثلاً:

(الف) ان الله يحب الشاب التائب رواه ابن أبي الدنيا و أبو الشيخ عن انس رضي الله تعالى عنه.

یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ نوجوانی میں توبہ کرنے والے کو محبوب رکھتے ہیں۔

(ب) ان الله يحب العبد المؤمن المفتن التواب.

یعنی: بیشک اللہ تعالیٰ اس مومن بندے سے محبت کرتے ہیں جو حالات و ابتلاات

سے دوچار ہو اور توبہ کرنے والا ہو۔ (رواہ عبد اللہ بن أحمد فی زوائد المسند و أبی یعلیٰ)

ان دونوں حدیثوں سے روایت مذکورہ کے مضمون پر روشنی پڑتی ہے مگر یہ روایت

حدیث نبوی نہیں ہے؛ اور یہ دونوں حدیثیں بھی ضعیف سند سے مروی ہیں۔

(تخریج الاحیاء: ج ۴/ص ۲)

شیخ البانی ”سلسلة الأحادیث الضعيفة: ۱/۱۷۲“ میں لکھتے ہیں۔

”لا اصل له بهذا اللفظ وقد أورده الغزالي في الاحياء جازماً بنسبته إلى النبي صلى الله عليه وسلم وقال الشيخ تاج الدين السبكي في الطبقات لم اجد له اسناداً“ . (السلسلة الضعيفة: ۱/۱۷۲)

یعنی: اس لفظ میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں یقین کے ساتھ اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے، مگر شیخ تاج الدین سبکیؒ نے ”الطبقات“ میں لکھا ہے کہ مجھے اس حدیث کی کوئی سند نہیں ملی۔



(۲۱) (الف) تفکر ساعة خیر من عبادة سنة

(ب) فکر ساعة خیر من عبادة ستین سنة

یعنی تھوڑی دیر غور و فکر میں رہنا ایک سال (یا ساٹھ سال) کی عبادت سے بہتر ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: شیخ عجلوٹی، ملا علی قاریؒ، شوکانیؒ اور ابن الجوزیؒ یہ تمام محدثین اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں ”لیس بحديث انما هو من كلام السري السقطي رحمه الله“۔ یہ روایت حدیث نبوی نہیں ہے، بل کہ شیخ سقطی البغدادیؒ کا کلام ہے۔

(المصنوع: ۸۲)

علامہ شوکانی لکھتے ہیں ”رواہ أبو الشیخ عن أبی ہریرۃ مرفوعاً و فی اسنادہ عثمان بن عبد اللہ القرشی واسحاق بن نجیح الملطی کذابان و المتہم بہ احدهما و قد رواہ الدیلمی من حدیث انس من وجہ آخر“۔

(الفوائد المجموعۃ: ۲۴۲)

یعنی اس روایت کو ابو الشیخ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ اس کی سند میں عثمان بن عبد اللہ القرشی اور اسحاق بن نجیح الملطی دونوں کذاب ہیں؛ ان میں سے ایک اس حدیث کے وضع میں متہم ہے۔

شیخ عراقی تخریج احیاء میں لکھتے ہیں کہ شیخ ابو المنصور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً یہ روایت ذکر کی ہے، جس میں ستین سنہ کے بجائے ثمانین سنہ کا لفظ وارد ہے، مگر اس کی اسناد بہت ہی زیادہ ضعیف ہیں۔

تخریج احادیث احیاء؛ کشف الخفاء: ج ۲/ ص ۳۶۹؛ الموضوعات: ج ۳/ ص ۱۴۴؛

الاسرار: ص ۹۷؛ المصنوع: ص ۸۲؛ الفوائد المجموعۃ: ج ۱ ص ۲۴۲

تنبیہ (۱): روایت مذکور کا حدیث ہونا تو ثابت نہیں، البتہ خود تفکرِ خیر کا خیر ہونا اپنی جگہ مسلم اور ثابت ہے۔

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ کسی عمل کے وجود میں آنے کے لیے کل تین مراحل ہیں: اول تفکر، دوم علم، سوم حال، ان مراحل سے گذر کر آدمی عمل کا اقدام کرتا ہے، اسی بنیاد پر تفکرِ خیر کی اسلام میں بہت ہی اہمیت ہے، قرآن و حدیث میں جگہ جگہ اس کی دعوت دی گئی ہے۔

تنبیہ (۲): تفکر کی اہمیت پر مشتمل کئی دوسری روایات وارد ہیں، جو گرچہ ضعیف سند کے ساتھ ہیں مگر ثابت ہیں۔

(الف) عن عبد الله بن سلام قال خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم على ناس من اصحابه وهم يتفكرون في خلق الله، فقال لهم فيما كنتم تفكرون؟ قالوا: نتفكر في خلق الله، قال وتفكروا في خلق الله، فان ربنا خلق ملكا قدماه السابعة السفلى و رأاه قد جاوز أسماء العليا من بين قدميه إلى كعبه مسيرة ستمائة عام، وما بين كعبيه إلى اخمص قدميه مسيرة ستمائة عام، الخالق اعظم من الخلق. (رواه ابو نعيم في الحلية، المقاصد: ص ۱۵۹)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن سلام سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ میں سے چند لوگوں کے پاس سے گذر ہوا، وہ اللہ کی مخلوق کے بار میں سوچ رہے تھے، آپ نے ان سے فرمایا: کس چیز کے بارے میں تم سوچ رہے تھے؟ صحابہ نے کہا اللہ کی مخلوق کے متعلق سوچ رہے تھے، آپ نے فرمایا اللہ کی مخلوق کے تعلق سے غور و فکر کیا کرو کیوں کہ ہمارے رب نے ایک ایسا فرشتہ پیدا کیا ہے جس کے دونوں پیر کے نیچے ساتویں زمین ہے اور اس کا سر آسمان بریں سے متجاوز ہے، اس کے پیر سے ٹخنوں تک کی مسافت چھ سو سال کی ہے، اور ٹخنوں سے تلوؤں تک کی مسافت (بھی) چھ سو برس کی ہے؛ خالق مخلوق سے بڑا ہے۔

(ب) عن ابن عمر مرفوعاً (ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال تفکروا فی آلاء اللہ ولا تفکروا فی اللہ“ رواہ الطبرانی فی الاوسط و البیہقی فی الشعب . (المقاصد الحسنة: ۱۵۹) اس کی سند میں وارع بن نافع ہے اور وہ متروک ہے۔ (مجمع الزوائد: ج ۱/ ص ۸۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے متعلق غور و فکر کرتے رہا کرو، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں نہ سوچا کرو۔

(ج) عن ابن عباس "انه صلى الله عليه وسلم خرج على اصحابه

فقال ما جمعكم فقالوا اجتمعنا نذكر ربنا ونتفكر في عظمته فقال تفكروا

في خلق الله فانكم لن تقدروا قدره". رواه ابو نعيم. (المقاصد الحسنة: ص ۱۵۹)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے پاس

سے گزرے تو پوچھا کہ کیوں اکٹھا ہوئے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم لوگ جمع ہو کر

اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کے تعلق سے غور و فکر کر رہے تھے؛ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کی

مخلوق کے متعلق سوچا کرو، اللہ تعالیٰ کی قدر و منزلت تک تمہاری عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

(د) حضرت ابن عباسؓ سے موقوفاً بھی اس قسم کی روایت منقول ہے یعنی ابن عباس

کا قول ہے "تفكروا في كل شيء ولا تفكروا في الله". (المقاصد الحسنة: ص ۱۵۹)

ترجمہ: ہر چیز کے بارے میں سوچا کرو لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں نہ

سوچا کرو۔

(ھ) حضرت ابن عباسؓ اور ابو الدرداءؓ کا ایک اور اثر مروی ہے، جس کو خطابی نے

نقل کیا کہ ان حضرات نے فرمایا کہ فكرة ساعة خير من قيام ليلة. (الاسرار: ص ۹۷)



(۲۲) الجزاء من جنس العمل

ترجمہ: عمل کا بدلہ عمل کی جنس سے چکایا جاتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ ابن الدیجؒ، شیخ عجلوئیؒ، صاحب اسنی المطالبؒ اور صاحب مختصر المقاصد شیخ ابن عبد الباقی الزرقائیؒ ان تمام محدثین نے اس روایت کے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: قال السخاوی: لم اقف عليه بهذا اللفظ ويشير إليه قوله تعالى: "وان عاقبتهم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به" وجزاء سيئة سيئة؛ و كما تدین تدان۔

امام سخاویؒ نے فرمایا کہ میں ان الفاظ میں اس حدیث سے واقف نہیں، یعنی یہ حدیث موضوع ہے، آیت کریمہ: "وان عاقبتهم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم" (اور اگر تم سزا دو تو اسی انداز میں سزا دو جس انداز میں تم کو سزا دی گئی ہے۔ اور "جزاء سيئة سيئة" (برائی کا بدلہ برائی ہے) اور حدیث شریف: "كما تدین تدان" (جیسا کرو گے ویسا تمہارے ساتھ کیا جاوے گا) ان نصوص سے روایت مذکورہ بالا (الجزاء من جنس العمل) کے مضمون کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

"كشف الخفاء: ۱/۳۳۲" میں ہے: "قال في التمييز لم اقف عليه بهذا

اللفظ۔"

یعنی شیخ ابن الدبیجؒ نے بھی ”تمییز الطیب من الخبیث“ میں یہی فرمایا کہ میں اس لفظ کے ساتھ کوئی حدیث نہیں جانتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ روایت احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا التحیۃ کی قبیل سے نہیں ہے، لیکن اس کا مضمون درست ہے، جو قرآن پاک کی بعض آیات اور بعض احادیث کے مطابق ہے۔

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول بھی اسی کے ہم معنی منقول ہے جس کو ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ”الناس مجزیون باعمالہم ان خیرا فحیر وان شرا فشر“۔

یعنی: لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا ان کے اعمال بھلے ہوں گے تو بدلہ بھی بھلی شکل میں ہوگا اور اگر اعمال برے ہوں گے تو بدلہ بھی بری صورت میں ظاہر ہوگا۔

(المقاصد الحسنۃ: ۱۷۳؛ الاسرار المرفوعۃ: ۱۰۳؛ اسنی المطالب: ۱۰۱؛

کشف الخفا: ۱/۳۳۲؛ مختصر المقاصد: ۹۲)



(۲۳) حب الوطن من ایمان

ترجمہ: وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، زرکشیؒ، سخاویؒ، عجلونیؒ، صفائیؒ، سیوطیؒ اور علامہ بیہقیؒ وغیرہم ان تمام حضرات کے نزدیک یہ روایت من گھڑت ہے اصل اور بے سند ہے۔

ما علی قاری ”الاسرار المرفوعة“ میں لکھتے ہیں: ”قال الزرکشی: لم اقف علیہ، و قال السید معین الدین الصفوی لیس بثابت، قال السخاوی لم اقف علیہ و معناه صحیح، و قال المنوفی: ما ادعاه من صحة معناه عجیب، و قال الصغانی موضوع و قال العجلونی: و قال النجم ”لیس بحديث“ و قال السیوطی فی الدرر المنتشرة فی الأحادیث المشتهرة: ج ۱ / ص ۹ / لم اقف علیہ“۔

یعنی: امام زرکشیؒ نے فرمایا کہ مجھے اس حدیث کی خبر نہیں۔..... سید معین الدین صفویؒ نے کہا کہ ثابت نہیں ہے۔..... امام سخاویؒ نے فرمایا کہ میں اس حدیث سے واقف نہیں لیکن اس کا مضمون صحیح ہے۔..... شیخ منوفیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے مضمون کی صحت کا دعویٰ کرنا ایک عجیب بات ہے۔..... امام صفائیؒ نے اس کو موضوع کہا ہے۔..... اور شیخ عجلونیؒ نے لکھا کہ شیخ النجم نے فرمایا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔..... امام سیوطیؒ نے فرمایا مجھے اس حدیث کی خبر نہیں۔

خلاصہ: یہ کہ ”حب الوطن من الایمان“ کلام نبوی نہیں ہے، اور اس مضمون کی کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد نہیں فرمائی ہے، رہ گئی یہ بات کہ اس کا مضمون صحیح ہے تو یہ بھی مختلف فیہ ہے، جیسا کہ معلوم ہوا کہ امام سخاویؒ اور شیخ منوفیؒ کے درمیان اس میں اختلاف ہے، مگر اس کے موضوع اور من گھڑت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

لہذا ایسی روایت کے بیان کرنے سے بچنا واجب ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۱۸۳؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱۰۹؛ المصنوع: ص ۹۹؛ موضوعات الصغانی: ج ۱ / ص ۲؛

الدرر المنتشرة: ج ۱ ص ۹ / كشف الخفاء: ج ۱ / ص ۳۴۵؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱ / ص ۱۱)



(۲۴) حب الہرة من الإيمان

ترجمہ: بلی کی محبت ایمان کا جزو ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، علامہ طاہر پٹنی، علامہ عجلونی، شیخ ابن السید درویش، ابن الخلیل طرابلسی اور علامہ ابوالفضل مقدسی نے موضوع قرار دیا ہے۔

(موضوعات الصنعانی: ۱/۲؛ الأسرار المرفوعة: ص ۱۱۱؛ المصنوع: ص ۹۱؛

تذکرۃ الموضوعات: ج ۱/ص ۱۱؛ کشف الخفاء: ج ۱/ص ۳۴۷؛ اسنی المطالب: ص ۱۰۳؛

اللؤلؤ والمرصوع: ج ۱/ص ۷۲؛ تذکرۃ الموضوعات للمقدسی: ۱/۵۴)

الاسرار المرفوعة میں ہے: موضوع کما قال الصغانی وغیرہ و قد

بسطت علیہ بعض الکلام فی رسالۃ مستقلة لتحقيق المرام، و الصحيح فی
تقديره ”من خصال أهل الإيمان“ و هو لا ینافی ما اتصف به بعض أهل

الکفران کسائر مکارم الاحسان ولا یقدر من علامة الإيمان. (ص ۱۱۱)

یعنی: ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ موضوع ہے جیسا کہ صغانیؒ وغیرہ کی تحقیق ہے، میں

نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس کی صحیح تقدیر عبارت ہے: ”من خصال أهل

الإيمان“ (بلی سے محبت کرنا اہل ایمان کے اخلاق میں سے ہے) اب اگر بعض اہل کفر اس

سے متصف ہوں تو اس میں کوئی منافاة نہیں ہے، جس طرح دیگر احکام اخلاق کے وہ

اصلاً مومنین کے خصال میں سے ہیں مگر کفار بھی اس سے متصف ہوتے ہیں۔ یہاں ”من

علامة الإيمان“ مقدر نہیں مانا جائے گا۔

(۲۵) الحبيب لا يعذب حبيبه

ترجمہ: دوست اپنے دوست کو تکلیف نہیں دیتا ہے۔

حکم: ان الفاظ میں یہ روایت موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاری، شیخ عجلونی اور امام سخاوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ لکھتے ہیں کہ ”ما علمته في المرفوع و لكن قد يشير إليه قوله

تعالیٰ ”وقالت اليهود والنصارى نحن أبناء الله وأحباءه قل فلم يعذبكم بذنوبكم“۔ (مائدہ: آیت ۱۸)

یعنی: مجھے اس کا حدیث نبوی ہونا معلوم نہیں مگر آیت پاک: ”وقالت اليهود والنصارى نحن أبناء الله وأحباءه قل فلم يعذبكم بذنوبكم“ سے اس کے مضمون کا اشارہ ملتا ہے۔ یعنی یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تو اے نبی! آپ ذرا ان سے پوچھئے کہ پھر اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے جرائم کی سزا کیوں دیتا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ روایت حدیث تو نہیں ہے، مگر آیت مذکورہ سے اس روایت کے مضمون کا صحیح ہونا سمجھ میں آتا ہے کیوں کہ آیت میں یہ بتلایا گیا؟ اگر یہود و نصاریٰ اپنے دعویٰ و خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو تکلیف نہ دیتا یعنی کوئی دوست اپنے دوست کو تکلیف نہیں دیا کرتا اور یہی بات روایت مذکورہ ”الحبيب لا يعذب حبيبه“ میں بھی کہی گئی ہے۔

ملا علی قاریؒ نے بھی امام سخاویؒ کے حوالہ سے یہی بات کہی ہے کہ اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں مگر اس کا مضمون صحیح ہے۔

امام عجلوٹی نے کشف الخفاء میں دو روایتیں ذکر فرمائی ہیں جو مضمون کی صحت کو بتلاتی ہیں۔

(الف) عن انس مر النبي صلى الله عليه وسلم في نفر من اصحابه، و صبي في الطريق، فلما رأت امه القوم خشيت على ولدها ان يوطأ، فاقبلت تسعى و تقول ابني ابني! فسعت فأخذته، فقال القوم: يا رسول الله ما كانت هذه لتلقى ولدها في النار، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لا، والله ولا يلقي حبيب حبيبه في النار. (مسند احمد)

یعنی: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ایک جگہ سے گزر رہے تھے راستہ میں ایک بچہ تھا، اس کی ماں نے جب لوگوں کا ہجوم دیکھا تو دوڑ کر اس کو بچانے کے لیے آئی کہ کوئی اس کو کچل نہ دے، اور کہنے لگی یہ میرا بیٹا ہے میرا بیٹا! اور لپک کر اس کو گود میں لے لیا، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ خاتون اپنے بچہ کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”و لا یلقى حبيب حبيبه في النار“ کوئی دوست اپنے دوست کو آگ میں ہرگز نہیں ڈالتا۔

(ب) عن الحسن مرسلاً.....

والله لا يعذب الله حبيبه ولكن قد يتليه في الدنيا۔ (الزهد لإمام احمد)
یعنی: حضرت حسن بصریؒ سے مرسل منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو عذاب نہیں دیتے لیکن کبھی کبھی اس دنیا میں اس کی آزمائش ضرور فرماتے ہیں۔

(المقاصد الحسنة: ص ۱۸۲؛ کشف الخفاء: ج ۱/ ص ۳۴۴؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱۰۸)



(۲۶) حسنوا نوافلکم فیہا تکمل فرائضکم

ترجمہ: اپنی نفل نمازیں سنوار کر پڑھو کیوں کہ ان ہی کے ذریعہ تمہارے فرائض کی کمی پوری کی جائے گی۔

حکم: ان الفاظ میں یہ روایت موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاری، شیخ عجلوئی اور علامہ سخاوی وغیرہم نے اس کو بے اصل اور بے سند قرار دیا ہے۔

ملا علی قاری الاسرار: ص ۱۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں: ”لا اصل له بهذا المبنى

و ان كان يصح في المعنى“ ان الفاظ میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے مگر معنی و مضمون صحیح ہے۔ اور المصنوع: ص ۹۴ پر فرماتے ہیں: ”لا أصل له بهذا اللفظ“۔

اس کے حاشیہ میں شیخ عبدالفتاح لکھتے ہیں کہ ملا علی قاری کی عبارت میں اشارہ ہے کہ اس کا مضمون حدیث میں وارد ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے، کیوں کہ حضرت تمیم داریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلفا شاد فرمایا:

”اول ما يحاسب به العبد يوم القيامة صلواته فان كان اتمها كتبت له تامة وان لم يكن له اتمها قال الله تعالى لملائكته انظروا هل تجدون لعبدي من تطوع فتكملون بها فريضة ثم الزكاة كذلك ثم سائر الاعمال على حسب ذلك“۔ (رواه الإمام احمد وابوداؤد، وابن ماجه وغيرهم؛ المصنوع: ص ۹۴)

یعنی: قیامت کے دن سب سے پہلے بندوں کی فرض نماز کا حساب ہوگا اگر وہ پوری ثابت ہوئی تو پوری لکھ دی جائے گی اور اگر ناقص نکلی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے کہ

دیکھو! میرے بندے کے پاس کوئی نفلی ذخیرہ ہے یا نہیں؟ اگر ہوگا تو اس کے ذریعہ سے اس کی فرض نمازوں کی کمی پوری کی جائے گی، پھر زکوٰۃ اور دوسرے اعمال کا بھی اسی انداز پر حساب ہوگا۔

اسی طرح امام دیلمیؒ نے ”عبد اللہ بن یزید الفلیثی عن ابیہ عن جدہ“ کی سند سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”النافلة هادية المؤمن إلى ربه فليحسن أحدكم هديته و ليطيبها“۔

یعنی: نفلی عبادت مومن کی طرف سے حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں ہدیہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے ہر شخص کو اپنا یہ ہدیہ سجا، سنوار کر پیش کرنا چاہیے۔

ان تمام نقول و نصوص سے معلوم ہوا کہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے اور احادیث سے ثابت ہے کہ نوافل سے فرائض کی کمی پوری کی جائے گی مگر ”حسنوا نوافلکم فیہا تکمل فریضتکم“ کا کلام نبوی ہونا ثابت نہیں ہے۔

(الأسرار المرفوعة: ص ۱۱۳؛ المصنوع: ص ۹۴؛ المقاصد الحسنة: ص ۱۸۸؛ كشف الخفاء ج ۱/ ص ۳۵۸)



(۲۷) الخمول نعمة و کل یا باہا

ترجمہ: گنہگار ایک نعمت ہے مگر ہر شخص اس کو ناپسند کرتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلونیؒ یہ حضرات اس کے موضوع ہونے کی تصریح کرتے ہیں، کشف الخفاء میں ہے: ”ایس بحديث و انما هو عن بعض السلف. ثم ثبت معناه عند أحمد و مسلم عن سعد مرفوعاً ان الله يحب العبد التقي“

الغنی الخفی“۔ (کشف الخفاء: ۱/۳۸۳)

یعنی ”الخمول نعمة وکل یا باہا“ حدیث نہیں ہے، اسلاف میں کسی کا قول ہے۔
ہاں خمول (گنّامی) کے متعلق ایک حدیث مرفوعہ امام احمد اور امام مسلم نے ذکر فرمائی ہے وہ ثابت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کو محبوب رکھتے ہیں جو متقی ہو، غنی ہو اور گنّام ہو۔

تنبیہ: اسی کے قریب ایک دوسری روایت اس طرح مشہور ہے ”الخمول راحة و الشهرة آفة“ یعنی گنّامی راحت ہے اور شہرت آفت ہے، مگر یہ روایت بھی حدیث نہیں ہے، بل کہ کلام مشائخ کے قبیل سے ہے۔

شیخ عجلوٹی اور ملا علی قاریؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، کشف الخفاء میں ہے کہ ابن الغرسؒ نے فرمایا کہ میں نے بعض تعلیقات میں یہ زیادتی پائی ”والشہرة نقمة وکل یتوخواھا“ یعنی شہرت مصیبت ہے لیکن ہر ایک اس کا دیوانہ ہے، مگر یہ بھی حدیث مرفوعہ نہیں ہے، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ احادیث میں اور اسلاف کے کلام میں شہرت اور اس کی طلب سے بچنے کی تاکید وارد ہے۔

ابراہیم بن ادہمؒ کے منعلق ہے ”کان یتحرى الخفاء و یهرب من الشهرة“ یعنی گنّام رہنے کی فکر کرتے تھے اور شہرت سے بھاگتے تھے، نیز ان ہی کا یہ ملفوظ بھی ہے کہ ”حب لقاء الناس من حب الدنيا و ترکهم من ترک الدنيا“ لوگوں سے ملاقات کی محبت، دنیا کی محبت کا ایک حصہ ہے، اور لوگوں سے ملاقات کا ترک، دنیا کے ترک کے قبیل سے ہے۔

(المقاصد الحسنة: ۲۰۲؛ الأسرار المرفوعة: ۱۷؛ المصنوع: ۹۹)

کشف الخفاء: ۱/۳۸۳؛ مختصر المقاصد الحسنة: ۱۰۲)

(۲۸) دعاء الوالد لولده مثل دعاء النبی لأمتہ

ترجمہ: باپ کی دعاء اولاد کے لیے ایسی ہے جیسے نبی کی دعاء اپنی امت کے لیے۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام احمد، امام سیوطی، ابن عراق کنائی، ابن الجوزی، شیخ عجلوٹی اور علامہ طاہر پٹی یہ تمام محدثین اس روایت کو موضوع اور باطل قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابن الجوزی ”الموضوعات: ج ۲/ ص ۲۸۰“ میں لکھتے ہیں کہ ”قال أحمد بن حنبلٌ ”هذا حديث باطل منكر وسعيد ليس حديثه بشيء“۔
ابن عراق کنائی نے لکھا ”رواه يحيى بن سعيد القطان عن سعيد بن حبيب الأزدي وهو مجهول. عن يزيد الرقاشي عن انس قال أحمد بن حنبلٌ: حديث باطل منكر وسعيد ليس بشيء“۔

ان دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وسلم نے اس روایت کو باطل اور منکر قرار دیا ہے، اور وجہ یہ کہ اس کی سند میں سعید بن حبیب ازدی ہے جو مجروح ہے، اور اس کی حدیثیں ساقط الاعتبار ہیں۔ محدثین کی زبان پر وہ ”مجهول“ اور ”ليس بشيء“ ہے۔

(الآلانی الصنوعة: ج ۲/ ص ۲۹۵؛ كشف الخفاء: ج ۱/ ص ۴۰۵؛

تذكرة الموضوعات: ج ۱/ ص ۲۰۲؛ تنزيه الشريعة: ج ۲/ ص ۲۸۲)



(۲۹) الدنيا مزرعة الآخرة

ترجمہ: دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلوئیؒ، امام صفائیؒ، علامہ پٹنی اور شیخ عراقیؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع کہتے ہیں۔

علامہ طاہر پٹنیؒ لکھتے ہیں: ”الدنيا مزرعة الآخرة موضوع، وفي المختصر لم يوجد بهذا للفظ“۔ (تذكرة الموضوعات: ج ۱/ ص ۱۷۴)

یعنی ”الدنيا مزرعة الآخرة“ موضوع حدیث ہے، اور مختصر میں ہے کہ ان الفاظ میں یہ حدیث ثابت نہیں۔

امام سخاویؒ فرماتے ہیں: ”لم أقف عليه مع إيراد الغزالي في الأحياء“۔

(المقاصد الحسنة: ص ۲۱۷)

یعنی اس روایت کو امام غزالیؒ نے اگرچہ احياء میں لکھا ہے مگر مجھے اس کی خبر نہیں۔

علامہ عراقیؒ لکھتے ہیں کہ ”لم أجده بهذا اللفظ مرفوعاً“۔

(تخريج احياء: ج ۸/ ص ۸۷)

یعنی مجھے یہ روایت ان الفاظ میں حدیث مرفوع کی حیثیت سے نہیں ملی۔

تنبیہ (۱): یہ روایت تو ثابت نہیں ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے، جس کو حدیث کہا جاسکے، لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مضمون صحیح ہے، اور آیت پاک ”من كان يربا، حرت الآخرة نودله في حرثه“ سے اس کا مضمون ماخوذ ہے۔ یعنی جو

آخرت کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

تنبیہ (۲): اس روایت کے مضمون سے میل کھاتی، وہی ایک دوسری روایت ملتی ہے، جس کو عقیلیؒ نے ”ضعفاء“ میں اور ابن لالؒ نے ”مکارم الاخلاق“ میں، طارق بن اُشیم کی سند سے مرفوعاً نقل فرمایا ہے۔ وہ روایت یہ ہے:

”نعم الدار الدنيا لمن تزود منها لا آخرته“ یعنی دار دنیا اس آدمی کے لیے کتنی بہتر چیز ہے، جو اس کے ذریعہ اپنی آخرت کی تیاری کرے۔
حاکم ابو عبد اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، مگر امام ذہبیؒ نے فرمایا کہ اس میں ایک راوی عبد الجبار ہے جو غیر معروف ہے اس لیے یہ روایت منکر ہے، اور طاہر ہے، ذہبی کے مقابلہ میں حاکم کی تصحیح معتبر نہیں۔

(موضوعات الصغانی: ج ۱/ ص ۳؛ المقامد الحسنة: ص ۲۶۷،

تذكرة الموضوعات: ج ۱/ ص ۱۷۴؛ تخریج الاحیاء: ج ۸/ ص ۸۷، الاسرار المرفوعة:

المصنوع: ص ۱۰۱؛ كشف الخفاء: ج ۱/ ص ۴۱۲؛ اسنی المطالب: ص ۱۲۱)



(۳۰) (الف) ريق المؤمن شفاء (ب) سؤر المؤمن شفاء

ترجمہ: مومن کے لعاب میں شفاء ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، ابن السید درویش، علامہ عراقی اور شیخ عجلوٹیؒ یہ تمام محدثین اس روایت کو بے اصل قرار دیتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ المصنوع: ص ۱۱۰ پر لکھتے ہیں: ”قال العراقي هكذا اشتهر على

الألسنة و لا أصل له بهذا اللفظ“ یعنی شیخ عراقی نے فرمایا کہ یہ روایت اسی طرح لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہے، مگر اس کی ان الفاظ میں کوئی اصل نہیں ہے۔

ابن السید درویش صاحب ”اسنی المطالب“ نے بھی یہی لکھا ہے کہ ”لیس بحديث“ یہ جملہ، حدیث نبوی نہیں ہے۔

تنبیہ: یہ روایت اگرچہ ان الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، مگر اس کا مضمون صحیح ہے اور روایات معتبرہ سے ثابت ہے، مثلاً امام سخاویؒ نے لکھا کہ صحیحین کی ایک روایت میں مروی ہے۔

”انه صلى الله عليه وسلم كان اذا اشتكى الانسان الشيء أو كانت به قرحة أو جرح قال باصبعه يعني سبأته الأرض ثم رفعها وقال بسم الله تربة أرضنا بريقة بعضنا أي ببصاق بني آدم يشفى سقيمنا باذن ربنا الحديث“
یعنی: جب کسی آدمی کو کوئی مرض یا زخم وغیرہ لگتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی مبارک زمین پر لگاتے پھر اٹھا کر یہ پڑھتے ”بسم الله تربة أرضنا بريقة بعضنا يشفى سقيمنا باذن ربنا“

اسی طرح ایک دوسری روایت امام سخاویؒ نے دارقطنیؒ کے حوالے سے نقل فرمائی ہے کہ ”عن ابن عباس رفعه: من التواضع ان يشرب الرجل من سور أخيه.“
یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مرفوعاً نقل فرمایا ہے کہ انسانی اخلاق (تواضع) کی بات ہے کہ آدمی اپنے بھائی کا چھوڑا ہوا جھوٹا پانی پیئے۔

پہلی روایت میں انسان کے لعاب کو شفاء کا ذریعہ کہا گیا ہے۔

اور دوسری روایت میں مومن کا لعاب پینے کو اخلاق حسنہ میں شمار کیا گیا ہے، اب

دونوں کے مجموعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مومن کا لعاب پینا چاہیے اس میں شفاء مضممر ہے، شاید انہیں باتوں کے پیش نظر کسی نے ”سور المؤمن شفاء“ اور ”ریق المؤمن شفاء“ جیسے جملوں کو حدیث کہہ دیا ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۲۳۱؛ الأسرار المرفوعة: ص ۱۲۹؛ المصنوع: ص ۱۱۰؛

اسنی المطالب: ص ۱۲۷؛ كشف الخفاء: ج ۱/ ص ۴۳۶)



(۳۱) زكاة الأرض یبسها

ترجمہ: زمین کی پاکی اس کا خشک ہو جانا ہے۔

حکم: موضوع ہے..

تحقیق: امام سخاوی، امام زرکشی، ملا علی قاری، امام سیوطی، ابن حجر عسقلانی، علامہ زیلعی شیخ عجلوٹی اور صاحب اسنی المطالب؛ یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع کہتے ہیں اور حدیث نبوی ہونے کا انکار کرتے ہیں اور صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ”زكاة الأرض یبسها“ کلام نبوی نہیں ہے، بل کہ محمد بن الحنفیہ یا ابو جعفر محمد بن علی الباقر یا ابوقلابہ کا قول ہے۔

امام سیوطی نے ”الدرر المنتشرة“ میں، ابن حجر نے ”الدراية“ میں، ملا علی قاری نے ”الاسرار“ میں اور شیخ عجلوٹی نے ”كشف الخفاء“ میں لکھا ہے کہ اگرچہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی نے اس کو حدیث کہا ہے، اور اس سے استدلال کیا ہے، مگر یہ حدیث نہیں ہے۔

امام سخاوی لکھتے ہیں: ”احتج به الحنفية ولا اصل له في المرفوع، نعم ذكره ابن أبي شيبة موقوفاً عن أبي جعفر محمد بن علي الباقر، و عن ابن الحنفية، و أبي قلابة، قال: اذا جفت الارض فقد زكت و قول ابن الحنفية

عند ابن جریر فی تہذیبہ أيضًا. و قول أبی قلابہ رواہ عبد الرزاق أيضًا بلفظ جفوف الارض طہورہا۔

علامہ زیلعیؒ نے ”نصب الراية فی تخریج احادیث الہدایہ“ میں لکھا کہ ”احتج بہ الحنفیۃ و لا أصل لہ فی المرفوع نعم ذکرہ ابن أبی شیبۃ موقوفًا عن أبی جعفر علی الباقر رواہ عبد الرزاق عن أبی قلابہ من قوله بلفظ جفوف الارض طہورہا۔“

صاحب تبیین الحقائق بحوالہ صاحب فتح القدر علامہ ابن الہمامؒ لکھتے ہیں کہ: وحديث ”ذکاة الأرض ییسہا“ ذکرہ بعض المشائخ اثرًا عن عائشۃ، و بعضهم عن محمد بن الحنفیۃ، و کذا رواہ ابن أبی شیبۃ عنه و رواہ أيضًا عن أبی قلابہ، و روى عبد الرزاق عنه جفوف الأرض طہورہا و رفعہ المصنف۔ (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ج ۱/ ص ۲۳۹)

عبارات مذکورہ سے تین باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

(۱) روایت مذکورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے۔

(۲) یہ روایت مرفوع نہیں بل کہ موقوف ہے، ابو جعفر، یا ابن الحنفیۃ، یا ابو قلابہ کا قول ہے۔

(۳) یہ روایت اگرچہ لفظاً کلام نبوی نہیں ہے، مگر معنایاً اس کا مضمون صحیح ہے یعنی زمین کا خشک ہو جانے سے پاک ہونا صحیح ہے لیکن اس کے پیچھے دلائل دوسرے ہیں نہ کہ یہ روایت۔

(المقاصد الحسنۃ ص ۲۲۰؛ الاسرار المرفوعۃ: ص ۱۲۴؛ الدرر المنشرة: ص ۱۱،

نصب الراية: ص ۶۲؛ كشف الخفاء/ تلخیص: ج ۱ ص ۱۶۲؛ تبیین الحقائق: ج ۱/ ص ۲۳۹)



(۳۲) (الف) سین بلال عند اللہ شین

(ب) ان بلالا کان یبدل الشین فی الأذان سیناً

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں شین کو سین پڑھا کرتے تھے، یعنی شین کی ادائیگی پر قادر نہیں تھے۔

حکم: بے سند غیر معتبر اور موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، ملا علی قاری، امام سیوطی، عجلونی، طاہر پٹنی اور سید ابن درویش نے اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ”انہ لیس له اصل ولا یصح“ اسی طرح شیخ برہان سفاسی نے نقل کیا ہے کہ علامہ مزنی نے فرمایا کہ یہ روایت جو حضرت بلال کے متعلق مشہور ہے ہم کو کسی کتاب میں نہیں ملی۔ (الاسرار المرفوعة: ۷۳)

امام سخاوی تحریر فرماتے ہیں کہ ابن قدامہ نے ”المغنی“ میں لکھا ہے کہ حضرت بلال ”اشہد“ کی جگہ ”اسہد“ کہا کرتے تھے۔

مگر یہ بات صحیح نہیں کیوں کہ حضرت بلال بلند آواز، حسن الصوت، فصیح اللسان تھے، ان کے ترجمہ میں متعدد علماء نے تصریح کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے مسئلہ میں خواب دیکھنے والے صحابی حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اذان کے یہ کلمات جو تم کو خواب میں بتلائے گئے ہیں، بلال کو بتلاؤ، اس لیے کہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہے۔ نیز اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت بلال شین کی ادائیگی پر قادر نہیں تھے تو کس قدر

قابل تعجب بات ہوگی کہ اذان جیسے اہم کلمات شرعیہ کی پکار کے لیے صحابہ کرامؓ کی پوری جماعت میں انتخاب کیا گیا، تو ایسے شخص کا نام آیا جس کی زبان و تلفظ میں عیب تھا۔

نیز اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت بلالؓ شین کی ادائیگی پر قادر نہیں تھے، تو یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر یہ بات سچ ہوتی تو ایک دو تو کیا کثیر تعداد میں روایات اس سلسلہ میں منقول ہوتیں، خصوصاً مخالفین اسلام تو خوب اچھا لیتے، اور استہزاء و تمسخر کرتے مگر اس قسم کی کوئی ایک روایت بھی موجود نہیں، معلوم ہوا کہ یہ حدیث بے سند غیر معتبر اور موضوع ہے۔

(مقاصد: ص ۲۴۷؛ الاسرار المرفوعة: ص ۷۳؛ کشف الخفاء: ج ۱/ ص ۲۶۳، ص ۲۶۴؛

تذکرۃ الموضوعات: ج ۱/ ص ۱۰۱؛ المصنوع: ص ۱۱۳؛ اسنی المطالب: ص ۱۳۴)

علامہ عجلاویؒ نے ”کشف الخفاء“ میں لکھا ہے کہ علامہ ابراہیم الناجیؒ فرماتے ہیں

کہ ”واشهد باللہ ان سیدنا بلالا ما قال اسهد بالسنين المهملة قط كما وقع لابن قدامة في مغنيه وقلده ابن اخيه الشيخ ابن عمر شمس الدين في شرح كتابه المقنع ورد عليه الحفاظ..... كما بسطته في ذكر مؤذنيه بل كان بلال من افصح الناس وانداهم صوتاً.....“ (کشف: ج ۱/ ص ۴۶۵)

یعنی..... میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کبھی بھی سین مہملہ کے ساتھ ”اسهد“ نہیں کہا، جیسا کہ ابن قدامہ کی ”المغنی“ میں اور ان کے اتباع میں شیخ ابن عمر شمس الدین کی ”المقنع“ میں مذکور ہے، اس خیال کی حفاظ حدیث نے تردید فرمائی ہے، بل کہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ فصیح اللسان اور بلند آواز انسان تھے۔



(۳۳) الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ

ترجمہ: شیخ کی اپنی قوم میں وہی حیثیت ہوتی ہے جو نبی کی اپنی امت میں ہوتی ہے۔
حکم: موضوع ہے۔

الفاظ روایت: یہ روایت مختلف الفاظ میں نقل کی جاتی ہے۔

(الف) الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ.

(ب) الشیخ فی جماعته کالنبی فی قومہ یتعلمون من علمہ ویتأدبون من ادبہ.

(ج) الشیخ فی اہلہ کالنبی فی امتہ.

(د) الشیخ فی بیتہ کالنبی فی قومہ.

تحقیق: امام سخاوی، حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ ابن تیمیہ، ملا علی قاری، شیخ عجلوٹی، امام سیوطی، علامہ طاہر پٹنی اور شیخ ابن درویش یہ سارے حضرات اس روایت کو غیر ثابت، بے اصل اور موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سیوطی "الدرر المنشرة" ۱/۱۲ میں اس کو نقل کرنے کے بعد "لا أصل له"

لکھتے ہیں۔ اور "مقاصد حسنہ" میں امام سخاوی لکھتے ہیں "وممن جزم بكونه موضوعا شيخنا ومن قبله التقى ابن تيمية: فقال انه ليس من كلام النبي صلى الله عليه وسلم و إنما يقوله بعض اهل العلم وكل ذلك باطل"۔

یعنی جن محدثین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے ان میں ہمارے شیخ (ابن

حجر عسقلانی) بھی ہیں اور ان سے پہلے علامہ ابن تیمیہ بھی ہیں، جنہوں نے فرمایا کہ یہ

روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے، ہاں بعض اہل علم سے اس قسم کا قول منقول ہے، مگر یہ قول باطل ہے۔

(الاسرار المرفوعة: ص ۱۴۴؛ المقاصد الحسنة: ص ۲۵۷؛ المصنوع: ص ۱۱۵)

كشف الخفاء: ج ۲/ ص ۱۷، ص ۲۴۳؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱/ ص ۲۰؛ اسنى المطالب: ص ۱۴۰)

تنبیہ: خلاصہ یہ ہوا کہ مذکورہ روایت کا حدیث ہونا ثابت نہیں مگر علماء و مشائخ کی فضیلت و عظمت اپنی جگہ مسلم ہے جو دوسری نصوص سے مبرہن و محقق ہے، منجملہ ان کے ”العلماء ورثة الأنبياء“ بہت قوی اور واضح حدیث ہے۔

(۳۴) صغروا الخبز و أكثروا عدده يبارك لكم فيه

ترجمہ: روٹی کے لقمے چھوٹے چھوٹے بناؤ اور اس کا عدد بڑھاؤ تو اس میں تم کو برکت ملے گی۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ ابن الجوزی، امام سخاوی، ملا علی قاری، شیخ عجلوٹی اور علامہ طاہر پٹی وغیرہم اس روایت کو غیر ثابت اور بے اصل قرار دیتے ہیں۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں ”اسنادہ واہ و قد ذکرہ ابن الجوزی فی الموضوعات و قال الزرکشی حدیث الامر بتصغیر اللقمة و تدقیق المضغة لال النووی لا یصح“۔ (الاسرار المرفوعة: ص ۱۴۶)

ترجمہ: اس کی سند کمزور ہے، ابن الجوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اور امام زرکشی راتے ہیں کہ امام نووی نے فرمایا کہ تصغیر لقمہ اور تدقیق مضغہ والی حدیث ثابت نہیں ہے۔

علامہ ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں کہ ”هذا حديث موضوع على رسول الله صلى الله عليه وسلم والمتهم به جابر بن سليم قال أبو الفتح الأزدي هو لا يكتب حديثه“۔ (الموضوعات: ج ۲/ص ۱۹۵)

یعنی یہ حدیث موضوع ہے، گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی گئی ہے، اور اس میں متہم راوی جابر بن سلیم ہے جس کے متعلق شیخ ابو الفتح ازدی کا کہنا ہے کہ اس کی حدیثیں نہیں لکھی جانی چاہئیں۔

نیز ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ اسی سے ملتی جلتی ایک دوسری حدیث اس طرح نقل کی جاتی ہے۔

”البركة في صغر القرص و طول الرشا و صغر الجدول قال أبو عبد الرحمن النسائي هذا الحديث كذب“۔ (الموضوعات: ج ۲/ص ۱۹۵)

یعنی: برکت چھوٹی روٹی، لمبی رسی، اور چھوٹی نالی میں ہے، مگر امام ابو عبد الرحمن نسائی نے فرمایا کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔

شیخ عجلوٹی نے شیخ ابن الغرسؒ کے حوالہ سے لکھا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ میں نے یہ بات تلاش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روٹی چھوٹی ہوا کرتی تھی یا بڑی تو مجھے اس کے متعلق کوئی بات معلوم نہ ہو سکی۔

(كشف الخفاء: ج ۲/ص ۲۵؛ المقاصد الحسنة: ص ۲۶۲؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱۴۶)

المصنوع: ص ۱۱۸؛ الموضوعات: ج ۲/ص ۱۹۵؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱/ص ۱۴۳

اسنی المطالب: ص ۱۴۲؛ كنز العمال: ج ۱۵/ص ۲۴۶



(۳۵) صلوٰۃ بخاتم تعدل سبعین بغیر خاتم

ترجمہ: انگوٹھی کے ساتھ ایک نماز بغیر انگوٹھی کے ستر نمازوں کے برابر ہے۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، امام سخاویؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، عجلوٹیؒ، شیخ ابن درویشؒ اور شوکانیؒ یہ سبھی حضرات اس حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔

امام سخاویؒ لکھتے ہیں: ”صلوٰۃ بخاتم تعدل سبعین بغیر خاتم ہو موضوع
کما قال شیخنا“۔ یعنی روایت مذکورہ موضوع ہے ہمارے شیخ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
نے یہی فرمایا ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۲۶۳؛ تذکرة الموضوعات: ص ۵۸)

اسنی المطالب: ص ۱۴۲، الاسرار المربوعة: ص ۱۴۷، المصنوع: ص ۱۱۸، کشف: ج ۲ ص ۲۵)

(۳۶) (الف) صلوٰۃ بعمامة تعدل خمسًا و عشرين صلوٰۃ

و جمعة بعمامة تعدل سبعین جمعة

ترجمہ: عمامہ کے ساتھ ایک نماز (بغیر عمامہ کی) پچیس نمازوں کے برابر ہے اور ایک جمعہ
عمامہ کے ساتھ (بغیر عمامہ کے) ستر جمعہ کے برابر ہے۔

(ب) الصلوٰۃ فی العمامة بعشرة آلاف

ترجمہ: عمامہ کے ساتھ پڑھی جانے والی نماز دس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔
حکم: دونوں روایتیں موضوع ہیں۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، امام سخاویؒ، عجلوئیؒ، طاہر پٹنیؒ اور شوکانیؒ وغیرہم اس روایت کو موضوع بتلاتے ہیں۔

علامہ طاہر پٹنیؒ ”تذکرۃ الموضوعات“ میں لکھتے ہیں کہ ایک روایت حضرت ابن عمرؓ کے حوالہ سے نقل کی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

”یا بنی احب العمامۃ یا بنی اعتم تبجل وتکرم وتوقر۔ ولا یراک الشیطان إلا ولّی ہاربا سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان صلوة بعمامة تعدل خمسًا وعشرين صلوة بغير عمامة وجمعة بعمامة تعدل سبعین جمعة بغير عمامة ان الملائكة لیشهدون الجمعة معتمین ولا یزالون یصنون علی أصحاب العمامة“ تغرب الشمس“۔

قال ابن حجر موضوع۔ فیہ عباس بن کثیر لم ارلہ ذکرًا فی الغرباء و فیہ غیرہ قلت أخرجه ابن عساکر و الدیلمی قال المذنب فیہ ایضًا العباس المذکور۔ (تذکرۃ الموضوعات ج ۱/ ص ۱۵۶)

یعنی اے بیٹے عمامہ کو پسند کر، اے بیٹے عمامہ باندھا کر تو عزت و اکرام اور وقار حاصل ہوگا اور شیطان تم کو دیکھے گا تو پیٹھ پھیر کر بھاگے گا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ایک نماز عمامہ کے ساتھ بغیر عمامہ کے پچیس نمازوں کے برابر ہے؛ اور ایک جمعہ عمامہ کے ساتھ بغیر عمامہ کے ستر جمعہ کے برابر ہے، جمعہ کی نماز میں ملائکہ بھی عمامہ باندھ کر حاضر ہوتے ہیں، اور عمامہ والے مصلیوں کے لیے غروب شمس تک دعاء رحمت کرتے رہتے ہیں۔

مگر بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ یہ روایت موضوع ہے کیوں کہ اس کی سند میں عباس بن کثیر آیا ہے، جو غیر معتبر راوی ہے۔

نیز علامہ طاہر پٹنیؒ نے لکھا کہ ”الصلوة في العمامة عشرة آلاف“ والی روایت بھی موضوع ہے، اس کی سند میں ایک راوی ابان آیا ہے، جو متہم ہے۔

(تذكرة الموضوعات: ج ۱/ص ۱۸۵؛ كشف: ج ۲/ص ۷۷۴ و ج ۲/ص ۵۹۰؛

الفوائد المجموعة: ج ۱/ص ۱۸۷؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱۴۷؛ المصنوع: ص ۱۱۸؛ المقاصد: ص ۲۶۲)



(۳۷) الصلوة خلف العالم بأربعة آلاف

و أربع مائة و أربعين صلوة

ترجمہ: عالم کے پیچھے ایک نماز چار ہزار چار سو چالیس نمازوں کے برابر ہے۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ نے مقاصد حسنہ میں اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ ”ہو باطل کما قال شیخنا“ یعنی یہ حدیث باطل ہے جیسا کہ ہمارے شیخ (ابن حجرؒ) نے فرمایا ہے؛ علامہ شوکانیؒ، شیخ عجلوٹیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ اور ملا علی قاریؒ ان تمام حضرات کے نزدیک یہ حدیث بے سند، بے اصل اور باطل ہے، البتہ علماء کی امامت کی اہمیت کے متعلق کچھ روایات ضرور ثابت ہیں جو ”من صلی خلف عالم تقی.....“ کے تحت لکھی جائیں گی۔

(المقاصد الحسنة: ص ۲۶۶؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱۴۷؛ المصنوع: ص ۱۱۹؛

تذكرة الموضوعات: ص ۱/۲۰؛ كشف: ج ۲/ص ۲۹ / ۲/ص ۵۹۷؛ الفوائد: ج ۱/ص ۲۸۶)



(۳۸) (الف) الصلوة على النبي لا ترد

(ب) الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم مقبولة

(ج) ان الله يقبل الصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم

ترجمہ: ان تمام روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جانے والا درود کبھی مردود نہیں ہوتا، بل کہ مقبول ہی ہوتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، علامہ عراقی، ملا علی قاری اور شیخ عجلونی وغیرہم نے اس حدیث کو موضوع بتلایا ہے۔

امام سخاوی لکھتے ہیں کہ اس روایت کو امام غزالی نے ”احیاء علوم الدین: ۱/۳۰۹“ میں حدیث مرفوع کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے، مگر یہ صحیح نہیں ہے، اور مجھے اس حدیث کی خبر نہیں ہے۔ پھر آگے لکھتے ہیں:

”هو من كلام أبي سليمان الداراني و لفظة الصلوة على النبي صلى

الله عليه وسلم مقبولة“۔ (المقاصد الحسنة: ص ۲۶۶)

یعنی یہ جملہ ابوسلیمان دارانی کا کلام ہے، اور انہوں نے یوں فرمایا ہے: ”الصلوة

على النبي صلى الله عليه وسلم مقبولة“۔

یعنی ہر درود اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہی ہوتا ہے مردود نہیں ہوتا۔

نیز ملا علی قاری نے تحریر فرمایا کہ علامہ ابن الجزریؒ کی حصن حصین کی تصریح کے

مطابق شیخ ابوسلیمان دارانی کے کلام کے الفاظ یہ ہیں:

”اذا سالت الله حاجة فابدأه بالصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم ثم ادع بما شئت ثم اختتم بالصلوة عليه فان الله سبحانه بكرمه يقبل الصلوتين و هو اكرم من ان يدع ما بينهما“۔ (الاسرار المرفوعة: ص ۱۴۹)

یعنی جب تم کسی ضرورت کے حل کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو دعاء کی ابتدا اور انتہا میں درود پڑھ لیا کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ دونوں درودوں کو ضرور قبول فرمائیں گے تو ان کی شان کریمی سے ہٹ کر یہ بات ہوگی کہ ابتداء و انتہاء کو تو قبول فرمائیں اور درمیان کی دعا کو رد فرمادیں۔

اسی طرح بقول امام سخاوی و ملا علی قاریؒ یہ روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے موقوفاً منقول ہے، یعنی خود ابوالدرداءؓ کا کلام ہونا تو ثابت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہونا ثابت نہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”اذا سألتم الله فابدؤا بالصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم فان الله اكرم من ان يسأل حاجتين فيقضى أحدهما ويرد الاخرى“۔ (المقاصد الحسنة: ص ۲۶۶؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱۵۰)

یعنی: جب تم اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرو تو پہلے درود پڑھو یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نزول رحمت کی دعا کرو پھر اپنی ضرورت کا سوال کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کریم ہیں یہ ہو نہیں سکتا کہ اس کے سامنے دو سوال ایک ساتھ رکھے جائیں وہ ایک کو قبول کرے اور دوسرے کو رد کر دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابوالدرداء اور شیخ ابوسلیمان دارائیؒ کا کلام ہے، حدیث نبوی نہیں، اس لیے امام سخاویؒ فرماتے ہیں ”مما لم اقف عليه“ یہ ان روایات موضوعہ میں سے ہیں جس کا حدیث ہونا ہمیں معلوم نہیں۔

(۳۹) صلاة النهار عجماء

ترجمہ: دن کی نمازیں گوئی ہوتی ہیں (یعنی جہری نہیں ہیں)۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ سخاوی، امام نووی، ملا علی قاری، امام دارقطنی، امام زرکشی، امام سیوطی، علامہ طاہر پٹی اور علامہ زیلعی یہ تمام محدثین اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاوی فرماتے ہیں کہ امام نووی نے ”شرح المہذب“ میں جہر بالقراءة کی بحث میں لکھا ہے کہ:

”انه باطل لا اصل له وكذا قال الدارقطني لم يرو عن النبي صلى

الله عليه وسلم وانما هو من قول بعض الفقهاء“ (المقاصد الحسنة: ص ۲۶۵)

یہ روایت باطل ہے، اس کی اصل نہیں ہے، اور یہی بات امام دارقطنی نے بھی فرمائی کہ اس کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے، بل کہ کسی فقیہ کا قول ہے۔

پھر امام سخاوی، ملا علی قاری، شیخ عجلوئی اور علامہ زیلعی وغیرہم نے محقق کیا ہے کہ یہ روایت ”صلاة النهار عجماء“ حسن بصری، ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود یا مجاہد کا قول ہے۔

تنبیہ: روایت مذکورہ تو حدیث نہیں ہے مگر اس کا مضمون دوسری روایات سے ثابت ہے یعنی یہ بات صحیح اور ثابت ہے کہ دن کی نمازوں میں (سوائے جمعہ وعیدین کے) قراءت سرّاً کی جائے گی اس اعتبار سے دیکھا جائے تو دن کی نمازیں گوئی ہوئیں۔

(الاسرار المرفوعة: ص ۱۴۸ / المصنوع: ص ۱۱۹ / المقاصد الحسنة: ص ۲۶۵ / الدرر المنتشرة:

ج ۱ ص ۱۲ / تذكرة الموضوعات: ۱ ص ۳۸ / نصب الراية في تخريج احاديث الهداية: ص ۴۳۲)

(۴۰) عرضت علی أعمال امتی فوجدت منها المقبول

و المردود إلا الصلوة علی

ترجمہ: میرے سامنے میری امت کے اعمال پیش کئے گئے تو میں نے ان میں سے بعض کو مقبول پایا اور بعض کو مردود، سوائے درود، کہ وہ کل کا کل مقبول ہی ہوتا ہے۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ نے اس روایت کے متعلق فرمایا کہ ”لم اقف له علی سند“ میں اس کی کسی سند سے واقف نہیں ہوں۔

امام سیوطیؒ بھی اس کے حدیث ہونے کا انکار کرتے ہیں، نیز فرماتے ہیں یہ مضمون کلام نبوی تو نہیں مگر حضرت ابوالدرداءؓ اور شیخ سلیمان دارانیؒ کے کلام میں ایسا مضمون وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ ”الصلوة علی النبی لا ترد“ کے تحت گفتگو ہو چکی ہے۔

(الاسرار المرفوعة: ص ۱۵۸؛ المصنوع: ص ۱۲۳)



(۴۱) علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل

ترجمہ: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ سخاویؒ لکھتے ہیں کہ ”قال شیخنا (ابن حجر) ومن قبله الد میری و الزرکشی انه لا اصل له وزاد بعضهم ولا يعرف فی کتاب معتبر“۔

ہمارے شیخ حافظ ابن حجرؒ اور ان سے پہلے کے محدثین علامہ دمیریؒ اور علامہ زرکشیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، اور کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر بھی نہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”موضوعات کبریٰ“ اور ”موضوعات صغریٰ“ دونوں کتابوں میں اور امام سیوطیؒ نے ”الدرر المنتشرة“ میں، عجلوٹی نے ”کشف الخفاء“ میں علامہ طاہر بیہقیؒ نے ”تذکرۃ الموضوعات“ میں اس روایت کو موضوع اور بے اصل قرار دیا ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۲۸۷؛ موضوعات کبریٰ: ص ۱۵۹؛ موضوعات صغریٰ: ص ۱۲۳؛

الدرر المنتشرة: ج ۱/ ص ۱۴؛ کشف الخفاء: ج ۲ ص ۶۴؛ تذکرۃ الموضوعات: ج ۱/ ص ۲۰)

تنبیہ (۱): اس روایت سے کسی قدر ملتی جلتی دو حدیثیں ہیں جو ضعیف سند سے مروی ہیں، انہیں کی روشنی میں شاید کسی نے مذکورہ روایت وضع کر ڈالی ہے۔

(۱) اکرموا حملة القرآن فمن أكرمهم فقد أكرمني، و من أكرمني فقد اکرم الله عز وجل. و فی رواية: الا فلا تنقصوا حملة القرآن حقوقهم فانهم من الله بمكان کا دحملة القرآن ان يكونوا أنبياء الا انهم لا يوحى إليهم.

(المقاصد الحسنة: ص ۷۷، ص ۲۸۶)

یعنی حاملین قرآن کی عزت کرو، کیوں کہ جس نے ان کی عزت کی اس نے میری عزت کی اور جس نے میری عزت کی اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی عزت کی۔

یہ روایت امام سخاوی نے والکی کی ”الإبانة“ اور دیلمی کے مسند سے نقل فرمائی ہے اور اس کی سند کے متعلق فرمایا ”انه غریب حقا من رواية الأكابر عن الأصاغر. وفيه من لا يعرف و احسنه غير صحيح“ یعنی یہ حدیث روایت الاکابر عن الاصاغر کی قبیل

سے ہے، مگر اس روایت کی سند بہت غریب ہے، اس میں غیر معروف راوی پائے جاتے ہیں اور اس کی بہت اچھی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ (المقاصد: ۷۷)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ خبردار! حاملین قرآن کی ناقدری نہ کرنا اس لیے کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ مقام ہے کہ اگر نبوت کا دروازہ کھلا ہوتا تو یہ لوگ نبوت سے سرفراز کئے جاتے۔

(۲) اقرب الناس درجة من درجة النبوة اهل العلم والجهاد رواہ

ابو نعیم عن ابن عباس بسندہ الضعیف۔ (المقاصد الحسنة: ص ۲۸۶)

یعنی لوگوں میں سے سب سے زیادہ درجہ نبوت سے قریب علماء اور مجاہدین ہیں۔ یہ روایت ابو نعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

تنبیہ (۲): یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ جس طرح اقوام سابقہ میں ایک ہی وقت میں مختلف علاقوں میں متعدد انبیاء کرام ہوا کرتے تھے، یہی حال اس امت کا ہے کہ اب آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں مگر بندوں کی رہنمائی و ہدایت کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین یعنی علماء کرام کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتے رہیں گے، جو حسب ضرورت مختلف علاقوں، طبقوں میں پہنچ کر احیاء دین، اعلاء حق، اشاعت سنت کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے، یہ بات بالکل صحیح ہے اور بحمد اللہ اس کے مصداق علماء کرام اپنی ذمہ داریوں میں مشغول ہیں، اور دین و ملت کے محافظ ہیں، اور یہی مطلب تھا ”علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل“ کا، مگر پھر بھی یہ روایت، حدیث رسول نہیں ہے۔

تنبیہ (۳): اس روایت سے متعلق دو واقعے بھی بڑے عجیب مشہور ہیں:

(واقعہ: ۱) شب معراج کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ سے ملاقی ہوئے تو حضرت موسیٰ نے استفسار فرمایا کہ ”علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل“ جو آپ نے کہا ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی حاضر ہوئے اور سلام باضافۃ الفاظ ”وبرکاتہ و مغفرتہ“ وغیرہ عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا: ”یہ طوالت بزرگوں کے سامنے کرتے ہو“ آپ نے عرض کیا کہ آپ سے حق تعالیٰ نے صرف اس قدر پوچھا تھا ”وما تلک بیمینک یا موسیٰ!“ تو آپ نے کیوں جواب میں اتنا طول دیا کہ ”ہی عصای ا تو کأ علیہا“ الآیۃ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ادب یا غزالی“ ادب کر اے غزالی!

(واقعہ: ۲) قاضی نصیر الدین بن قاضی سراج محمد حنفی برہانپوری جو شیخ نظام برہانپوری (جن کے زیر اہتمام فتاویٰ عالمگیری مرتب ہوا) کے استاذ ہیں، فقہ و حدیث کے ممتاز علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا؛ انہوں نے فرمایا کہ حدیث ”علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل“ موضوع اور بے اصل ہے، اس حقیقت کا ان کی زبان سے اظہار ہونا تھا کہ ان کے خلاف ایک طوفان برپا کر دیا گیا، حدیہ ہے کہ خود ان کے خسر علم اللہ بیجاپوری نے انہیں کافر قرار دے دیا، اور فتویٰ دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے اور آگ میں جلا دیا جائے، اس فتویٰ پر عمل درآمد کے لیے انہوں نے محضر نامہ مرتب کیا جس پر علماء سے دستخط لیے اور مہر ثبت کرائیں۔ صرف شیخ فضل اللہ برہانپوری اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی نے اس کی تصدیق و تصویب سے انکار کر دیا اور بڑی مشکل سے ان کی جان بخشی ہوئی۔

(تذکرۃ الموضوعات: ص ۱۳۰؛ کشف الخفاء: ج ۲/ ص ۱۸۹۰؛

الفوائد: ج ۱/ ص ۲۸۷؛ المقاصد الحسنیۃ: ص ۴۴۶؛ العلل المتناہیۃ: ص ۸۲۸)

(۴۲) العلم علما علم الأبدان و علم الأديان

ترجمہ: علم دو قسم کے ہیں: ”علم ابدان“ اور ”علم اديان“۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سیوطی، ملا علی قاری، علامہ طاہر پٹی، شیخ عجلوئی، امام صفائی، شیخ علامہ طیبی نے اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے۔

ملا علی قاری اپنی ”موضوعات کبریٰ“ اور ”صغریٰ“ میں نیز شیخ عجلوئی ”کشف الخفاء اور مزیل الالباس“ میں لکھتے ہیں: ”قال فی الخلاصة موضوع“ یعنی خلاصہ میں ہے کہ یہ روایت موضوع ہے، اور خلاصہ سے مراد علامہ طیبی کی ”الخلاصة فی معرفة الحديث“ ہے۔

بلکہ روایت مذکورہ کے متعلق امام سیوطی نے بتلایا کہ یہ سیدنا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علم طب سے دلچسپی رکھنے والے کسی شخص نے ترغیب و تحریض کی غرض سے اس کو گھڑ دیا ہے۔

اور یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ علم طب بھی مستقل قابل توجہ ایک فن ہے، مگر جملہ مذکورہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے۔

(موضوعات الصغانی: ۲/۱؛ کشف الخفاء: ۶۸/۲؛ تذکرۃ الموضوعات: ۱۸/۱،

الخلاصة للطیبی: ۸۵؛ الاسرار المرفوعة: ۱۶۰؛ المصنوع: ۱۲۴)



(۴۳) علیکم بحسن الخط فانه من مفاتيح الرزق

ترجمہ: خوش خطی کا اہتمام کرو اس لیے کہ یہ رزق کی کنجی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ صفائی، شیخ عجلوئی، علامہ طاہر پٹی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

شیخ عجلوئی ”کشف الخفاء: ۲/۷۱“ میں لکھتے ہیں کہ ”قال الصغاني

موضوع“۔

(الموضوعات للصغاني: ج ۱/ص ۲؛ كشف الخفاء: ج ۲/ص ۷۱ و ۲۰۷/۴؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱/ص ۱۳۵)

(۴۴) علیکم بدین العجائز

ترجمہ: بوڑھی پرانی عورتوں کے طرز زندگی کو لازم پکڑ لو۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، ملا علی قاری، ابن الجوزی، عجلوئی، علامہ شوکانی، ابن السید درویش، امام

سیوطی، شیخ البانی، علامہ پٹی، امام صفائی اور علامہ عراقی یہ تمام حضرات محدثین کرام اس

روایت کو بے اصل اور موضوع کہتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: ”قال السخاوی لا أصل له بهذا اللفظ

وورد بمعناه“ أحادیث لا تخلو عن ضعف، وقال الزركشي رواه الديلمي

عن ابن عمر بلفظ ”إذا كان آخر الزمان واختلفت الا هواء، فعليكم بدين

البادية والنساء. وسنده واه بل قال الصغاني موضوع“. (الاسرار المرفوعة: ۱۶۰)

علامہ بیہقی کی تذکرہ الموضوعات ۱/۱۶ میں ہے:

قال ابن طاهر: لم أقف له على أصل، وإنما رأيت حديثاً لابن السلمي "إذا كان في آخر الزمان واختلفت الأهواء، فعليكم بدين أهل البادية والنساء." و لابن السلمي نسخة اتهم بوضعها؛ وقال الصغاني موضوع؛ وفي المقاصد: لا أصل له بهذا اللفظ لكن عند الديلمي عن ابن السلمي وهو ضعيف جداً حدث عن أبيه بمأثري حديث كلها موضوع لا يحل ذكرها إلا على وجه التعجب.

یعنی دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ امام سخاویؒ نے فرمایا کہ ان الفاظ میں اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے، اس لیے موضوع ہے البتہ اس کے ہم معنی دو احادیث وارد ہیں، مگر وہ بھی ضعیف ہیں..... اور علامہ زرکشیؒ نے بتلایا کہ دیلمیؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ "إذا كان آخر الزمان واختلفت الأهواء فعليكم بدين أهل البادية والنساء" (جب آخری زمانہ آجائے اور خواہشات کی رنگینیاں پھیل جائیں تو تم دیہاتیوں اور عورتوں کے طرز پر جینا لازم کرلو) یعنی بہت کم لوگوں سے ملاقاتیں کرو۔ مگر اس روایت کی سند بھی غیر معتبر ہے۔ بل کہ علامہ صفائیؒ نے تو اس کو موضوع بتلایا ہے..... کیوں کہ اس کی سند میں ابن السلمانی آیا ہے جو وضع حدیث کی تہمت سے متہم ہے۔ اور امام سخاویؒ نے تو اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ شخص اپنے والد کے حوالے سے دو سو روایتیں سناتا ہے، مگر وہ سب موضوع ہیں ان کا بیان کرنا جائز نہیں۔

(موضوعات الصغاني: ۱/۳؛ المصنوع: ۱۲۴؛ اسنی المطالب: ۱۵۵؛ المقاصد الحسنة: ۲۹۰)

الاسرار المرفوعة: ۱۶۰؛ مختصر المقاصد الحسنة: ۱۳۶؛ تخريج أحاديث أحياء للعراقي: ۲/۳۷۰

الدرر المنشرة: ۱/۱۴؛ السلسلة الصغيفة: ۱/۱۳۰)

(۴۵) عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة

ترجمہ: صلحاء کے تذکرہ کے وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ عراقی، قاضی شوکانی، ملا علی قاری، شیخ عجلوٹی، علامہ طاہر یثی، ابن حجر عسقلانی اور علامہ سخاویؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو بے اصل اور موضوع کہتے ہیں۔

اس روایت کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: ”لا اصل له“۔

حافظ عراقی نے تخریج احیاء میں فرمایا: ”لیس له اصل فی المرفوع وانما

هو قول سفیان بن عیینة“ یعنی اس کے حدیث ہونے کی کوئی اصل نہیں ہے، یہ سفیان بن عیینہ کا قول ہے۔

تنبیہ: علامہ ابن الصلاحؒ نے ”علوم الحدیث“ میں کہا کہ ابو عمرو واسماعیل بن نجید نے ابو جعفر احمد بن حمدان سے سوال کیا کہ ”بای نية اکتب الحديث“ میں حدیث کس نیت سے لکھوں؟ تو احمد بن حمدانؒ نے جواب دیا کہ ”الستم ترون ان عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة“ یعنی کیا تم نہیں کہتے کہ صالحین کے تذکرہ کے وقت حق تعالیٰ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ تو ابن نجید نے کہا کیوں نہیں؟ پھر احمد نے کہا کہ جب یہ بات ہے تو خود سمجھ لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو صالحین کے امام ہیں۔ (لہذا تم کو احادیث اس نیت سے لکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو)۔

اس واقعہ سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ حدیث کی کتابت اور اہل صلاح و

تقویٰ کے تذکرہ کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے مگر اس کا کلام نبوی اور حدیث ہونا ثابت

نہیں ہوتا، کیوں کہ یہاں دونوں بزرگوں کے سوال و جواب کے ضمن میں ایک لفظ آیا ”الستم ترون“ اس کے متعلق دو احتمال ہے:

اول یہ کہ ”تَرَوْنَ“ یا ”تُرَوْنَ“ (بصیغہ معروف یا بصیغہ مجہول) ہے جو رای یری ایسا سے مشتق ہے اور رائے خیال کے معنی میں ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کیا تمہارا یہ خیال نہیں کہ تذکرہ صالحین کے وقت رحمت ہوتی ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے، صرف ان حضرات کی ایک رائے اور خیال ہے اور خیال کے صحیح ہونے سے حدیث ہونا لازم نہیں آتا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ لفظ ”تروون“ پڑھا جائے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ کیا تم یہ روایت نہیں کرتے، اس صورت میں یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید یہ روایت حدیث ہو، مگر ظاہر ہے کہ اس کی حیثیت وہم کی ہی ہے نہ کہ حقیقت کی، کیوں کہ اس میں حدیث ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے؛ نیز اس کی کوئی سند نہیں پائی جاتی پھر حدیث کیوں کر ہو؟

(الاسرار المرفوعة: ص ۱۶۱؛ المقاصد الحسنة: ص ۲۹۲؛ كشف الخفاء ج ۲ ص ۷۶۳؛ تذكرة الموضوعات: ص ۱۵۷۰؛
تخریج احادیث الاحیاء: ج ۲ ص ۲۱۰؛ الفوائد المجموعة ج ۱ ص ۲۵۴/ج ۱ ص ۵۰۸)



(۴۶) الفقر فخری وبه افتخر

ترجمہ: فقر میرا سرمایہ فخر ہے، اور میں اس پر فخر کرتا ہوں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ سخاوی، ملا علی قاری، امام صغائی، شیخ عجلوئی، شیخ ابن درویش اور علامہ طاہر پٹی ان تمام حضرات نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

ملا علی قارئی نے کہا کہ: قال العسقلانی هو باطل موضوع. وقال ابن التیمیة هو كذب.

یعنی علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا کہ یہ روایت باطل اور بے سند ہے اور علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ یہ روایت جھوٹی ہے۔

تلخیص الحییر ۱۵۶/۳ میں ہے کہ: ”هذا الحديث سئل عنه الحافظ ابن التیمیة فقال انه كذب لا يعرف في شيء من كتب المسلمين المروية. وجزم الصغاني بانه موضوع“.

یعنی اس حدیث کے متعلق حافظ ابن تیمیہ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ حدیث جھوٹی ہے مسلمانوں کے ذخیرہٴ نب میں کہیں بھی اس کا نام و نشان نہیں۔ اور علامہ صغائی نے جزم و یقین کے ساتھ اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔

(تلخیص الحییر: ج ۴/ص ۱۵۶؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱۶۶؛ المقاصد الحسنة: ص ۳۰۰؛

كشف الخفاء: ج ۲/ص ۸۷؛ اسنی المطالب: ص ۱۶۴؛ تذکرة الموضوعات: ج ۱/ص ۱۷۸؛ المصنوع: ص ۱۲۸)



(۴۷) فکر ساعة خیر من عبادۃ ستین سنة

اس کی تحقیق کے لیے دیکھئے ”فکر ساعة خیر من عبادۃ سنة“ حدیث نمبر ۲۱



(۴۸) قدس العدس علی لسان سبعین نبیاً آخرهم عیسیٰ

ترجمہ: ستر انبیاء کی زبانوں پر دال کی تقدیس (تعریف) کی گئی ہے، جن میں سب سے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علی بن المدینی، علامہ ابن المبارک، امام سخاوی، ملا علی قاری، امام زرکشی، امام سیوطی، ابن الجوزی، شیخ عجلوٹی، علامہ طاہر پٹنی، علامہ نجم غیظی، وغیرہم نے اس روایت کو بے سند اور موضوع قرار دیا ہے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

قال الزركشى باطل نص عليه جماعة من الحفاظ كابن المبارك

والليث بن سعد ومن المتأخرين ابن المديني. (الاسرار: ص ۱۶۹)

ترجمہ: امام زرکشی نے فرمایا کہ یہ روایت باطل ہے، حفاظ حدیث کی ایک جماعت مثلاً عبد اللہ ابن مبارک، لیث بن سعد، اور متاخرین میں سے شیخ علی بن المدینی نے اس کے بطلان کی تصریح فرمائی ہے۔

نیز ملا علی قاری مزید لکھتے ہیں:

قال السخاوي "أخرجه الطبراني من حديث واثلة به مرفوعاً

واسنده ابو نعيم في المعرفة وفي الباب عن علي رضي الله عنه ولا يصح من ذلك شيء بل هو باطل كما قال له ابن المديني" وذكره ابن الجوزي في الموضوعات .

خلاصہ یہ کہ سخاوی نے فرمایا کہ اگرچہ اس روایت کو طبرانی واثلہ کی سند سے مرفوعاً نقل کیا ہے اور ابو نعیم نے بھی اس کو مسند پیش کیا ہے، اور حضرت علیؓ سے بھی یہ روایت نقل کی جاتی ہے قرآن میں سے کوئی روایت بھی ثابت نہیں بلکہ ساری کی ساری باطل ہیں، اور ابن الجوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

علامہ ابن الجوزیؒ نے یہ روایت کسی قدر تغیر الفاظ کے ساتھ دوسند سے ذکر فرمائی ہے، اور دونوں کا کھوٹ بتلا کر حدیث کو موضوع کہا ہے۔

پہلی سند: أنبأنا هبة الله بن أحمد الجريزي أنبأنا إبراهيم بن عمر البرمكي أنبأنا أبو بكر بن بخت أنبأنا أبو القاسم عبد الله بن أحمد قال حدثني أبي حدثني علي بن أبي طالب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عليكم بالعدس فإنه مبارك وأنه يورق له القلب وتكثر له الدمعة وأنه قد بارك فيه سبعون نبياً.

ترجمہ: حضرت علیؑ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم دال کھانا لازم پکڑ لو اس لیے کہ دال بابرکت غذا ہے، اس کی وجہ سے دل نرم ہوتا ہے، آنکھوں سے گرنے والے آنسوؤں میں اضافہ ہوتا ہے اس کے حق میں ستر انبیاء کرام نے برکت کی دعاء فرمائی ہے۔

اس روایت کی سند میں عبد اللہ بن احمد یا اس کا باپ احمد بن عامر تہمت زدہ غیر معتبر ہے، یہ دونوں (باپ بیٹے) اہل بیت نبوت کے حوالہ سے بے سند روایات سنایا کرتے تھے۔

دوسری سند: أنبأنا ابن خيرون أنبأنا أحمد بن علي الحافظ أنبأنا أبو سعيد أحمد بن محمد الماليني أنبأنا منصور بن العباس بن منصور البوسخي عيسى بن شعيب عن الحجاج بن الميمون عن حميد بن أبي حميد عن عبد الرحمن بن دلهم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم قدس العدس على لسان سبعين نبياً منهم عيسى (عليه السلام) بن مريم يورق القلب ويسرع الدمعة.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستر انبیاء کی زبانوں پر دال کی تعریف وارد ہوئی ہے، جن میں حضرت عیسیٰ بھی ہیں، دال دل کو نرم کرتی ہے، اور آنکھوں سے آنسوؤں کے گرنے میں مدد کرتی ہے۔

اس روایت میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن دہم صحابی نہیں ہیں، اسلئے یہ روایت منقطع ہوئی، دوسری بات یہ کہ احس میں عیسیٰ بن شعیب واقع ہے جس کے متعلق ابن حبان کی راہی ہے کہ وہ فاحش الخطاء اور واجب الترحک ہے۔

ان دونوں حدیثوں کے متعلق ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ کسی بد معاش نے یہ دونوں روایتیں شریعت مطہرہ منورہ کو داغدار دکھانے کی نیت سے وضع کی ہیں، کیوں کہ دال گھٹیا درجہ کی چیز ہے، جب اس کی اس قدر تعریف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے پیش کی جائے گی تو اسلام سے تعلق نہ رکھنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نا عقلی کی نسبت کرے گا۔

پھر آگے لکھتے ہیں کہ: عبد اللہ بن المبارک سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا واقعی ستر انبیاء کی زبانوں پر دال کی تعریف و تقدیس کی بات صحیح ہے تو فرمایا نہیں، ستر تو دور کی بات ہے، ایک نبی کی زبان پر بھی نہیں، بلکہ دال تو تکلیف دہ ہے اور سانس پھولنے کی بیماری پیدا کرتی ہے۔

ابن المبارک نے پوچھا تم کو یہ حدیث کس نے بتلائی، تو لوگوں نے بتلایا کہ سلمہ بن سالم نے پھر ابن المبارک نے پوچھا کس کے حوالہ سے تو لوگوں نے کہا کہ آپ کے حوالہ سے تو آپ نے کہا اچھا! میرے حوالہ سے؟

اور سلمہ بن سالم کے بارے میں یحییٰ بن معین کی رائی ہے وہ لیس بشیء ہے۔

مقاصد حسنہ میں علامہ ابن الصلاح نے بھی ابن المبارک سے اس حدیث کا بطلان نقل کیا ہے۔

حافظ ابن موسیٰ مدینی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث باطل ہے، بلا سند کے حضرت ابن عباس اور حضرت واثلہ کے حوالہ سے نقل کر دی گئی ہے۔

(الفوائد المجموعة، ص ۱۶۳/میزان الاعتدال، ج ۲ ص ۱۸۵/الكشف الحثيث: ج ۱/ص ۱۴۹؛
المقاصد ص ۳۰۳؛ الاسرار: ص ۱۶۹؛ المصنوع: ص ۱۲۹؛ مختصر المقاصد، ص ۱۴۵؛
الموضوعات لابن الجوزی: ج ۲/ص ۲۹۴؛ الدرر المنتثرة، ج ۱، ص ۱۵؛ كشف الخفاء ج ۲/ص ۹۲؛
تذكرة الموضوعات: ج ۱/ص ۱۴۷؛ اللآلی، ج ۲/ص ۲۱۲؛ تنزیہ: ج ۲/ص ۲۳۹)



(۴۹) القلب بیت الرب

ترجمہ: دل اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ نے فرمایا کہ ”لیس له أصل فی المرفوع“ امام ابن تیمیہؒ، شیخ عجلوٹی، ملا علی قاریؒ، امام سیوطیؒ، امام زرکشیؒ، شیخ ابن العراق، علامہ طاہر پٹیؒ ان تمام حضرات نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

(المقاصد الحسنة: ج ۱/ص ۱۶۱؛ الدرر المنتثرة: ج ۱/ص ۱۵؛ كشف الخفاء: ج ۲/ص ۹۹؛
الاسرار المرفوعة: ص ۱۷۰؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱/ص ۲۰۰؛ تنزیہ الشریعة: ج ۱/ص ۱۴۸)



(۵۰) (الف) الکلام فی المسجد یا کل الحسنات

کما تأکل النار الحطب

ترجمہ: مسجد میں بات کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

(ب) الحدیث فی المسجد یا کل الحسنات کما تأکل البهیمة الحشیش.

ترجمہ: مسجد میں بات کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح جانور چارہ کو۔

(ج) الکلام المباح فی المسجد یا کل الحسنات کما تأکل النار الحطب.

ترجمہ: مسجد میں مباح کلام کرنا نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ عراقیؒ نے (تخریج احادیث، احیاء: ج ۱/ ص ۴۱۰ میں) لکھا ہے کہ ”لم أقف له علی اصل“ مجھے اس روایت کی کوئی اصل نہیں مل سکی۔

اس روایت کو امام غزالیؒ نے ”احیاء“ میں اور زحشریؒ نے ”کشاف“ میں ذکر کیا ہے، اور بعض دوسری کتب میں حدیث کی حیثیت سے مذکور ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے، ان کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح نہیں ہے، محدثین کرام کی تصریحات اس کے موضوع ہونے پر موجود ہیں۔

علامہ ابن الجوزیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ فیروز آبادیؒ، علامہ شوکانی اور علامہ طاہر پنپنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

علامہ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ ”لم أقف له علی اصل“ مجھے اس کی اصل معلوم نہیں۔

اور محدثین کا ایک طبقہ ہے جو کسی حدیث کے متعلق ”لم اقف له علی اصل“ یا ”لم أجد“ جیسے الفاظ استعمال کریں تو یہ جملہ اس حدیث کے موضوع ہونے کی علامت ہے۔ علامہ عبدالفتاح ابو غدہ لکھتے ہیں کہ علامہ زحشریؒ نے یہ حدیث اپنی تفسیر میں دو مقام پر نقل کی ہے۔

اول سورۃ براءت کی آیت: ”انما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر“ کے تحت۔

دوم سورۃ لقمان آیت ۶ ”ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله“ کے ذیل میں۔ حافظ ابن حجرؒ نے کشاف کی احادیث کی تخریج کی ہے مگر یہاں ان کا عجیب حال رہا ہے کہ آیت براءۃ میں تو فرمایا: ”سيأتى فى سورة لقمان“ کہ سورۃ لقمان میں اس کی تحقیق آئے گی اور آیت لقمان آئی تو لکھ دیا کہ تقدم فى سورة براءۃ یعنی سورۃ براءت میں اس کی حقیقت گزر چکی ہے؛ اب شیخ عبدالفتاح ابو غدہ فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ کا یہ انداز اور طرز عمل بتلا رہا ہے کہ حافظ عراقیؒ کی طرح یہ بھی بے اصل سمجھ رہے ہیں کیوں کہ ان کے نزدیک اس کی کوئی اصل ہوتی تو ضرور ذکر فرماتے، علامہ سفاریؒ نے ”غذاء الألباب شرح منظومة الأدب: ج ۲/ ص ۲۵۷“ میں تحریر فرمایا کہ: ”واما ما اشتهر على الألسنة من قولهم ان النبي صلى الله عليه وسلم قال الحديث فى المسجد و بعضهم يزيد المباح يأكل الحسنات كما تأكل البهيمة الحشيش و بعضهم يقول كما تأكل النار الحطب. فهو كذب لا أصل له“ اس کی کوئی اصل نہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک جھوٹ ہے، المصنوع کے حاشیہ میں شیخ ابو غدہ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے رد المحتار میں تحقیق فرمائی ہے کہ مسجد میں مباح کلام

کی اجازت ہے، کیوں کہ اصحاب صفہ کا قیام مسجد میں ہوتا تھا اور یقیناً وہ باتیں کرتے تھے۔
 اسی طرح ابن حزم نے مسجد میں مباح کلام جس میں کوئی غلط بات شامل نہ ہو اس کے
 جواز پر کئی پختہ دلائل فراہم کئے ہیں، ان باتوں سے مذکورہ حدیث کا بطلان ثابت ہوتا ہے۔
 رہی یہ بات کہ علامہ زحشری، رازی، آلوسی اور بعض فقہاء صوفیہ کا اس حدیث کو نقل
 کرنا باوجود ان کے تبحر علمی و علو مرتبت کے یہ ان کی چوک ہے، ان کو تمام علوم میں کامل
 دسترس تھی مگر علم حدیث میں ان کی وہ شان نہیں تھی، جو محدثین ناقدین کو حاصل تھی، اس لیے
 تحقیق روایات میں ماہرین فن حدیث کی طرف رجوع اور ان ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

(تخریج احیاء: ج ۱/ص ۱۰۷؛ الفوائد المجموعۃ: ج ۱/ص ۲۵؛ کشف الخفاء: ج ۱/ص ۱۰۶؛

تذکرۃ الموضوعات: ج ۱/ص ۲۴۹؛ المصنوع: ص ۹۲)



(۵۱) کن ذنباً ولا تکن رأساً فان الرأس یهلك والذنب یسلم

ترجمہ: دم بن کر رہو، سر نہ بنو، اس لیے کہ سر پھٹ کر کھاتا ہے، اور دم محفوظ رہتی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، شیخ عجلوئی، ملا علی قاری اس کو موضوع کہتے ہیں، نیز فرماتے ہیں کہ یہ
 حضرت ابراہیم بن ادہم کا کلام ہے جو انہوں نے احباب کو بطور نصیحت سنایا تھا۔

شیخ عجلوئی ”کشف الخفاء“ میں لکھتے ہیں ”وقال النجم رواه الدینوری

عن ابراہیم بن ادہم و لیس بحديث وقد اوصی به بعض اصحابه“۔

یعنی شیخ النجم نے فرمایا کہ یہ روایت حدیث نہیں ہے، بل کہ شیخ دینوری نے اس کو

ابراہیم بن ادہم سے نقل کیا ہے، جس کو انہوں نے اپنے اصحاب کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا۔

(۵۲) کنت کنزاً مخفياً فاحببت ان اعرف، فخلقت خلقاً

فعرفتهم بی فعرفونی۔ و فی روایة فتعرفت إلیهم فی عرفونی۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں چھپا ہوا خزانہ تھا پھر میں نے چاہا کہ میں جانا پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا پھر ان کو اپنا تعارف کرایا تو اس نے مجھے پہچانا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، ملا علی قاری، شیخ عجلوٹی، ابن تیمیہ، شیخ طہی، صاحب اسنی المطالب، ابن السید درویش اور علامہ ابن العراق کنائی یہ سارے محدثین اس روایت کو بے سند اور موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاوی لکھتے ہیں ”قال ابن تیمیة انه ليس من كلام النبي صلى الله عليه وسلم ولا يعرف له سند صحيح ولا ضعيف وتبعه الزركشي وشيخنا“ یعنی ابن تیمیہ نے فرمایا کہ یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے اور اس کی نہ تو کوئی صحیح سند موجود ہے، نہ ضعیف اور امام زرکشی اور ہمارے شیخ (ابن حجر عسقلانی) بھی یہی کہتے ہیں۔

شیخ عجلوٹی لکھتے ہیں، کہ یہ روایت بے سند ہے مگر اس پر صوفیاء کے کلام و مواعظ کی بنیاد ہوتی ہے اور یہ روایت ان کے کلام میں بکثرت رائج ہے۔

امام سیوطی نے ”الدور المنتثرة“ میں موضوعات میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے

کہ ”لا اصل له“۔

تنبیہ: ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ یہ روایت کلام نبویؐ تو نہیں ہے مگر اس کا مضمون صحیح اور معتبر ہے، قرآن مجید کی آیت ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُون“ سے مستفاد ہے، اس لیے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ”لیعبدون“ کی تفسیر ”لیعرفون“ سے کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جن وانس کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ جن وانس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو، گویا اللہ تعالیٰ یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے ان کو اس لیے پیدا کیا تا کہ یہ مجھے پہچانیں، اس اعتبار سے روایت اور آیت دونوں کا مفہوم ایک جیسا ہے، مگر پھر بھی یہ روایت حدیث نبویؐ نہیں ہے۔

تنبیہ: یہ روایت مفسرین اور صوفیاء کی بہت سی کتابوں میں مذکور ہے، اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے کیوں کہ علامہ آلوسیؒ نے آیت مذکورہ ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُون“ کے تحت لکھا ہے کہ اس آیت کے ذیل میں یہ روایت ذکر کی جاتی ہے، مثلاً سعد الدین سعید الفرغانیؒ نے ”منتہی المدا رک“ میں اور شیخ اکبرؒ نے ”فتوحات کے باب: ص ۱۹۸“ میں یہی روایت الفاظ کے تھوڑے تغیر کے ساتھ لکھی ہے، مگر محدثین مثلاً ابن تیمیہؒ، زرکشیؒ اور ابن حجرؒ وغیرہم نے ان کا تعاقب کیا ہے اور مکمل تردید فرمائی ہے، اور بعض صوفیاء تو اس کو غیر ثابت مانتے ہیں، پھر بھی اس کو حدیث کی حیثیت سے نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روایت اگرچہ اصول حدیث کی رو سے ثابت نہیں ہے مگر بطریق کشف اس کا ثبوت ہے، چنانچہ شیخ اکبرؒ نے اسی انداز کی بات کہی ہے، جب کہ تصحیح کشفی کوئی چیز نہیں یعنی کشف، ثبوت روایت کا کوئی معتبر ذریعہ نہیں۔

آگے شیخ عبدالفتاح ابو غدہ اس پر حاشیہ لکھتے ہیں کہ علامہ آلوسیؒ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ صوفیاء کی تصحیح کشفی کا محدثین کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں، اور حدیث کی حیثیت متعین

کرتے میں محدثین ہی کی بات کو لینا ضروری ہے، کیوں کہ یہی لوگ اس فن کے شہسوار ہیں،

اور اس فن کے محافظ و نگران ہیں۔ (حاشیۃ المصنوع: ص ۱۴۱ تا ۱۴۲؛ الأسرار المرفوعة: ص ۱۷۹؛

المقاصد الحسنة: ص ۳۲۷؛ اسنی المطالب: ص ۱۸۳؛ كشف الخفاء ج ۲/ ص ۱۳۲؛

تذكرة الموضوعات: ج ۱/ ص ۲۵؛ لدرر المنتثرة: ص ۳۵۲؛ تنزیہ الشریعة: ج ۱/ ص ۱۴۸)



(۵۳) كنت نبياً و آدم بين الماء و الطين

ترجمہ: میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

الفاظ روایت: (الف) كنت نبياً و آدم بين الماء و الطين.

(ب) كنت نبياً و لا آدم و لا ماء و لا طين.

(ج) كنت نبياً و لا أرض و لا ماء و لا طين.

حکم: ان تمام الفاظ میں یہ روایت موضوع ہے۔

تحقیق: اما سخاوی، ملا علی قاری، علامہ صفائی، شیخ عجلوئی، ابن درویش، امام زرکشی، امام ابن تیمیہ اور علامہ طاہر پٹی وغیرہم کی تصریحات سے مذکورہ بالا تینوں روایتوں کا موضوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔

امام سخاوی لکھتے ہیں ”واما الذی علی الالسنۃ بلفظ كنت نبیا و آدم بين

الماء و الطين فلم نقف عليه بهذا اللفظ فضلاً عن زيادة و كنت نبیا و لا آدم

ولا ماء و لا طين“. (المقاصد الحسنة: ص ۳۲۷)

یعنی: ”كنت نبیا و آدم بين الماء و الطين“ اور ”كنت نبياً و لا آدم

ولا ماء و لا طين“ جو عام زبانوں پر دائر ہے ہمیں ان الفاظ میں یہ روایت نہیں ملی۔

”کشف الخفاء“ میں شیخ عجلوئی نے لکھا ہے کہ ”وقال الزرکشی: لا أصل له بهذا اللفظ وقال السيوطي في الدرر، وزاد العوام فيه ولا آدم ولا ماء ولا طين لا اصل له ايضاً“.

(کشف الخفاء: ج ۲/ ص ۱۲۹؛ الدرر المنتشرة: ج ۱/ ص ۱۵؛ اسنى المطالب: ص ۱۸۴؛ الأسرار المرفوعة: ص ۱۷۸)

یعنی زرکشی نے فرمایا کہ اس لفظ میں اس کی کوئی اصل نہیں اور سیوطی نے فرمایا کہ عوام نے جو ”لا آدم ولا ماء ولا طین“ کا اضافہ کیا ہے اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔

”تذكرة الموضوعات“ میں علامہ طاہر پٹی نے اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ”وقال ابن تيمية: موضوع“ (تذكرة الموضوعات: ج ۱/ ص ۸۶) علامہ ابن العراق کنائی نے بھی ”تنزيه الشريعة: ص ۳۳۱“ میں یہی لکھا ہے۔

تنبیہ: یہ بات اپنی جگہ مسلم اور یقینی و قطعی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فیصلہ اور اس کا تحقق اس وقت ہو چکا تھا جب کہ ابھی آدم علیہ السلام کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی مگر یہ مضمون مذکورہ الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں، بل کہ یہ الفاظ تو کسی کے گھڑے ہوئے ہیں، البتہ متعدد و معتبر احادیث میں یہی مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ مثلاً:

(۱) حدیث میسرۃ الفجر قال قلت يا رسول الله متى كنت نبياً، قال كنت نبياً و آدم بين الروح والجسد.

(اخرجه احمد والبخارى فى تاريخه والحاكم فى المستدرک و صحيحه)

(۲) حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قيل للنبي صلى الله عليه وسلم متى كنت نبياً؟ قال: و آدم بين الروح والجسد.

(اخرجه الترمذی والحاكم و صحيحه)

(۳) حدیث العرباض بن ساریہ مرفوعاً: انی عند اللہ لمکتوب خاتم النبیین وان آدم لمنجدل فی طینة. (اخرجه ابن حبان والحاکم فی صحیحہما)

(۴) حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قیل یا رسول اللہ! متى كنت نبیاً؟ قال: و آدم بین الروح والجسد.

(اخرجه الدارمی، المقاصد الحسنة: ص ۳۲۷؛ المصنوع: ۱۴۲)

خلاصہ: یہ کہ مضمون روایت تو اپنی جگہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا فیصلہ اس وقت ہو چکا تھا جب کہ آدم علیہ السلام مرحلہ تخلیق میں مٹی اور گارے کے درمیان تھے۔ مگر وہ خاص تین الفاظ جو اوپر (الف، ب، ج میں) ذکر کئے گئے، ان کا حدیث ہونا ثابت نہیں۔



(۵۴) لا ادری نصف العلم

ترجمہ: لا ادری (میں نہیں جانتا) نصف علم ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، ملا علی قاری، شیخ عجلوی، امام سیوطی، شیخ ابن السید درویش وغیرہم اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

شیخ ابن السید درویش ”اسنی المطالب“ میں لکھتے ہیں: ”هو من كلام السلف مالک وغيره“۔

ملا علی قاری ”الأسرار المرفوعة“ میں تحریر فرماتے ہیں ”قول الشعبي كما رواه الدارمی فی مسنده والبيهقي فی مدخله“۔

امام سخاویؒ نے کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ روایت حدیث مرفوع (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت) نہیں ہے، بل کہ امام شیعہؒ کا قول ہے۔ جس کی امام دارمیؒ نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے اپنی مدخل میں تخریج کی ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی انداز کا کلام منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ”اذا سئل احدکم عما لا ادری فلیقل: لا یدری فانہ ثلث العلم“
یعنی جب کسی سے کسی نامعلوم شے کے متعلق کہا جائے پھر وہ کہے ”لا ادری“ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا تو علم کا ایک تہائی حصہ اس کو حاصل ہے۔

شیخ عبدالفتاح ابو غدہ ”المصنوع“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں، روایت مذکورہ کا جس طرح امام مالکؒ اور عامر شیعہؒ کا قول ہونا مذکور ہوا، اسی طرح یہ ایک صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے جس کو حافظ ابن عبدالبرؒ نے ”جامع بیان العلم و فضلہ: ج ۲/ ص ۵۴“ میں ”باب ما یلزم العالم اذا سئل عما لا یدریہ سن وجوہ العلم“ کے تحت اور اپنی کتاب ”الانتقاء: ص ۳۸“ پر لکھا ہے کہ:

”صح عن أبی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ”لا ادری نصف العلم“
اور جب صحابی سے بھی یہ جملہ منقول ہے تو ان ہی کی طرف نسبت کرنا زیادہ بہتر ہے۔
فائدہ: لا ادری، نصف علم یا ثلث علم ہے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں علم کی دو قسم ہے:
ایک تو یہ کہ کسی مسئلہ کے تعلق سے اس کو مکمل معلومات ہو تو اس صورت میں یہ علم

کامل ہوا۔

دوسری قسم: یہ کہ اس مسئلہ کی معلومات اس کے پاس نہیں مگر وہ یقین رکھتا ہے کہ مجھ کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تو یہ ہے نصف علم یا ثلث علم کہ اگرچہ اس کو اس مسئلہ کا علم نہیں مگر اپنے جہل کا

علم تو ہے، پس اس کو ایک درجہ علم کا حاصل ہے۔

اور ایک تیسری قسم بھی ہے وہ یہ کہ آدمی کو صحیح مسئلہ کا علم نہیں بل کہ بے بنیاد غلط معلومات رکھتا ہے تو یہ جہل ہے بل کہ جہل مرکب ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۴۵۸؛ المصنوع: ص ۲۰۵؛ الاسرار المرفوعة: ص ۲۶۲؛

اسنی المطالب: ص ۲۶۸؛ الدرر المنتثرة: ج ۱ ص ۲۲)



(۵۵) لا تلد الحية إلا الحية

ترجمہ: سانپ کے پیٹ سے سانپ ہی پیدا ہوتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، ملا علی قاری، شیخ عجلوئی اور شیخ ابن السید درویش نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے، امام سخاوی نے لکھا ہے:

”هو في كلمات بعضهم، و ذالك في الأغلب، واليه اشارة بقوله تعالى

”ولا يلدوا الا فاجرا كفارا“ ومن هنا قيل اذا طاب اصل المرء طابت فروعه“.

یہ جملہ بعض لوگوں کا کلام ہے، اور اس کا مضمون بھی علی الاطلاق نہیں بلکہ اکثری

حالت کے اعتبار سے درست ہے، اور آیت کریمہ: ”ولا يلدوا الا فاجرا كفارا“ (یہ

بے ایمان لوگ کافر فاجر کو ہی جنم دیں گے) میں اسی طرف اشارہ ہے، اور اسی قبیل سے یہ

مقولہ بھی مشہور ہے۔

”اذا طاب أصل المرء طابت فروعه“ یعنی جب آدمی کی اصل اچھی ہوتی

ہے، تو اس کی نسل بھی اچھی ہوتی ہے۔

ملا علی قاریؒ اور شیخ عجلوئیؒ اس کے حدیث ہونے کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ
 ”لیس بحديث بل هو مثل من أمثال العرب“۔

یعنی یہ حدیث نہیں بل کہ امثال عرب میں سے ایک مثل ہے۔
 شیخ ابوعبدہ نے ”حاشیۃ المصنوع“ میں لکھا کہ علامہ میدانیؒ کی ”مجمع الامثال“
 ۱۴۱/۲ میں یہ مثل اس طرح موجود ہے:

”لا تلد الفأرة إلا الفأرة و لا الحية إلا الحية“

یعنی چوہا چوہا ہی پیدا کرتا ہے؛ اور سانپ سانپ ہی پیدا کرتا ہے۔

(المقاصد الحسنة: ۴۶۵؛ المصنوع: ۲۰۶؛ اسنی المطالب: ۲۷۲؛ الأسرار المرفوعة: ۲۶۴)



(۵۶) لا تمارضوا فتمرضوا ولا تحفروا قبوركم فتموتوا

ترجمہ: بیمار مت بنو ورنہ بیمار ہو جاؤ گے، اور اپنی قبر خود نہ کھودو ورنہ مر جاؤ گے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، ابن السید درویشؒ، شیخ عجلوئیؒ، امام سیوطیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ،
 علامہ شوکانیؒ وغیرہم اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں، امام سخاویؒ لکھتے ہیں:

”ذكره ابن أبي حاتم في العلل عن ابن عباس وقال عن أبيه انه

منكر، و اسند الديلمي من جهة أبي حاتم الرازي حدثنا عاصم بن ابراهيم

عن المنذر بن النعمان عن وهب بن قيس به مرفوعاً، و على كل حال فلا

يصح و ان وقع لبعض أصحابنا، و أما الزيادة التي على السنة كثير من العامة

فيه و هي ”فتموتوا فتدخلوا النار. فلا أصل لها أصلاً“۔

یعنی اس روایت کو ابن ابی حاتم نے ”العلل“ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ اور اپنے والد ابو حاتم کے حوالہ سے بتلایا کہ یہ روایت منکر ہے۔ ویلمی نے ابو حاتم رازی کی سند سے اس کو مرفوعاً پیش کیا ہے، مگر کسی صورت میں بھی یہ حدیث ثابت نہیں ہے، اگرچہ کہ ہمارے بعض حضرات کے یہاں یہ حدیث پائی جاتی ہے، اور اس میں ”فتموتوا“ کے بعد ”فتدخلوا النار“ کی زیادتی جو بکثرت زبان زد ہے، اس کی تو بالکل ہی کوئی اصل نہیں ہے۔

(المقاصد: ۴۵۹؛ كشف الخفاء: ۳۴۹/۲؛ الدرر المنتشرة للسيوطي: ۲۲/۱؛ تذكرة الموضوعات: ۲۰۶/۱؛ الأسرار المرفوعة: ۲۶۴؛ الفوائد المجموعة: ۲۶۲/۲؛ اسنی المطالب: ۲۶۸)



(۵۷) لكل شيء معدن ومعدن التقوى قلوب العارفين

ترجمہ: ہر چیز کا ایک سرچشمہ ہوتا ہے، تقویٰ کا سرچشمہ اہل معرفت کے قلوب ہوتے ہیں۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: اس روایت کو ابن الجوزیؒ، امام سیوطیؒ، ابن القیمؒ، علامہ شوکانیؒ، شیخ البانیؒ اور محدث عصر شیخ الحدیث علامہ محمد یونس جوینوری دامت برکاتہ موضوع قرار دیتے ہیں۔

شیخ البانیؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔..... ابن الجوزیؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اور اس کی سند پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ روایت خطیبؒ نے اپنی اس سند سے نقل کی ہے ”وثیمة بن موسیٰ بن الفرات حدثنا سلمة بن الفضل عن ابن سمعان عن الزهري عن سالم عن أبيه عن عمر بن الخطاب مرفوعاً“۔ اور ابن سمعان کی امام مالک اور یحییٰ بن معینؒ نے تکذیب کی ہے، اور وثیمہ کے متعلق

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ وہ سلمہ بن فضل کی سند سے کئی موضوع روایتیں نقل کرتا ہے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ امام ذہبی نے بھی ”میزان الاعتدال“ میں اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے، ایک جگہ تو عبد اللہ بن زیاد بن سمعان کے ترجمہ میں لکھا ہے، پھر وشمہ کے ترجمہ کے تحت: اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے ”لسان المیزان“ میں اس روایت کو ابن سمعان کی موضوعات میں شمار کیا ہے۔ (لسان المیزان: ۳/۹۵)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی سند سے اس روایت کی ”شعب الایمان“ میں تخریج کی ہے، مگر اس کی سند میں ابن سمعان عن رجل ذکرہ عن ابن شہاب وارد ہے، یعنی ابن سمعان نے رجل کی مراد متعین نہیں بتلائی اس کی وجہ سے یہ حدیث منکر، ناقابل اعتبار ٹھہری۔ پھر امام سیوطی فرماتے ہیں کہ مجھے اس کی ایک دوسری سند ملی جس کو ”طبرانی“ نے ”معجم کبیر“ میں ذکر کیا ہے، وہ اس طرح ہے: ”حدثنا أبو عقيل انس بن سلمة الخولاني حدثنا محمد بن رجاء السخيتاني ثنا منبه بن عثمان حدثني عمر بن محمد بن زيد عن سالم بن عبد الله عن أبيه مرفوعاً“۔

(المعجم الكبير: ۱۰/۴۴۳، ۷/۱۳۰)

شیخ البانی کہتے ہیں کہ اگرچہ امام سیوطی نے اس سند کے نقل کے بعد سکوت اختیار کیا ہے مگر یہ سند عمدہ نہیں ہے، اس لیے کہ ابو عقیل کا محدثین کے یہاں کوئی ذکر ہی نہیں ہے، اور محمد بن رجاء متہم راوی ہے۔

امام ذہبی کا کہنا ہے کہ محمد بن رجاء سختیانی نے حضرت امیر معاویہؓ کے فضائل میں حدیثیں وضع کی تھیں، اس لیے اس پر وضع کی تہمت ہے۔ ”لسان المیزان“ میں اقرار کیا ہے۔ محدث وقت حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہ العالی اس روایت کے متعلق تحقیق فرماتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ صوفیہ کا کلام ہے مرفوعاً اس کا ثبوت نہیں ہے۔

نور الدین پٹنمیؒ کہتے ہیں ”عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ علیہ وسلم لكل شیء معدن ومعدن التقوی قلوب العارفين وفيه محمد بن رجاء وهو ضعيف انتہی“۔

”و لم يذكر من خرجہ وقيہ سقوط والصواب رواہ الطبرانی وفيہ محمد بن رجاء وهو ضعيف رواہ البيهقي عن عمر وهذا الحديث لا يثبت وقد حكم ابن الجوزی وغيرہ بوضعه کما بسطہ المناوی فی فیض القدیر“۔

(فیض القدیر: ج ۵/ ص ۲۸۶؛ الموضوعات لابن الجوزی: ج ۱/ ص ۱۷۱، ۱۷۲؛ المصنوع: ج ۱ ص ۱۲۴؛ المنار المنيف: ص ۶۶؛ السلسلة الضعيفة: ج ۳/ ص ۳۹۰؛ الفوائد المجموعة: ج ۱/ ص ۲۵۱؛ نوادر الحديث)

خلاصہ: یہ کہ یہ حدیث اگرچہ کئی ایک سندوں سے آئی ہے مگر ایک بھی سند قابل اعتبار نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ابن الجوزیؒ، ذہبیؒ، عسقلانیؒ جیسے ناقدین حدیث نے اس روایت پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے، علامہ ابن قیمؒ نے بھی ”المنار المنيف“ میں اس کو موضوع قرار دیا ہے۔



(۵۸) (الف) لو احسن أحدكم ظنه بحجر لنفعه الله به

(وفی رواية حسن)

(ب) لو اعتقد أحدكم على حجر لنفعه

ترجمہ: (الف) اگر کوئی شخص پتھر کے ساتھ اچھا گمان قائم کر لے تو اللہ تعالیٰ اس پتھر کے ذریعہ اس کا کام بنادیتے ہیں۔

(ب) اگر کسی کو کسی پتھر سے عقیدت ہو جائے تو وہی پتھر اس کا کام بنادیتا ہے۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ ابن تیمیہؒ، امام سخاویؒ، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ، شیخ عجلوئیؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ بیہقیؒ اور ابن درویشؒ یہ تمام محدثین اس روایت کو موضوعات اور بے سند قرار دیتے ہیں۔
ملا علی قاریؒ نے ”موضوعات کبریٰ“ میں لکھا ہے۔

قال ابن تیمیة ”انه موضوع“ و قال ابن القيم ”هو من كلام عباد الأصنام يحسنون ظنهم بالاحجار“ و قال ابن حجر العسقلانی ”لا أصل له“
(الأسرار المرفوعة: ۱۸۹)

اور ”المصنوع: ۱۴۸“ میں ہے قال السخاوی: ”لا أصل له“ وقال ابن تیمیة ”كذب موضوع“

ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ یہ روایت جھوٹی اور گھڑی ہوئی ہے۔

علامہ ابن القيمؒ کہتے ہیں کہ یہ بت پرستوں کا کلام ہے جن کو اپنے بتوں اور پتھروں کے ساتھ اچھے خیالات اور گمان ہوتے ہیں۔

شیخ ابن حجرؒ اور امام سخاویؒ نے فرمایا کہ ”لا اصل له“ یعنی یہ روایت بے اصل اور موضوع ہے۔

(المقاصد الحسنة: ۱/۳۴؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱۸۹، المصنوع: ص ۱۴۸)

اسنی المطالب: ص ۱۹۲؛ تذکرة الموضوعات: ج ۱/ ص ۲۸؛ كشف الخفاء: ج ۲ ص ۱۵۲)



(۵۹) چاول سے متعلق روایات

(۱) لو کان الارز رجلاً لکان حلیمًا.

ترجمہ: اگر چاول مرد ہوتا تو عقلمند ہوتا۔

(۲) الارز منی وانا من الارز.

ترجمہ: چاول مجھ سے ہے اور میں چاول سے۔

(۳) من اکل من الارز اربعین يوماً ظهرت ینابیع الحکمة من قلبه

علی لسانه.

ترجمہ: جس نے چالیس دن چاول کھایا اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں۔

(۴) خلق الارز من بقیة نفسی وفی روایة من بقیة نوری.

ترجمہ: چاول نور کے بقیہ حصہ سے پیدا کیا گیا ہے۔

(۵) الارز فی الطعام کالسید فی القوم والکراث فی البقول بمنزلة

الخبز وعائشة کالثرید وانا کالملح فی الطعام.

ترجمہ: چاول کی کھانوں کے درمیان وہی حیثیت ہے جو سردار کی قوم کے درمیان ہوتی ہے، اور کراث (گندنا) سبزیوں میں روٹی کے درجہ میں ہوتی، اور مانند ثرید کے ہے، اور میں کھانے میں نمک کی طرح ہوں۔

(۶) کل شیء اخرجه الارض فیه شفاء و داء الا الارز فانه شفاء

لا داء فیه.

ترجمہ: ہر وہ چیز جس کو زمین اگاتی ہے اس میں شفاء اور بیماری دونوں ہوتی ہے سوائے چاول کے اس لیے کہ چاول میں صرف شفاء ہے بیماری نہیں۔

(۷) لَو كَانَ الْاَرُزُ حَيَوَانًا لَّكَانَ اَدَمِيًّا و لَو كَانَ اَدَمِيًّا لَّكَانَ رَجُلًا و لَو كَانَ رَجُلًا لَّكَانَ صَالِحًا و لَو كَانَ نَبِيًّا لَّكَانَ مَرْسَلًا و لَو كَانَ مَرْسَلًا لَّكَانَ اَنَا۔
ترجمہ: اگر چاول ذی روح ہوتا تو آدمی ہوتا، اور اگر آدمی ہوتا تو مرد ہوتا، اور اگر مرد ہوتا تو مرد صالح ہوتا، اور اگر صالح ہوتا تو نبی ہوتا، اور اگر نبی ہوتا تو رسول ہوتا، اور اگر رسول ہوتا تو وہ رسول میں ہوتا۔

(۸) نَعَمْ الدَّوَاءُ الْاَرُزُ صَحِيحٌ مُسْلِمٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ۔

ترجمہ: بہترین دوا چاول ہے، ہر بیماری سے محفوظ اور پاک ہے۔
حکم: یہ ساری روایات موضوع ہیں۔

تحقیق: مذکورہ بالا روایات کو محدثین عظام نے موضوع اور غیر معتبر قرار دیا ہے، امام سخاوی، حافظ ابن حجر عسقلانی، ملا علی قاری، شیخ عجلوئی، امام صفائی، امام سیوطی، علامہ ابن القیم، شیخ ابن السید ورویش، علامہ طاہر بیہقی وغیرہم نے ان کے موضوع ہونے کی تصریح فرمائی ہے، درج ذیل عبارات و تحقیقات سے یہ معلوم ہوگا کہ بعض محدثین نے بعض کی اور بعض دوسروں نے بعض دوسری روایات کی پھر مجموعی طور پر تمام ہی روایات کی تغلیط و تکذیب کی ہے، اور وضع کا حکم لگایا ہے، بلکہ متعدد محدثین نے تو چاول سے متعلق پائی جانے والی جملہ روایات کو اکاذیب و باطل اور موضوعات و مختلقات میں شمار کیا ہے۔

مثلاً: امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں پہلی حدیث لَو كَانَ الْاَرُزُ رَجُلًا لَّكَانَ حَلِيمًا نقل فرمائی ہے۔

قال شيخنا هو موضوع - ہماری شیخ ابن حجر کی تحقیق ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اسی طرح امام صغانیؒ نے حدیث نمبر ۲، ۳، ۴، ۷ میں سے ہر ایک پر اپنی کتاب موضوعات الصغانی میں موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے، نیز علامہ ابن السید درویش اسنی المطالب ص ۱۹۶ پر پہلی حدیث نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ: ”قال ابن القيم و ابن حجر هو موضوع، و کل احادیث الارز موضوعة کذب“۔ ترجمہ: علامہ ابن قیمؒ اور ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے، بلکہ چاول سے متعلق تمام تر روایات موضوع اور جھوٹی ہیں۔

ملا علی قاریؒ نے اسی پہلی حدیث کو لکھ کر لکھا: ”قال ابن القيم فی الہدی النبوی هو موضوع و تبعہ العسقلانی فقال هو موضوع و ان کان یجری علی اللسنة و کذا احادیث الارز موضوعة کلھا“۔ ترجمہ: علامہ ابن قیمؒ نے ”الہدی النبوی“ میں اس کو موضوع قرار دیا ہے اور ان کی اتباع میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی یہی بات فرمائی کہ یہ حدیث اگرچہ زباں زد ہے مگر موضوع ہے؛ اور یہی حال چاول سے متعلق تمام تر روایات کا ہے۔

علامہ عجلونیؒ تحریر فرماتے ہیں: ”الارز منی و انا من الارز“ موضوع کما فی المقاصد و غیرھا و کذا من اکل الارز اربعین یوماً ظہرت ینابیع الحکمة من قلبہ علی لسانہ کما قال الصغانی و کذا لک قولہم خلق الارز من بقیة نفسی و قال النجم من الباطل المکذوب ما رواہ الدیلمی عن علی بن ابی طالب بلفظ الارز فی الطعام کا لسید فی القوم و الکراث فی البقول بمنزلة الخبز و عائشة کا لثريد و انا کا لملح فی الطعام“۔

نیز اس کے بعد شیخ عجلونی لکھتے ہیں کہ:

وقال الحافظ السيوطي في شرح التقريب ومن الموضوع احاديث الارز والعدس والباذنجان والهريسة .

ترجمہ: امام سیوطی تقریب کی شرح میں فرماتے ہیں کہ احادیث موضوعہ کی ہی قبیل سے چاول، دال، باذنجان اور ہر تیسے سے متعلق ساری احادیث بھی ہیں۔

نیز حدیث نمبر ۶ کل شیء اخر جتہ..... الخ کے متعلق شیخ عجلونی نے لکھا کہ قال ابن حجر المکی نقلا عن السيوطي كذب موضوع.

ترجمہ: شیخ ابن حجر مکی نے امام سیوطی سے نقل کرتے ہوئے اس کو موضوع و مکذوب قرار دیا ہے۔

علامہ طاہر پٹنی نے بھی ان روایات کو موضوع قرار دیا ہے، اور امام سخاوی وغیرہ کی عبارتوں سے استفادہ کیا ہے۔

(الاسرار، ص ۱۹۳ / مختصر المقاصد، ص ۱۶۱ / المقاصد الحسنة، ص ۳۴۶ / موضوعات الصفاني: ج ۱/ ۳ / كشف الخفاء: ج ۱ / ص ۱۱۶، ۱۵۴، ۱۶۱، ج ۲ / ص ۱۲۴، ۱۶۰، ۲۲۹، ۳۲۱)



(۶۰) لو كشف الغطاء ما ازددت يقيناً

ترجمہ: اگر (غیب کی چیزوں سے) پردہ ہٹا دیا جائے پھر بھی میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ یہ جملہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔ مگر علامہ قشیریؒ نے اپنے رسالہ کے اندر باب الیقین میں لکھا ہے کہ عامر بن عبد اللہ بن

عبد قیس کا قول ہے، شیخ عبدالفتاح ابو غدہ نے ملا علی قاریؒ کی موضوعات صغریٰ (المصنوع) کے حاشیہ میں عامر بن قیس کی ترجمہ کے تحت لکھا ہے کہ یہ عامر بن قیس نسبتاً تسمیٰ عنبری ہیں، اہل زہد و عبادت تابعین کے سرداروں میں سے ہیں، بصرہ میں تابعین میں سب سے پہلے مسائل حج کی معلومات انہوں نے حاصل کی ”راہب هذه الامة“ کے لقب سے موسوم تھے۔

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن سیکھا اور انہیں سے حج اور دوسری عبادات کے مسائل خصوصیت کے ساتھ حاصل کئے، متعدد صحابہ کرامؓ سے انہوں نے ملاقات کی ہے اور ان سے روایات بھی لی ہیں، اور ان سے حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ نے روایات لی ہیں، اولیں قرنیٰ اور ابو مسلم خولائی کے معاصرین میں ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں ان کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے اوپر یومیہ ایک ہزار رکعت (نفل) فرض کر رکھی تھی۔

پھر حافظؒ نے ان کی کئی عظیم کرامتیں بھی ذکر فرمائی ہیں۔ ۵۵ھ میں بیت المقدس میں

ان کی وفات ہوئی۔ (المصنوع: ص ۱۴۹؛ الأسرار المرفوعة: ص ۱۹۳)



(۶۱) لولاک لما خلقت الأفلاک

ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔

حکم: ان الفاظ میں موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، امام شوکانیؒ، علامہ طاہر پٹیؒ، امام صفائیؒ، شیخ البانیؒ شیخ عجلوئیؒ اور شیخ ابن درویشؒ ان بھی حضرات نے اس کو موضوع بتلایا ہے۔

ملا علی قارئی اس روایت کو موضوعات میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”قال الصغاني انه موضوع كذا في الخلاصة لكن معناه صحيح

فقد روى الديلمي عن ابن عباس مرفوعاً اتاني جبرئيل فقال يا محمد!

لو لاك لما خلقت الجنة ولو لاك لما خلقت النار، وفي رواية ابن

عساكر: لو لاك لما خلقت الدنيا“۔ (الأسرار المرفوعة: ۱۹۴؛ كنز العمال: ۲۵ تا ۳۲)

یعنی علامہ صفائی نے فرمایا کہ یہ روایت موضوع ہے لیکن اس کا مضمون اپنی جگہ صحیح

ہے، اس لیے کہ دیلمی نے ابن عباس سے مرفوعاً نقل فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نہ ہوتے تو

میں جنت اور جہنم کو پیدا نہ کرتا۔ اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ اے محمد! اگر آپ کو پیدا نہ

کرنا ہوتا تو میں دنیا کو نہ بناتا۔

اسی طرح ”کنز العمال: ۳۸-۳۲“ میں وارد ہے، آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ

نے فرمایا: ”لو لا محمد ما خلقتک“۔ یعنی اگر محمد کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو اے آدم تم کو بھی

پیدا نہیں کرتا۔

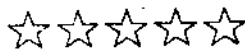
معلوم ہوا کہ ”لو لاك لما خلقت الا فلاك“ کے الفاظ حدیث کے الفاظ

نہیں ہیں مگر اس کا مضمون معتبر ہے۔

(المصنوع: ص ۱۵۰؛ الفوائد المجموعة: ص ۳۲۶؛ كشف الخفاء: ج ۱/ ص ۴۵؛

تذكرة الموضوعات: ج ۱/ ص ۶۱۲؛ موضوعات الصغاني: ج ۱/ ص ۳؛

سلسلة الأحاديث الضعيفة: ج ۱/ ص ۴۵۰)



(۶۲) لهدم الكعبة حجراً حجراً أهون على الله من قتل المسلم
ترجمہ: کعبہ کی ایک ایک اینٹ نکال کر منہدم کر دینا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک مسلمان کی جان
لینے سے کم درجہ کا گناہ ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ ابن السید درویشؒ اور علامہ بیہقیؒ وغیرہم اس روایت کو
موضوع کہتے ہیں۔

نیز فرماتے ہیں کہ روایت کے الفاظ مذکورہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت
نہیں ہیں، لیکن اس کے مضمون سے ملتی جلتی متعدد روایتیں موجود ہیں۔ مثلاً:

(الف) عن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أذى مسلماً
بغير حق فكانما هدم بيت الله تعالى. (رواه الطبرانی في الصغير)

یعنی حضرت انسؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس
نے کسی مسلمان کو ناحق تکلیف دی اس نے گویا بیت اللہ کو منہدم کر دیا۔

(ب) عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال رأيت رسول الله صلى الله عليه
وسلم يطوف بالكعبة ويقول ما أطيب وأطيب ريحك وأعظم حرمتك؟
والذي نفس محمد بيده لحرمة المؤمن، أعظم عند الله حرمة منك ماله و
دمه وإن نظن به إلا خيراً. (رواه ابن ماجه؛ الفتن حرمة دم المؤمن وماله: ۴۰۶۷)

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ طواف کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے، کہ اے کعبہ! تو کتنا پاکیزہ ہے اور

تیری خوشبوں کس قدر پاکیزہ اور تیری شان کیسی عظیم! مگر اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، ایک مومن کی جان و مال کی عظمت تجھ سے بڑھ کر ہے اس لیے ہم کو مومن کے ساتھ ہمیشہ اچھا گمان رکھنا چاہیے۔

(ج) عن بريدة ان النبي صلى الله عليه وسلم قال قتل المؤمن أعظم عند الله من زوال الدنيا. (رواه النسائي)

یعنی حضرت بريدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مومن کا قتل اللہ کے نزدیک دنیا کے زوال سے زیادہ بڑھ کر ہے۔

(د) عن عبد الله بن عمرو بن العاص ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لزوال الدنيا أهون عند الله من قتل رجل مسلم. (رواه النسائي والترمذی)

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کا زوال اللہ کی نگاہ میں ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں معمولی بات ہے۔

(هـ) عن البراء بن عازب ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لزوال الدنيا أهون على الله من قتل مؤمن بغير حق. (رواه ابن ماجه)

یعنی حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پوری دنیا کا ختم ہو جانا اللہ کی نگاہ میں ایک مومن شخص کے ناحق قتل کے مقابلہ میں بے قیمت ہے۔

(اسنی المطالب: ص ۱۹۲؛ المقاصد الحسنة: ص ۳۴۰؛ الأسرار المرفوعة: ص ۱۸۹؛

المصنوع: ص ۱۴۶؛ تذكرة الموضوعات: ص ۱۸۴؛ كشف الخفاء ج ۲/ ص ۱۵)



(۶۳) گلاب کے پھول سے متعلق روایات

(۱) لیلة اسری بی الی السماء سقط الی الارض من عرقی فنبت

منه الورد فمن احب ان یشم رائحتی فلیشم الورد.

ترجمہ: معراج کی رات مجھے آسمان کی سیر کرائی گئی تو زمین پر میرا پسینہ ٹپکا۔ اس سے گلاب کا پھول اُگا، پس جس کو یہ پسند ہو کہ میری خوشبو سے لطف اندوز ہو تو اس کو گلاب کو سونگھ لینا چاہیے۔

(۲) لما عرج بی الی السماء بکت الارض من بعدی فنبت

الصف من مائها فلما انی رجعت قطر من عرقی علی الارض نبت منه ورد احمر الا من اراد ان یشم رائحتی فلیشم الورد الاحمر.

ترجمہ: جب مجھ کو معراج میں آسمان پر بلایا گیا تو زمین میرے جانے کے بعد رونے لگی جس کے آنسوؤں کے قطرے سے سفید پھول والا ایک خاردار درخت پیدا ہوا، پھر جب میں واپس ہوا تو میرے پسینے کے کچھ قطرے زمین پر پڑے جس کی برکت سے سرخ گلاب کا پھول اُگا، سنو! جس شخص کو میری خوشبو سونگھنا مقصود ہو وہ سرخ گلاب کا پھول سونگھ لے۔

(۳) الورد الابيض خلق من عرقی لیلة المعراج وخلق الورد

الاحمر من عرق جبریل وخلق الورد الا صفر من عرق البراق.

ترجمہ: سفید گلاب کا پھول لیلة المعراج میں میرے پسینے سے پیدا کیا گیا، اور سرخ گلاب کا پھول جبریل کے پسینے سے، اور زرد گلاب کا پھول براق کے پسینے سے۔

(۴) من اراد ان یشم رائحتی فلیشم رائحة الورد.

ترجمہ: جس کو خواہش ہو کہ میری خوشبو سے محفوظ ہو تو اس کو گلاب کی خوشبو سونگھ لینا چاہیے۔

(۵) من اراد ان یشم رائحتی فلیشم رائحة الورد الاحمر.

ترجمہ: جس کو میری خوشبو سونگھنا مقصود ہو تو وہ سرخ گلاب کا پھول سونگھ لے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلوئیؒ، امام سیوطیؒ، امام نوویؒ، ابن الجوزیؒ، علامہ طاہرؒ، امام صفائیؒ، وغیرہم یہ تمام محدثینؒ ان تمام روایات کو موضوع قرار دیتے ہیں، عبارات ذیل سے معلوم ہوگا کہ بعض محدثینؒ نے بعض روایات کی اور بعض نے بعض کی اور کچھ حضرات نے تو یہ کلیہ ہی بیان کر دیا کہ اس عنوان پر نقل کی جانے والی تمام ہی روایات غیر معتبر اور گھڑی ہوئی ہیں۔

علامہ ابن الجوزیؒ نے روایات مذکورہ کی سند پر کلام کرتے ہوئے لکھا کہ یہاں کل روایات ہیں جو چار صحابہ کرامؓ سے منقول ہیں۔

پہلی روایت حضرت علیؓ سے مروی ہے جس کی سند اس طرح ہے:

انبأنا ابوالقاسم بن السرقندی أنبأنا اسماعيل بن مسعدة أنبأنا حمزة بن يوسف حدثنا ابن عدي حدثنا الحسن بن علي العدوي حدثنا محمد بن صدقة العنبري و محمد بن تميم و ابراهيم بن موسى قالوا حدثنا موسى بن جعفر عن ابيه جعفر عن محمد عن أبيه علي عن ابيه الحسين عن أبيه علي بن ابي طالب رضي الله عنه قال ، قال : رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة اسرى بي ... الحديث.

یہ روایت گھر کراہل بیت رضوان اللہ علیہم کی طرف منسوب کر دی گئی ہے اس میں

محمد بن صدقہ اور ابراہیم بن موسیٰ اور محمد بن تمیم غیر معروف راوی ہیں، اور حسن بن علی عدوی پر وضع حدیث کی تہمت ہے یہ شخص محدثین کے نزدیک وضع فی الحدیث میں مشہور ہے۔

دوسری روایت حضرت انسؓ سے مروی ہے جس کی دو سندیں پائی جاتی ہیں۔
جس کی پہلی سند اس طرح ہے:

”انبأنا محمد بن ناصر انبأنا عبد المحسن بن محمد بن علی انبأنا
اصد بن عمر بن روح النهروانی انبأنا القاضي أبو الفرج المعانی بن زکریا
حدثنا الليث بن محمد بن الليث المروزی حدثنا أبو الحسن صعصعه بن
الحسن الرقی حدثنی محمد بن عنبسة بن حماد حدثنا ابی عن جعفر بن
سليمان عن مالك بن دينار عن انس بن مالك قال، قال: رسول الله صلى
الله عليه وسلم لما عرج بي الى السماء..... الحديث“.

دوسری سند اس طرح ہے:

”ابو الحسن بن فارس فی کتاب الريحان والراح قال حدثنا مکی
بن نبدار حدثنا الحسن بن علی بن عبد الواحد المقدسی حدثنا هشام بن
عمار حدثنا مالک بن انس عن الزهري عن انس قال، قال: رسول الله
صلى الله عليه وسلم الورد الابيض الحديث“.

ان دونوں سندوں کے متعلق ابن الجوزیؒ کا کہنا ہے کہ پہلی سند میں کئی نامعلوم
مجهول راوی پائے جاتے ہیں، اور دوسری سند میں حسن بن علی مقدسی پر وضع حدیث کی تہمت
ہے، امام سیوطیؒ اللالی میں ابن عساکر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالنجیب الرومی کا فیصلہ
ہے کہ حسن بن علی مقدسی مجهول راوی ہیں اور یہ حدیث ”الورد الابيض“ موضوع

ہے، کسی نے اس سند کے ساتھ گھڑ کر پیش کر دیا ہے، پھر امام ابن حجر عسقلانی اور حافظ ذہبی کے حوالہ سے اس روایت کا بطلان ذکر فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: ”وفی اللسان الحسن بن عبد الواحد قال ابن ناصر اتهم روى حديثاً فى الورد لا اصل له وقال فى الميزان باطل“۔ (الآلئى المصنوعة ج ۲ ص ۲۷۶)

ترجمہ: لسان المیزان میں ابن حجر عسقلانی نے ابن ناصر کے حوالہ سے بتلایا کہ حسن بن عبد الواحد بن علی متہم ہے اور اس کی ذکر کردہ حدیث الورد کی کوئی اصل نہیں ہے موضوع ہے؛ اور حافظ ذہبی نے بھی میزان الاعتدال میں اس کو باطل قرار دیا ہے۔

چوتھی روایت حضرت جابرؓ سے مروی ہے، جس کی سند الآلئى المصنوعة میں اس طرح مذکور ہے ”رواہ احمد بن یحییٰ التلہی عن ابیہ عن جدہ عن الاعمش عن ابن المنکدر عن جابر رضی اللہ عنہ مرفوعاً من اراد ان یشم... الحدیث“ اس روایت کی سند میں احمد ہے جس کے متعلق امام دارقطنی نے کہا کہ وہ متروک ہے۔

پانچویں روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس کی سند اس طرح ہے: ”ابو الحسن بن فارس قال روى هشام بن عروة أبیه عن عائشة رضی اللہ عنہ قالت: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اراد ان یشم.... الحدیث“ اس کے متعلق ابن جوزی نے کہا کہ مارواہ ابن هشام قط قال محمد بن ناصر لا اصل لهذا الحدیث۔

(الموضوعات: ج ۳ ص ۱۶۱ المقاصد: ج ۱ ص ۱۳۰ الاسرار: ص ۱۳۴)

تنزیہ الشریعة: ج ۲ ص ۲۷۰ موضوعات الصفائی ج ۱ ص ۱۳ الآلئى ج ۲ ص ۲۷۵

تذکرۃ الموضوعات: ج ۱ ص ۱۶۱ المصنوع: ص ۲۰۳ الدرر المنثورة: ج ۱ ص ۲۳



(۶۴) لی مع اللہ وقت لا یسع فیہ ملک مقرب

و لا نبی مرسل

ترجمہ: مجھ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک گھڑی نصیب ہوتی ہے جس میں کسی مقرب فرشتے اور کسی نبی مرسل کی بھی شرکت نہیں ہوتی۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، شیخ عجلوئی، ملا علی قاری، شیخ ابن السید درویشؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع کہتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ نے ”المصنوع: ۱۵۱“ میں لکھا ہے کہ: ”من کلام الصوفیة و ليس

بحديث“۔

یعنی یہ روایت کلام صوفیہ کے قبیل سے ہے، حدیث نہیں ہے۔

امام سخاویؒ ”المقاصد الحسنة: ۳۵۶“ میں لکھتے ہیں کہ ”یذكره المتصوفة كثيرا

و هو في رسالة القشيري لكن بلفظ ”لي مع الله وقت لا يسعني غير ربی“۔

اہل تصوف اس روایت کو بکثرت بیان کرتے ہیں اور امام قشیریؒ کے رسالہ میں بھی

”لی مع اللہ وقت لا یسعنی غیر ربی“ کے الفاظ کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۳۵۶؛ كشف الخفاء: ج ۲/ ص ۱۷۳؛ المصنوع: ص ۱۵۱؛ الأسرار المرفوعة: ص ۱۹۷)



(۶۵) ما تعاظم علی أحد مرتین

ترجمہ: کوئی شخص ایک سے زائد مرتبہ مجھ پر حاوی نہیں ہو سکتا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلوٹیؒ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ نے لکھا ہے کہ

”هو من كلام غير واحد من السلف، ففي المجالسة للدينوري عن

الاصمعي قال: قال اعرابي اتاه على احد مرتين قيل وكيف ذاك قال انه

اذاتاه على مرة لم اعد اليه“۔

یعنی اسلاف میں متعدد حضرات سے اس قسم کا کلام منقول ہے، علامہ دینوریؒ کی

کتاب ”المجالسة“ میں ہے کہ امام اصمعیؒ نے بتلایا کہ ایک اعرابی نے کہا مرے اوپر کسی

نے ایک سے زائد مرتبہ اپنا زور نہیں دکھایا اس لیے کہ جب کسی نے اس قسم کی حرکت کی تو میں

دوبارہ اس کے قریب نہیں گیا۔

تنبیہ: یہ روایت حدیث نبویؐ تو نہیں ہے، مگر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مضمون صحیحین

کی ایک حدیث میں مذکور ہے، جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین“ مومن بندہ

ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا ہے۔

اس کی توضیح میں شیخ عبدالفتاح ”المصنوع“ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ کفار میں

ابو عزمہ الجمحیؓ ایک شاعر تھا وہ غزوہ بدر کے موقع پر قید کیا گیا تو اس نے اپنی رہائی کے

لیے یہ حیلہ اختیار کیا کہ منہ بنا کر عاجزی کے ساتھ کہتا ہے کہ یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ میں صاحب اہل و عیال تنگ دست آدمی ہوں، آپ مجھ پر احسان کر دیجئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری درخواست منظور ہے اس شرط کے ساتھ کہ آئندہ تو اپنے اشعار میں میرے خلاف کوئی بات نہ کرے گا؛ اس شرط پر آپ نے اس کو چھوڑ دیا، لیکن اگلے سال غزوہ احد کے موقع پر پھر مشرکین کے ساتھ وہ میدان میں آیا اور اپنی کلابازیاں دکھلا رہا تھا، کفار کو مسلمانوں کے خلاف ابھار رہا تھا، اسی دوران وہ دوبارہ قید کر لیا گیا، پھر وہ وہی باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ آپ مجھ پر احسان کر دیجئے، آپ نے اس وقت یہ جملہ ارشاد فرمایا: ”لایلدغ المؤمن من جحر مرتین“ مومن ایک بل سے دوبار نہیں ڈسا جاتا، اگر آج تم کو دوبارہ چھوڑ دیا جائے تو تو مکہ پہنچتے ہی یہ کہے گا کہ میں نے محمد کو دو مرتبہ دھوکہ دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم فرمایا اور وہ قتل کر دیا گیا۔

(المصنوع: ص ۱۶۰، بحوالہ جمہرة الامثال لأبی ہلال العسکری: ج ۲ ص ۷۶۲)

مجمع الامثال للمیدانی: ج ۲/ص ۱۱۰؛ الأسرار المرفوعة: ص ۲۰۱؛ المقاصد الحسنة: ص ۳۶۵

کشف الخفاء: ج ۲/ص ۱۸۴



(۶۶) مَا مِنْ نَبِيٍّ نَبِيٍّ إِلَّا بَعْدَ الْأَرْبَعِينَ

ترجمہ: ہر نبی کو نبوت چالیس سال کے بعد دی گئی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام ابن الجوزیؒ، امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، امام سیوطیؒ، شیخ عجلوٹیؒ یہ تمام حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاویؒ لکھتے ہیں: ”قال ابن الجوزی انه موضوع، لان عیسیٰ علیہ السلام نبی و رفع الی السماء و هو ابن ثلاثة و ثلاثین سنة؛ فاشترط الاربعین فی حق الانبیاء لیس بشیء۔“

یعنی علامہ ابن الجوزیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث موضوع غیر معتبر ہے۔ اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نبی بنایا گیا پھر آسمان پر اٹھایا گیا جب کہ آپ کی عمر کل ۳۳ سال تھی، لہذا چالیس سال کی قید مسئلہ نبوت میں کچھ معنی نہیں رکھتی۔

(المقاصد الحسنة: ص ۳۷۲؛ الدرر المنتشرة ج ۱ ص ۱۷؛ كشف الخفاء: ج ۲ ص ۹۴)

(المصنوع: ص ۱۶۳؛ الأسرار المرفوعة: ص ۲۰۵)



(۶۷) ما وسعنی أرضی و لا سماءی و وسعنی قلب عبدی

المؤمن (وفی رواية) المؤمن اللین الوادع

ترجمہ: مجھ کو نہ زمین سما سکی نہ آسمان، لیکن میرے مومن بندہ کے دل نے مجھے سمولیا۔
اور ایک روایت میں ہے نرم و رقیق دل والے مومن بندے کے دل نے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام غزالیؒ نے یہ روایت ”احیاء“ میں درج کی ہے، مگر احادیث احیاء کی تخریج کرنے والے شیخ عراقیؒ فرماتے ہیں کہ ”لم ارله اصلاً“ مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی سند سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔

امام زرکشیؒ کا کہنا ہے کہ یہ روایت کسی ملحد کی گھڑی ہوئی ہے۔

امام سیوطیؒ اور امام سخاویؒ نے وہب بن منبہ کی سند سے ایک اسرائیلی روایت اسی انداز کی ذکر فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ: ”ان الله فتح السموات لحز قیل حتی نظر الى العرش فقال حز قیل سبحانک ما اعظمک یا رب فقال الله تعالیٰ ان السموات و العرش ضعفن عن ان یسعی و وسعی قلب عبدی المؤمن اللین الوداع“۔

یعنی حضرت حز قیل علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو کھولا یہاں تک کہ ان کی نگاہ عرش تک پہنچ گئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے پروردگار! آپ کی ذات کس قدر پاک ہے، آپ کتنی عظمتوں والے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا اے حز قیل! یہ آسمان اور عرش یہ سب میری محبت و معرفت کا بوجھ اٹھانے سے عاجز رہے لیکن میرے مومن بندہ کے نرم و نازک دل نے یہ دولت سنبھالی۔

اسی طرح علامہ طاہر پٹنیؒ، علامہ ابن عراق کنائیؒ، صاحب اتحاف السادة المتقین علامہ زبیدیؒ وغیرہم نے روایت مذکورہ بالا (ما وسعی ارضی) کو بے سند اور موضوع قرار دیا ہے۔

تنبیہ: علامہ عراقیؒ، امام سخاویؒ، شیخ النجمؒ اور شیخ عجلوئیؒ نے اس روایت کے وضع کئے جانے کی بنیاد کی طرف کچھ اشارہ فرمایا کہ ابن ماجہ اور طبری میں ایک روایت ابو عبیدہ الخولانی سے مرفوعاً اسی انداز کی مروی ہے، وہ یہ ہے کہ ”ان لله آنية من أهل الأرض و آنية ربکم قلوب عباده الصالحین و احبها اليه لينها و ارقها“۔

یعنی روئے زمین پر کچھ اللہ کے برتن ہیں تمہارے رب کے برتن نیک بندوں کے دل ہیں، اور دلوں میں سب سے زیادہ پیارے اللہ کی نگاہ میں نرمی و رقت والے دل ہیں۔

یعنی اس روایت کا مضمون چوں کہ قلب مومن کی اہمیت و عظمت کو بتلا رہا ہے اس لیے بہت ممکن ہے کسی نے یہیں سے مدد لے کر ”ما وسعنی ارضی“ اور ”القلب بیت الرب“ والی بات کہی ہو پھر یہ حدیث نبوی کی حیثیت سے مشہور ہو گئی ہو۔



(۶۸) مداد العلماء أفضل من دماء الشهداء

ترجمہ: علماء کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: شیخ خطیب بغدادیؒ نے فرمایا کہ یہ روایت موضوع ہے، علامہ زرکشیؒ نے اس کو موضوع قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حدیث نبوی نہیں، بل کہ حضرت حسن بصریؒ کا کلام ہے، شیخ عجلوئی اور شیخ ابن السید درویشؒ اور صاحب اسنی المطالبؒ نے بھی اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

امام سخاویؒ کے نزدیک بھی یہ حدیث موضوع ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ”رواہ المنجنيقي في رواية الكبار عن الصغار له عن الحسن البصري وقال الزركشي نقلاً عن الخطيب موضوع، وقال: هذا من كلام الحسن“۔
امام سیوطیؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”قال الخطيب انه موضوع“۔

تنبیہ (۱): یہ روایت ان الفاظ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، مگر کلمات ذیل میں کچھ اسی انداز کا مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔

(الف) رواہ ابن عبد البر فی فضل العلم عن سماک بن حرب عن ابی الدرداء مرفوعاً ”یوزن یوم القیامة مداد العلماء ودم الشهداء“۔

یعنی: قیامت کے دن علماء کی روشنائی اور شہداء کا خون تولایا جائے گا۔

(ب) خطیبؒ نے تاریخ بغداد میں اس کو اس طرح نقل کیا ہے ”نافع عن ابن عمر رفعہ۔ وزن حبر العلماء بدم الشهداء فرجح علیہم“۔ وفی سندہ محمد بن جعفر اتہم بالوضع“۔

یعنی علماء کی روشنائی کو شہداء کے خون کے ساتھ وزن کیا جائے گا تو علماء کی روشنائی وزن دار ہو جائے گی۔

لیکن اس کی سند میں محمد بن جعفر آیا ہے، جو متہم بالوضع ہے، اس لیے یہ روایت غیر معتبر اور موضوع ہے، مگر اس کے آگے علامہ طاہر پٹنی لکھتے ہیں کہ ”لکنہ متابع“ اگرچہ اس کی یہ سند متہم بالوضع ہے مگر دوسری سندوں سے اس کی متابعت ثابت ہے۔

(ج) دیلمیؒ نے اس روایت کو اس طرح نقل کیا ہے: ”عبد العزیز بن رواد عن نافع بہ بلفظ: یوزن حبر العلماء ودم الشهداء فی رجح ثواب حبر العلماء علی ثواب دم الشهداء“۔ (المقاصد: ص ۳۷۷)

(د) اس روایت کو شیرازیؒ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔

(ھ) علامہ موہبیؒ نے اس کو عمران بن الحصین کی سند سے ذکر کیا ہے۔

(و) ابن الجوزیؒ نے اپنی علل میں نعمان بن بشیر کے حوالہ سے لکھا ہے، جیسا کہ شیخ

عجلوٹی، ان تمام اسانید طرق کے بعد لکھتے ہیں کہ ”قال المناوی و اسانیدہ ضعیفہ لکن یقوی بعضها بعضاً“۔

یعنی امام مناویؒ نے فرمایا کہ اس کی سندیں ضعیف ہیں لیکن بعض بعض سے مل کر قوی ہو جاتی ہیں۔

خلاصہ: یہ ہے کہ ”مداد العلماء افضل من دماء الشهداء“ کے الفاظ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہیں، لیکن دوسرے الفاظ میں یہ مضمون حدیث شریف میں وارد ہوا ہے، اگرچہ اس کی اسانید ضعیف ہیں مگر باہمی متابعت کی وجہ سے قوت آ جاتی ہے۔

تنبیہ (۲): یہ روایت اگرچہ حدیث سے ثابت نہیں ہے مگر اس کا مضمون صحیح ہے، کیوں کہ یہ سچ ہے کہ علماء کی روشنائی (ان کی تحریروں) سے جس قدر امت کو نفع پہنچتا ہے، شہداء کے خون سے اس قدر نہیں پہنچتا، علماء کی تحریر کا نفع متعدی ہے خود ان کو بھی پہنچتا ہے اور دوسروں کو بھی، اور شہداء کے خون کا نفع لازم ہے، جو اسی کی ذات تک محدود رہتا ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: ”قلت و معناه صحيح لان نفع دم الشهيد قاصر

و نفع قلم العالم متعدد حاضر“۔ (الاسرار المرفوعة: ص ۲۰۸)

یعنی میں کہتا ہوں کہ شہید کی شہادت کا فائدہ صرف اس کی ذات کو پہنچتا ہے اور بس مگر عالم کے قلم کا نفع دوسروں تک متعدی ہوتا ہے اور دیر پا ہوتا ہے۔

تنبیہ (۳): اسی سے ملتی جلتی ایک اور روایت نقل کی جاتی ہے وہ بھی موضوع ہے وہ یہ ہے:

”نقطة من دواة عالم احب إلى الله من عرق مائة ثواب شهيد“۔

یعنی: عالم کی روشنائی کا ایک نقطہ (قطرہ) اللہ تعالیٰ کے نزدیک سو شہیدوں کے پسینے

سے زیادہ محبوب ہے۔

اس روایت کو علامہ طاہر بیٹیؒ نے ”تذكرة الموضوعات“ میں امام سیوطیؒ کی

”الذیل“ کے حوالے سے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ: موضوع رتنی۔ (رتن ہندی کی گمزی ہوئی ہے)

رتن ہندی کون؟:

ہندوستان میں ایک شخص گزرا ہے جس کا نام تھا، رتن، اس کے متعلق علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے:

و ما ادراک ما رتن؟ شیخ دجال بلا ریب، ظہر بعد ستمائة فادعی الصحبة، والصحابة لا یکذبون، و هذا جرى علی اللہ و رسولہ. و قد ألفت فی أمرہ جزءاً ۱. و قد قیل: انه مات سنة اثنتین و ثلاثین و ستمائة. و مع کونه کذاباً فقد کذبوا علیہ جملة کبيرة من أسمع الکذب و المحال.

(میزان الاعتدال: ۴۵/۲)

تمہیں معلوم ہے، رتن ہندی کیا ہے؟ بلاشبہ وہ دجال ہے، چھ سو سال کے بعد ظاہر ہوا اور خود کے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا، صحابہ تو جھوٹ نہیں بولتے تھے اور یہ شخص اللہ اور اس کے رسول پر بڑا جری ہے، میں نے اس کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے کہا گیا ہے کہ اس کا انتقال ۶۳۲ھ میں ہوا ہے، اس کے کذاب ہونے کے باوجود لوگوں نے اس کی طرف نسبت کر کے بدترین قسم کے جھوٹ اور محال باتوں کو وضع کیا ہے۔

امام ذہبیؒ نے فرمایا کہ میں نے رتن ہندی کے سلسلہ میں ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ”جزء کسروثن دتن“ ہے اس رسالہ میں امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ کو ایک نوشتہ ہاتھ لگا جس میں رتن نے تین سو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے ذکر کی ہیں۔

رتن کی روایات کے کچھ نمونے حافظ ذہبیؒ کے حوالہ سے:

(۱) رتن نے بتلایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کی کھدائی میں

شامل تھا۔

(۲) حضرت فاطمہؓ کی شادی ورخصتی اور زفاف کے موقع پر میں موجود تھا، وہاں گانے والے گارہے تھے اور ہمارے دل سینوں میں اچھل رہے تھے، اور ہم رقص کر رہے تھے۔ پھر صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے رات کی کہانی پوچھی ہم نے پوری بات بتلا دی؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نکیر نہیں فرمائی بل کہ ہم کو دعائیں دی اور ارشاد فرمایا: ”أخشوشنوا و امشوا حفاة تروا الله جهرة“۔

ترجمہ: کھر درے کپڑے پہنو اور ننگے پاؤں چلا کرو تو اللہ کا کھلم کھلا دیدار کرو گے۔

(۳) اسی طرح رتن نے ایک حدیث یہ بھی سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ذرة من اعمال الباطن خیر من الجبال الرواسی من اعمال الظاهر“۔

ترجمہ: اعمال باطن کا ایک ذرہ، اعمال ظاہرہ کے بڑے بڑے پہاڑوں سے بہتر ہے۔ یہ ساری روایتیں من گھڑت ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان میں سے کوئی بھی روایت ثابت نہیں۔

(تذکرۃ الموضوعات: ۲۳/۱؛ المقاصد الحسنة: ۳۷۷؛ تاریخ بغدادی للخطیب: ۱۹۳/۲؛

کشف الخفاء: ۲۰۰/۲؛ الأسرار المرفوعة: ۲۰۷؛ الدرر المنتشرة: ۱۷/۱؛ اسنی المطالب: ۲۱۳)



(۶۹) المريض انينه تسبیح، وصياحه تكبير، ونفسه صدقة، و نومه عبادة وقلبه من جنب إلى جنب جهاد في سبيل الله

ترجمہ: مریض کا آہ اُوہ کرنا تسبیح ہے، اس کا چیخنا چلانا تکبیر ہے۔ اس کا سانس لینا صدقہ ہے، اس کا سونا عبادت ہے، اور اس کا ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر الٹ پلٹ کرنا اللہ کے راستہ میں جہاد ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلوئیؒ، علامہ طاہر بیٹی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ روایت مذکورہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ”قال شیخنا انہ لیس بثابت“ ہمارے شیخ یعنی علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔

بل کہ امام سخاویؒ نے چند ایسے آثار نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مریض کے صبر کا کمال یہ ہے کہ وہ مرض کی وجہ سے آہ اوہ نہ کرے، کیوں کہ اس میں بے صبری پھر اللہ تعالیٰ کی شکایت کا پہلو ہے۔ مثلاً:

(الف) امام بیہقیؒ نے لکھا ہے کہ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی آزمائش کے زمانہ میں ایسا صبر پیش کیا کہ ابلیس کو سوائے ان کی آہ، اوہ کے کوئی چیز نہیں ملی۔

(ب) وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دشمن سے بچنے کے لیے درخت کی پناہ لی، اور آ رہ درخت پر چلا یہاں تک کہ ان کی پیٹھ تک پہنچا تو آہ کرنے لگے، اس موقع پر اللہ کا حکم آیا ”اے زکریا! یہ آہ اوہ بند کرو، ورنہ ہم زمین اور زمین کے اوپر جتنے لوگ ہیں سب کو الٹ دیں گے“ پھر حضرت زکریا علیہ السلام خاموش ہو گئے، اور آ رہ آپ پر چلایا گیا، یہاں تک کہ دو حصوں میں آپ کو چیر دیا گیا۔

(ج) امام احمد بن حنبلؒ کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ کہتے ہیں کہ میرے والد گرامی جب سخت مریض ہوتے اس وقت بھی کوئی آہ نہیں کی، اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ

مجھے حضرت طاؤسؓ کی یہ بات پہنچی ہے کہ مریض کی آہ کرنا اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنے کے مترادف ہے، عبد اللہ فرماتے ہیں کہ پھر تو ہمارے والد نے موت تک کبھی بھی آہ نہیں کی۔

(د) بیہقی کی روایت میں ہے کہ فضیل بن عیاضؒ کے صاحبزادے بیمار تھے تو آپ نے فرمایا کہ اے بیٹے دیکھو یہ مرض اللہ تعالیٰ نے دیا ہے پھر آہ کرنے کا کیا مطلب؟ اس پر ان کے بیٹے نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے۔ حضرت فضیل بیٹے! بیٹے! کی آواز دے رہے ہیں مگر بیٹے نے ایک آہ بھی نہیں کی اور دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(ھ) ذوالنون مصریؒ ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، وہ آہ کر رہا تھا تو آپ نے فرمایا وہ شخص اللہ کی محبت میں صادق نہیں، جو اللہ کی مصیبت میں صبر نہ کرے، اس مریض نے کہا کہ نہیں نہیں اللہ کی محبت میں وہ بھی صادق نہیں جس کو اللہ کی دی ہوئی مصیبت میں لذت نہ آئے۔

الحاصل! حالت مرض و مصیبت میں آہ، اوہ نہ کرنا بل کہ اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا، بڑے فضل و کمال کی بات ہے، بل کہ بعض بزرگانِ دین تو آہ اوہ کرنے کے بجائے اللہ کے ذکر اور استغفار و عبادت کا اہتمام کرتے تھے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۳۸۱؛ تذکرة الموضوعات: ج ۱ ص ۲۰۶؛ کشف الخفاء: ج ۲/ ص ۲۰۴،

الأسرار المرفوعة: ص ۲۰۹؛ الفوائد المجموعة: ص ۲۶۲)



(۷۰) المصائب مفاتيح الأرزاق

ترجمہ: مصیبتیں رزق کی کنجیاں ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، شیخ عجلوئیؒ، علامہ پٹنیؒ، امام صفائیؒ، شیخ نجم الدین الغزئیؒ، علامہ ابن الدبیجؒ ان حضرات نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ نے مقاصد میں اس کو نقل کیا ہے لیکن اس پر کوئی کلام نہیں فرمایا ہے مگر اس کے محشی نے لکھا ہے کہ ”وہو غیر وارد“ یعنی یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

ملا علی قاریؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کرتے ہوئے موضوعات صغریٰ اور موضوعات کبریٰ دونوں کتابوں میں اس کا ذکر فرمایا ہے، اور شیخ عجلوئیؒ نے کہا کہ ”وقال فی التميز لم یرد مرفوعاً بهذا اللفظ، وقال النجم لا اعرفه حديثاً“۔

یعنی علامہ ابن الدبیجؒ نے اپنی کتاب ”تمیز الطیب من الخبیث“ میں فرمایا کہ ان الفاظ میں یہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے۔

اور شیخ نجم الدین غزئیؒ نے کہا کہ میرے علم کے مطابق یہ حدیث نہیں ہے۔

فائدہ: ملا علی قاریؒ نے ”الاسرار المرفوعة“ میں لکھا ہے کہ روایت مذکورہ ”المصائب مفاتيح الأرزاق“ کے مفہوم میں دو احتمال ہیں۔

اول: یہ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو مصیبت دیتے ہیں تو اس کی تسلی اور مکافات کے لیے اس کے بدلہ میں اس سے بہتر شئی اس کو عطا فرماتے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے مصیبت کے موقع پر اس طرح کی دعا بھی منقول ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعا میں فرماتے ہیں: ”اللّٰهُمَّ اجِرْنِیْ فِیْ مَصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِنْهَا“۔

(صحیح مسلم / الحنائن: ما یقال عند المصیبة: ۱۵۲۵)

یعنی اے اللہ میری مصیبت میں مجھ کو اجر عطا فرما اور اس کے عوض اس سے بہتر شی نصیب فرما۔

دوسرا: احتمال یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ مصائب مصیبت زدہ شخص کے لیے تو پریشانی کی چیز ہوتی ہیں، لیکن دوسرے کئی لوگوں کے فوائد اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔ مثلاً: ایک آدمی بیمار ہوتا ہے تو وہ خود مبتلائے مرض ہے مگر معالجین کی روزی اس میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے ”موت الحمیر عرس الکلاب“ گدھوں کی موت کتوں کے جشن کا سامان ہوا کرتی ہے۔

(کشف الخفاء: ج ۲/ ص ۲۱۰؛ المصنوع: ص ۱۷۰؛ الأسرار المرفوعة: ص ۲۱۰؛ المقاصد الحسنة: ص ۳۸۷)



(۱۷) (الف) المعدة بیت کل داء والحمية رأس کل دواء

ترجمہ: معدہ ہر بیماری کا گھر ہے اور پرہیز ہر دوا کی جڑ ہے۔

(ب) البطنة أصل الداء والحمية أصل الدواء

ترجمہ: پیٹ بھر کر کھانا ہر بیماری کی جڑ ہے، اور پرہیز ہر علاج کی بنیاد ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، ابن الجوزی، علامہ سیوطی، علامہ عجلوٹی، علامہ طاہر بیٹی، ملا علی قاریؒ یہ تمام

محدثین اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاویٰ مقاصد (ص ۳۸۹) میں لکھتے ہیں کہ یہ جملہ حدیث نبوی نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے۔ بل کہ عرب کے ایک طبیب حارث بن کلدہ ثقفی طائفی یا کسی اور کا کلام ہے۔

حارث بن کلدہ علامہ ابن عبد البر کی تحقیق کے مطابق اسلام کے ابتدائی زمانہ میں موجود تھا مگر اس کا اسلام لانا ثابت نہیں، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے دواء و علاج سے فائدہ اٹھانے کا حکم دیتے تھے، اس کا یہ کہنا ہے کہ ”المعدة بيت الداء و الحمية رأس الداء“ کہ معدہ تمام بیماریوں کا گھر ہے اور کھانے پینے وغیرہ میں پرہیز علاج کی اصل اور شفاء کی جڑ ہے۔

تنبیہ (۱): یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ علاج کے نفع بخش ہونے میں پرہیز کا بڑا دخل ہے۔ چنانچہ سخاویٰ نے ابن ابی الدنیا کے حوالہ سے وہب بن منبہ کا یہ قول ذکر فرمایا ہے کہ ”اجمعت الاطباء على ان رأس الطب الحمية، و أجمعت الحكماء على ان رأس الحكمة الصمت“۔

یعنی اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر علاج کی جڑ پرہیز کرنا ہے۔ اور حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حکمت کا سرچشمہ خاموشی ہے۔

اور بعض روایات معتبرہ سے بھی کم کھانے اور پرہیز کرنے کی اہمیت ضرور مستفاد ہے مگر مذکورہ بالا روایت حدیث نہیں ہے۔

تنبیہ (۲): روایت مذکورہ کے علاوہ اور دو روایتیں مشہور ہیں، جو اسی مضمون کے قریب قریب ہیں۔

(الف) البطنة اصل الداء والحمية اصل الدواء. وعودوا كل بدن

بما اعتاد۔

یعنی پیٹ کو ضرورت سے زیادہ بھر لینا بیماریوں کی جڑ ہے اور پرہیز کرنا ہر علاج کی اصل ہے، اور ہر بدن کو اسی کا عادی بناؤ جس کی اس میں سکت ہو۔

(ب) المعدة حوض البدن، والعروق إليها واردة، فاذا صحت المعدة

صدرت العروق بالصحة، و اذا فسدت المعدة صدرت العروق بالسقم.

یعنی: معدہ بدن کی ٹنکی ہے، اور رگیں اسی ٹنکی سے وابستہ ہیں جب معدہ صحیح ہوتا ہے تو رگیں صحت بہم پہنچاتی ہیں اور جب معدہ خراب ہوتا ہے تو رگیں بیماری پیدا کرتی ہیں، مگر یہ دونوں روایتیں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی قبیل سے نہیں ہیں۔

پہلی حدیث کے متعلق علامہ عراقی نے: لم أجد له أصلاً کہا اور امام سخاوی نے بھی عراقی کی بات کو تسلیم کیا ہے۔

اور دوسری حدیث کو امام دارقطنی نے عبد الملک بن سعید بن جبیر کا کلام بتلایا ہے۔

(تخریج احادیث احياء: ج ۴ ص ۱۵۳؛ المقاصد الحسنة: ص ۳۸۹؛ كشف الحفاء: ج ۲/ ص ۲۱۴)

تنبیہ (۳): تفسیر کشاف میں ایک حکایت مذکور ہے کہ ہارون رشید کے پاس ایک نصرانی طبیب رہتا تھا جو بڑا مہر اور واقف فن تھا اس نے ایک دن علی بن الحسین بن واقد سے کہا کہ ”لیس فی کتابکم من علم الطب شیء والعلم علما علم الأديان و

علم الأبدان“۔

یعنی تمہاری کتاب (قرآن) میں طب سے متعلق کوئی علم نہیں ہے جب کہ علم دو

طرح کے ہیں: ”علم الأديان اور علم الأبدان“۔

تو علی بن الحسین نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری طب اور طبیات کو قرآن کی آدھی آیت میں جمع کر دیا ہے، اور وہ ہے ”کَلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا“۔ یعنی کھاؤ، پیو، مگر حد سے تجاوز نہ کرو۔

پھر وہ نصرانی بولا تمہارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے طب کے متعلق کچھ خاص باتیں منقول نہیں ہیں تو علی بن الحسین نے جواب دیا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری طب کو ایک حدیث میں جمع کر دیا ہے وہ یہ ہے: ”المعدة بيت الداء والحمية رأس كل دواء، اعط كل بدن ما عودته“ یعنی معدہ بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز علاج کی اصل ہے، بدن کو وہ چیزیں دیتے رہا کر جس کا تم نے اس کو عادی بنا رکھا ہے۔

یہ سن کر وہ نصرانی طبیب بولا کہ پھر تو تمہاری کتاب اور تمہارے نبی نے جالینوس کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔

شیخ عجلوٹی نے لکھا کہ علامہ خفاجیؒ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ امام بیضاوی نے بھی لکھا ہے مگر نصف واقعہ (یعنی کَلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا) پر اکتفاء کیا ہے، اور حدیث والا مضمون نہیں لکھا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک اس حدیث کا ثبوت نہیں ہے، اور اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست نہیں ہے۔ (کشف الخفاء: ۲/۲۱۴)

علامہ ابن القیمؒ زاد المعاد میں لکھتے ہیں کہ: واما الحديث الذي على السنة كثير من الناس، ”الحمية رأس الدواء والمعدة بيت الداء وعودوا كل جسم ما اعتاد“. فهذا الحديث انما هو من كلام الحارث بن كلدة طبيب العرب ولا يصح رفعه الى النبي صلى الله عليه وسلم قاله غير واحد من ائمة المحدثين“۔

یعنی وہ حدیث جو لوگوں کی زبان زد ہے: ”الحمية رأس الدواء والمعدة

بیت الداء وعود وکل جسم ما اعتاد“ یہ حدیث حارث بن کلدہ کا کلام ہے، جو عرب کا ایک طبیب تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں ہے، بہت سارے اجلہ محدثین نے اس کی صراحت کی ہے۔

ابن الجوزی کہتے ہیں ”هذا الحديث ليس من كلام رسول الله صلى الله عليه وسلم، وفيه جماعة ضعفاء والمتهم برفعه ابراهيم بن جريج“۔

یعنی یہ کلام نبوی نہیں ہے، اور اس کی سند میں ضعیف روایوں کی ایک جماعت پائی جاتی ہے، اور اس کو حدیث مرفوع کہنے والا ابراہیم بن جریج ہے، جو متہم ہے۔

امام دارقطنی کہتے ہیں ”تفرد به، لم يرد سنده غيره، وقد اضطرب فيه، و كان طبيياً فجعل له اسناداً“۔

ابراہیم اس روایت کی نقل میں متفرد ہے کسی اور نے اس سند سے نقل نہیں کیا ہے، اور اس کا اعتبار نہیں کیا، اور اس کو خود بھی اس میں اضطراب تھا وہ ایک طبیب تھا اور یہ روایت اس کے لیے مفید تھی تو اس نے اس کی سند گھڑ ڈالی، تاکہ یہ جملہ مقبول ہو جائے۔

عقیلی نے کہا: ”هذا الحديث باطل لا أصل له، انما يروى عن ابن الحسن“۔

وقال أبو الفتح الأزدي ابراهيم بن جريج متروك الحديث لا

يحتج به“۔ (الموضوعات: ۲/۲۸۴)

حافظ ذہبی نے ان کے متعلق کہا ہے ”ليس بعمدة“۔

(الميزان: ۱/۲۵؛ المصنوع مع الحاشية: ۱۷۲؛ الأسرار المرفوعة: ۲۱۳؛ كشف الخفاء: ۲/۲۱۴)

تذكرة الموضوعات: ۲۰۶۱؛ الدرر المنتشرة: ۱/۱۷؛ الموضوعات: ۲/۲۸۴)

التذكرة في الأحاديث المشتهرة للزرکشی: ۱/۱۴۵؛ الحد الحثيث: ۱/۲۱۳)



(۷۲) عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن سنتہ، فقال ”المعرفة رأس مالی، والعقل أصل دینی، والحب أساسی، والشوق مرکبی، وذكر اللہ أنیسى، والثقة کنزى، والحزن رفیقى، والعلم سلاحى، والصبر ردائى، والرضا غنیمتى، والعجز فخرى، والزهد حرفتى، والیقین قوتى، والصدق شفیعى، والطاعة حبى، والجهاد خلقى، وقرعة عینى فى الصلوة“.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ کی سنت یعنی آپ کا محبوب و پسندیدہ طرزِ حیات کیا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ معرفت حق تعالیٰ میری پونجی ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میرا بنیادی سرمایہ ہے، شوق الہی میری سواری ہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر میرے دل کو بہلانے والا یار ہے، خدا پر بھروسہ میرا خزانہ ہے، غم میرا ساتھی ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میری چادر ہے، اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا میری سب سے بڑی کامیابی ہے، عاجزی میرا سرمایہ فخر ہے، زہد میرا پیشہ ہے، یقین میری طاقت ہے، سچائی میری کامیابی کا راز ہے، اطاعت و بندگی میری محبوب شئی ہے، جہاد میری فطرت ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک میں نماز ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ طاہر پٹنی، علامہ عراقی، علامہ شوکانی، شیخ طرابلسی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

علامہ عراقی تخریج احادیث الاحیاء: ج ۹/ ص ۱۹۹ میں لکھتے ہیں کہ ”ذکرہ القاضی عیاض من حدیث علی بن ابی طالب ولم اجد له اسناداً“۔
یعنی: قاضی عیاض نے یہ روایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے ذکر کی ہے، مگر میں نے اس کی کوئی سند نہیں پائی۔

علامہ طاہر پٹنی نے بھی ”تذکرۃ الموضوعات: ج ۱/ ص ۸۷“ میں یہی بات لکھی ہے کہ ”ذکرہ القاضی عیاض و لم یوجد“ اس کی سند موجود نہیں۔ شیخ محمد شیشی طرابلسی نے ”اللوؤ المرصوع: ج ۱/ ص ۱۷۰“ میں کہا کہ قال الأئمة موضوع۔ یعنی ائمہ حدیث کا کہنا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔

علامہ شوکانی نے اس روایت کے متعلق فرمایا: ”آثار الوضع علیہ لائحة“ وضع کے آثار اس پر ظاہر ہیں۔ (الفوائد المجموعة: ۱/ ۲۳۱)

البتہ آخری جملہ ”قصرۃ عینی فی الصلاة“ نسائی اور مستدرک حاکم کی روایت میں آیا ہے، نسائی کے الفاظ ہیں ”حب الی من الدنیا النساء و الطیب ، و جعل قرة عینی فی الصلاة“ حافظ عراقی نے اس حدیث کی سند کو جید اور حافظ ابن حجر نے نسائی کی سند کو حسن کہا ہے۔

(التلخیص الحجیر: ۱۱۶/۳؛ شرح الاحبار: ۳۲/۲؛ کشف الخفاء: ۷۳/۲؛ سنن نسائی: حدیث نمبر ۳۸۷۸)



معلم کی فضیلت پر مشتمل روایات

(۷۳) ”المعلمون خير الناس كلما خلق الذکر جددوه
عظموهم و لا تستأجروهم فتخرجوهم فان المعلم اذا قال
للصبي قل بسم الله الرحمن الرحيم فقال الصبي بسم الله
الرحمن الرحيم كتب الله براءة للصبي و براءة لوالديه
و براءة للمعلم من النار“.

ترجمہ: معلمین لوگوں میں چنیدہ جماعت ہوا کرتی ہے جب جب قرآن بوسیدہ ہوتا ہے، یہ
لوگ اس کو تازگی دیتے ہیں، لہذا ان کی تعظیم کرو ان کو مزدور بنا کر استعمال نہ کرو، کیوں کہ معلم
جب بچہ سے کہتا ہے پڑھ ”بسم الله الرحمن الرحيم“ پھر وہ اس کو پڑھتا ہے تو اللہ
تعالیٰ جہنم سے نجات کے تین پروانے لکھواتے ہیں، ایک اس بچہ کے لیے، دوسرا اس کے
والدین کے لیے، تیسرا اس معلم کے لیے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ ابن الجوزی، امام سیوطی، ابن العراق کنائی، علامہ شوکانی نے اس حدیث کو
موضوع قرار دیا ہے۔

امام سیوطی نے ”اللائی المصنوعة“ میں اس کی سند ابن مردویہ کے حوالہ سے
اس طرح لکھی ہے ”حدثنا احمد بن کامل بن خلف حدثنا علی بن حماد بن

السكن حدثنا احمد بن عبد الله الهروي حدثنا هشام بن سليمان
المخزومي عن ابن مليكة عن ابن عباس رضي الله عنه مرفوعاً
الحديث“.

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”وضعه الهروي وهو الجويباري“.
ابن الجوزي فرماتے ہیں کہ ”هذا الحديث من عمل الهروي وهو
الجويباري وقد سبق القدح فيه انه كذاب“
علامہ ابن العراق نے بھی ابن الجوزی اور سیوطی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے
اس حدیث کو جویباری کی موضوعات میں شمار فرمایا ہے۔

(الموضوعات ج ۱ ص ۱۵۸ / اللآلی المصنوعة ج ۱ ص ۱۹۸؛

تنزيه الشريعة ج ۱ ص ۲۵۲ / الفوائد المجموعة ص ۲۷۶)



(۷۴) معلم کی مذمت پر مشتمل روایات

(الف) ”معلمو صبيانكم شراركم“.

(ب) ”شرار امتي معلمو ها“.

(ج) ”شراركم معلمو صبيانكم اقلهم رحمة على اليتيم واغلظهم

على المسكين“.

(د) ”شراركم معلموكم اقلهم رحمة على اليتيم واغلظهم على

المساكين“.

ترجمہ: ان روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ کہنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا: بچوں کو پڑھانے والے (معلمین) انسانوں کا شریر طبقہ ہے جو یتیموں پر رحم کرنے میں بہت پیچھے اور مساکین و غرباء پر سختی کرنے میں بہت آگے ہوتے ہیں۔

حکم: یہ چاروں روایتیں موضوع ہیں۔

تحقیق: یہ چاروں روایات درحقیقت ایک ہی روایت ہے، کسی میں اختصار ہے کسی میں تطویل اور کسی میں کسی جزء کی تقدیم ہے کسی میں تاخیر جس کے متعلق علامہ ابن الجوزیؒ، ملا علی قاریؒ، امام سیوطیؒ شیخ ابن العراق کنائیؒ، شیخ عجلوئیؒ، اور علامہ طاہر پٹیؒ نے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے، علامہ ابن الجوزیؒ نے اسکی سند بیان کی پھر سند میں پائے جانے والے واضعین راویوں کی نشاندہی کی اور اس روایت کے وضع کرنے کا سبب اور پس منظر بھی بتلایا، چنانچہ لکھتے ہیں کہ: ”أَبَانَا أَبُو مَنْصُورِ بْنِ خَيْرُونَ قَالَ أَبَانَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي الْفَضْلِ الْإِسْمَاعِيلِيُّ قَالَ أَبَانَا حَمْزَةُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ أَبَانَا أَبُو أَحْمَدَ بْنِ عَدَى قَالَ أَبَانَا مُصْبِحُ بْنُ عَلِيٍّ بْنِ مُصْبِحِ الْبَلَدِيِّ قَالَ حَدَّثَنَا مَيْمُونُ بْنُ الْأَصْبَغِ قَالَ حَدَّثَنَا عَبِيدُ بْنُ إِسْحَاقَ قَالَ حَدَّثَنَا سَيْفُ بْنُ عَمْرِو التَّيْمِيِّ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ سَعْدِ بْنِ طَرِيفٍ الْإِسْكَافِ إِذْ جَاءَ ابْنُ لَهْ يَبْكِي فَقَالَ يَا بَنِي مَالِكٍ؟ فَقَالَ ضَرْبَنِي الْمَعْلَمُ فَقَالَ وَاللَّهِ لَا خَزِينَهُمُ الْيَوْمَ، حَدَّثَنِي عَكْرَمَةُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرَّارُكُمْ مَعْلَمُوكُمْ... الخ“۔

یعنی سیف بن عمر التیمی کا بیان ہے کہ انہوں نے بتلایا کہ میں سعد بن طریف کے پاس بیٹھا ہوا تھا اسی وقت اس کا بیٹا روتا ہوا آیا اس نے پوچھا اے بیٹے کیوں رو رہا ہے؟ اس نے کہا کہ استاذ نے مارا ہے، تو اس نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں ان استاذوں کو ضرور رسوا کر کے رہوں گا اور اس موقع پر یہ روایت گھر کر پیش کر دی ”حدثنی عکرمۃ عن ابن

عباس قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم شراركم معلموكم . الخ“
 پھر آگے امام ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں : ”ورواه اسحق بن الحسن الحربی
 عن عبيد فقال فيه شرار امتی معلموها“ اس روایت کو نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں ”
 هذا الحديث موضوع بلا شك و فيه جماعة مجروحون و اشهرهم في
 ذلك سيف وسعد فكلهما متهم بوضع الحديث ، وسعد هو في هذا
 الحديث اقوى تهمة قال ابن حبان كما يضع الحديث على الفور“.

ترجمہ: یہ روایت بلاشبہ من گھڑت اور موضوع ہے اس کی سند میں متعدد مجروحین پائے جاتے
 ہیں، جن میں بدترین راوی دو شخص ہیں، سیف بن عمر، اور سعد بن طریف یہ دونوں وضع
 حدیث کی تہمت کے ساتھ متہم ہیں اور اس حدیث میں تو سعد سیف سے بھی دو قدم آگے ہے،
 ابن حبان کہتے ہیں کہ سعد چٹ پٹ حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا۔

اس روایت کے متعلق یہی تفصیلات امام سیوطیؒ نے ”اللائی“ میں اور ابن الحراقؒ
 نے ”تنزیہ الشریعة“ میں ذکر فرمائی ہے۔

ابن عدیؒ نے ”الکامل“ میں اس روایت کو نقل فرما کر لکھا کہ: ”قال الشيخ و
 هذا حديث منكر موضوع وقد اتفق في هذا الحديث ثلاثة من الضعفاء
 فرووه عبيد بن اسحق الكوفي في العطار يلقب عطار المطلقات ضعيف و
 سيف بن عمر الصبي كوفي وسعد الاسكاف كوفي ضعيف وهو اضعف
 الجماعة فأرى ”والله اعلم“ ان البلاء من جهته“ . (ج ۲/ ص ۴۳۵)

(الموضوعات: ج ۱/ ص ۱۶۰؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱/ ص ۱۹؛ كشف: ج ۲/ ص ۷؛

الموضوعات: ج ۱/ ص ۲۴۲؛ اللآلی المصنوعة: ج ۱/ ص ۱۹۹؛

تنزیہ الشریعة: ج ۱/ ص ۲۵۲؛ الاسرار: ص ۱۴۱)

(۷۵) من ابتلی ببلتین فلیختر اھونھما

و فی روایة : فلیختر اسھلھما

ترجمہ: جس کے سامنے دو آزمائشیں ہوں اس کو آسان والی آزمائش کو اختیار کرنا چاہیے۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، شیخ عجلوئی، ملا علی قاری، شیخ نجم الدین الغزی نے اس روایت کو موضوع لکھا ہے۔

”المقاصد الحسنة“ اور ”كشف الخفاء“ میں ہے کہ ”قال النجم لا يعرف لكن يستأنس بقول عائشة ما خير رسول الله صلى الله عليه وسلم بين امرين الاختار ايسرهما، مالم يكن اثماً“۔

یعنی شیخ نجم الدین غزی فرماتے ہیں کہ اس روایت کا محدثین کے نزدیک حدیث ہونا معلوم نہیں، مگر حضرت عائشہؓ کے اس قول کے قریب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا اور دونوں میں سے کوئی ایک بھی ممنوعات کی قبیل سے نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آسان شکل کو اختیار فرماتے۔

الحاصل! روایت مذکورہ کو حدیث مرفوع کہنا تو صحیح نہیں، البتہ اس کا مضمون حضرت عائشہؓ کے کلام مذکورہ سے مستفاد ہے۔

(كشف الخفاء: ۲۳۲/۲؛ المقاصد الحسنة: ۴۰۱؛ الأسرار المرفوعة: ۲۱۵)



(۷۶) من اکرم حبیبیہ فلا یکتب بعد العصر

ترجمہ: جس کو اپنی دو محبوب چیزیں (دونوں آنکھیں) پیاری ہوں تو اس کو عصر کے بعد کتابت سے پرہیز کرنا چاہیے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلوئیؒ، علامہ پٹنئیؒ، شیخ ابن درویشؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو بے اصل اور موضوع کہتے ہیں۔

مقاصد حسنہ میں ہے کہ ”لیس فی المرفوع، و لکن قد اوصی الامام أحمد بعض أصحابه ان لا ينظر بعد العصر فی کتاب“

یہ حدیث نبوی نہیں ہے، بل کہ امام احمد بن حنبل کا قول ہے، انہوں نے اپنے بعض متعلقین کو یہ وصیت کی تھی کہ عصر کے بعد کتاب کا مطالعہ نہ کیا جائے، اور ایک قول کے مطابق یہ ایک طبیب کا کلام ہے، اور حضرت امام شافعیؒ نے اسی انداز کی ایک بات ارشاد فرمائی ہیں: الوراق انما یا کل من دية عينيه، یعنی کاتب اپنی آنکھوں کی دیت کھاتا ہے۔

نیز ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ ”لا أصل له فی المرفوع“۔

تنبیہ: روایت مذکورہ میں کہیں ”اکرم“ کی جگہ ”احب“ وارد ہے، اور ”حبیبیہ“ کی جگہ ”عینیہ“ اور ”فلا یکتب“ کی جگہ ”فلا یکتبن“ آیا ہے، ان تمام روایات کا وہی حکم ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔

(الاسرار المرفوعة: ۲۱۶؛ المقاصد الحسنة: ۳۹۹؛ مختصر المقاصد الحسنة: ۱۷۸؛ اسنی المطالب: ۲۲۰)



(۷۷) من بلغ الأربعين ولم يمسك العصا فقد عصي

ترجمہ: جو شخص چالیس سال کی عمر کو پہنچ گیا اور عصا نہیں لی تو اس نے گناہ کیا۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، شیخ عجلوئیؒ اس روایت کو نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اسی طرح ایک روایت اور مشہور ہے ”التؤكؤ على العصا من سنة الانبياء“

یعنی عصا کا استعمال انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

اس روایت کو بھی ان حضرات نے موضوع قرار دیا ہے، چنانچہ پہلی روایت کے

متعلق ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ ”لیس له اصل“ اور دوسری روایت کے سلسلہ میں

فرماتے ہیں کہ: ”کلام صحیح و لیس له اصل صریح، و انما يستفاد من قوله

تعالیٰ: ”وما تلک بیمینک یا موسیٰ“ و من فعل نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام

فی بعض الاحیان، و اما حدیث من بلغ الاربعین ولم یمسک العصا

فقد عصی فلیس بحدیث“۔

(الأسرار المرفوعة: ۹۹؛ اسنی المطالب: ص ۹۸؛ اللؤلؤ والمرصع: ۱/۶۷؛

جامع الاحادیث: ۱۲/۱۴۳؛ تعلیق علی جمع الجوامع: ۱/۱۱۷۷۲)

تنبیہ: ملا علی قاریؒ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت حدیث نبوی

نہیں ہے، ہاں فی الجملہ اس کا مضمون صحیح ہے، فی الجملہ کا مطلب یہ ہے کہ اربعین سنہ (چالیس

سال) کی قید کے بغیر نفس عصا کا استعمال انبیاء کی سنت ہے، اور امر محمود ہے، جس کا ترک

پسندیدہ نہیں، اس لیے کہ آیت مذکورہ ”وما تلک بیمینک یا موسیٰ قال ہی

عصای“ سے اس کی محمودیت مستفاد ہوتی ہے، اسی طرح دوسری بعض روایات سے بھی اس کی محمودیت کا پتہ چلتا ہے۔

تنبیہ (۲): مذکورہ دونوں روایتیں اگرچہ حدیث کے الفاظ نہیں مگر اس سے کسی قدر ملتی جلتی کئی روایات موجود ہیں۔ مثلاً:

(الف) ابن حجر پیشمیؒ نے ابن عدی کے حوالے سے فرمایا کہ ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال التوکل علی العصا من اخلاق الانبیاء وکان صلی اللہ علیہ وسلم یتوکل علیہا“۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عصا ٹیک کر چلنا انبیاء کرام علیہم السلام کی عادات مبارکہ میں سے ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصاء کا استعمال فرماتے تھے۔

(ب) امام دیلمیؒ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً یہ روایت ذکر کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حمل العصا علامة المؤمن و سنة الانبیاء“۔

یعنی عصاء کا لینا مومن کی علامت اور انبیاء کی سنت ہے۔

مناویؒ نے اس کے موضوع ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، چنانچہ اس حدیث کو

نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”فیہ یحییٰ بن ہاشم الغسانی قال الذہبی فی الضعفاء. قالوا: کان یضع الحدیث“ (فیض القدر: ۳/۵۲۷)

البانی نے بھی اس کے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے۔

(الضعیفہ: ۲/۱۱۲ صحیح و ضعیف الجامع الصغیر: ۱۴/۲۸۴)

(ج) ایک روایت میں ہے ”كانت للأنبياء كلهم مخصرة يختصرون بها“

تواضعاً لله عز وجل“۔ (رواہ أبو نعیم عن ابن عباس جامع الأحادیث: ج ۱۵/۲۸۴)

یعنی ہرنی کے پاس ایک لکڑی ہوا کرتی تھی جس سے وہ چلتے وقت سہارا لیتے تھے۔
اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی کے اظہار کے جذبے سے۔

(د) بزار و طبرانی نے ایک ضعیف سند سے یہ روایت لکھی ہے کہ ”ان اتخذ العصا فقد اتخذها ابی ابراهیم“۔

یعنی اگر میں عصاء کا استعمال کرتا ہوں تو میرے باپ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی عصا استعمال فرماتے تھے۔

(ھ) ابن ماجہ نے ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل فرمایا ہے کہ ”خرج الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوکاً علی عصاه“۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے اپنی عصاء پر ٹیک لگا کر تشریف لائے
تنبیہ (۳): مذکورہ بالا دونوں روایتوں (من بلغ..... اور التو کو.....) کی طرح
شیخ عجلوٹی نے ایک اور روایت نقل کی ہے وہ بھی موضوع ہے۔

”من خرج فی سفر ومعہ عصا واری فیہ اللہ بکل سبع ضار ومن
بلغ اربعین سنة عدله ذلک من الکبر والعجب“۔

یعنی: جو شخص عصاء لے کر سفر میں جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ضرر رساں
درندہ سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں، اور جو آدمی چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے اللہ تعالیٰ
اس کو کبر اور عجب سے بچا لیتے ہیں۔

امام حجر مکیؒ نے اپنے فتاویٰ میں امام سیوطیؒ کے حوالے سے اس کو موضوع لکھا ہے۔

(الاسرار المرفوعة: ۹۹؛ کشف الخفاء: ۱/۳۲۱)



(۷۸) من تزوج امرأة لمالها احرمه الله مالها و جمالها

ترجمہ: جس نے کسی عورت سے اس کے مال کی بنیاد پر شادی کی تو اللہ تعالیٰ اس کو اس عورت کے مال اور جمال دونوں سے محروم کر دیتے ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، امام زرکشی، ملا علی قاری، ابن السید درویش، شیخ عجلوٹی، ابن تیمیہ وغیرہم اس حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ قال الزرکشی ”لا يعرف“ و قال السخاوی ”لم

أقف عليه“۔

یعنی امام زرکشی نے فرمایا کہ اس روایت کا حدیث ہونا معلوم نہیں، امام سخاوی نے فرمایا کہ میں اس روایت سے واقف نہیں، یعنی ان دونوں حضرات نے حدیث ہونے کی نفی فرمائی۔ امام سیوطی نے بھی ”الدور المنتشرة“ میں اس روایت کو نقل فرما کر لکھا کہ ”لا يعرف“ یعنی یہ روایت حدیث کی حیثیت سے معروف نہیں۔

تنبیہ: روایت مذکورہ تو حدیث نہیں ہے مگر اسی کے قریب ایک روایت شیخ ابونعیم کی ”حلیۃ الأولیاء“ میں وارد ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”من تزوج امرأة لعزها لم يزدہ الله إلا ذلاً، ومن تزوجها لمالها لم يزدہ الله إلا فقراً و من تزوجها لحسنها لم يزدہ الله إلا دناءة، و من تزوجها لم يتزوجها إلا لیغض بصره و یحصن فرجه، أو یصل رحمہ إلا“

بارک اللہ فیہا و بارک لہا فیہ“۔ (المقاصد الحسنہ: ۴۰۶)

یعنی جو کسی عورت سے اس کی عزت کی بناء پر شادی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی ذلت کو بڑھا دیتے ہیں، اور جو شخص عورت کے مال کی بناء پر شادی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے فقر میں اضافہ کر دیتے ہیں، اور جو عورت کے حسن و جمال کی وجہ سے رشتہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی پستی میں اضافہ کر دیتے ہیں، اور جو شخص نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت اور صلہ رحمی کے جذبہ سے شادی کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ایسے رشتہ میں مرد و عورت دونوں کو برکتیں عطا فرماتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ ”من تزوج امرأة لمالها“ کے بعد ”لم یزدہ اللہ الا فقراً“ تو حدیث میں ثابت ہے، مگر ”احرمہ اللہ مالها و جمالها“ ثابت نہیں۔

(کشف الخفاء: ۲/۲۳۹؛ المقاصد الحسنہ: ۴۰۶؛ الأسرار المرفوعة: ۲۲۶؛

المصنوع: ۱۸۱؛ احادیث القصاص لابن تیمیہ: ۶۵؛ الدرر المنتثرة: ۱/۴۰۸)



(۷۹) من تکلم بکلام الدنیا فی المسجد احبط اللہ أعمالہ

أربعین سنة

ترجمہ: جو مسجد میں دنیا کی بات کرتا ہے اس کے چالیس سال کے اعمال اللہ تعالیٰ ضائع کر دیتے ہیں۔

الفاظ روایات: یہ روایت دو طرح منقول ہے:

(الف) من تکلم بکلام الدنیا فی المسجد احبط اللہ أعمالہ أربعین سنة.

(ب) من تکلم بکلام الدنیا فی المسجد احبط اللہ أعمالہ.

حکم موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ نے اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ: ”وہو کذا لک لانہ باطل مبنی و معنی“ یعنی یہ روایت لفظاً و معنماً دونوں جہت سے باطل ہے۔ اسی طرح علامہ عجلوٹیؒ، علامہ صفائیؒ اور علامہ طاہر پٹیؒ ان تمام حضرات نے اس روایت کو موضوع اور بے سند قرار دیا ہے۔

(کشف الخفاء: ۲/ ۱۴۳۷؛ الاسرار المرفوعة: ۲۳۷؛ المصنوع: ۱۸۱؛ تذکرة الموضوعات: ۲۴۸)



(۸۰) (الف) من حفر لآخیه قليلاً اوقعه الله فيه قريباً

(ب) من حفر بشراً لآخیه اوقعه الله فيه

(ج) من حفر جبا اوقعه الله فيه منكباً

یعنی: ان تینوں روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص دوسروں کے لیے کنواں کھودتا ہے اللہ تعالیٰ خود اسی کو اس میں گراتے ہیں۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلوٹیؒ، ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ پٹیؒ اور صاحب اسنی المطالبؒ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: ”قال العسقلانی لم اجد له أصلاً، قلت و کذا

لفظ بعضهم من حفر بشراً لآخیه وقع فيه، و لكن معناه صحيح استفاد من

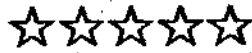
قوله تعالى: و لا يحق المكر السی الا باهله“.

یعنی حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا کہ اس روایت کی کوئی اصل مجھے نہیں ملی۔ پھر ملا

علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہی حال اس روایت کا بھی ہے، جس کو بعض لوگوں نے قدرے تغیر کے ساتھ ”من حفر بئراً لآخیه وقع فیہ“ نقل کیا ہے، لیکن اس کا مضمون صحیح ہے، قرآن مجید کی آیت ”و لا یحیق المکر السی الا باہلہ“ (بری تدبیر خود تدبیر کرنے والے کو ہی پھانسی ہے) سے ماخوذ ہے۔

(المقاصد الحسنۃ: ۴۱۰؛ کشف الخفاء: ۲/۲۴۵؛ تذکرۃ الموضوعات: ۱/۲۰۴؛

الأسرار المرفوعة: ۲۲۹؛ المصنوع: ۱۸۳؛ اسنی المطالب: ۲۲۶)



(۸۱) (الف) من زار العلماء فکانما زارنی و من صافح

العلماء فکانما صافحنی۔

(ب) و من جالس العلماء فکانما جالسنی و من جالسنی فی

الدنیا اجلس إلی یوم القیامة۔

ترجمہ: (الف) جس نے علماء کی زیارت کی اس نے گویا میری زیارت کی اور جس شخص نے علماء سے مصافحہ کیا اس نے گویا مجھ سے مصافحہ کیا۔

ترجمہ: (ب) جس نے علماء کی صحبت اختیار کی اس نے گویا میری صحبت اختیار کی اور جس نے دنیا میں میری صحبت اختیار کی اس کو قیامت کے دن میرے قریب بیٹھایا جائے گا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ”کشف الخفاء“ (۲/۲۵۱) میں شیخ عجلوئی اور ”تذکرۃ الموضوعات“

(۱۹/۱) میں علامہ طاہر پٹی اور ”السلسلۃ الضعیفۃ مختصرۃ“ (۷/۳۳۲) میں علامہ

البائی نے اس روایت کو موضوع بتلایا ہے۔

ابو نعیم نے تاریخ اصہبان (۳۶۴/۲) میں اس کو اس طرح نقل کیا ہے ”حدثنا ابو الحسن محمد بن أحمد بن جعفر ثنا يعرب بن خيران حدثنا محمد بن الفضل بن العباس البلخي بسمرقند، حدثنا ابو محمد حمد بن نوح حدثنا حفص بن عمر العدني عن الحكم عن عكرمة عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من زار العلماء..... الخ۔“

اس میں کئی راوی متکلم فیہ اور مجرد واقع ہوئے ہیں۔

حفص بن عمر العدنی یہ محدثین کے نزدیک کذاب ہے، امام نسائی نے اس کے متعلق ”لیس بثقة“ کا جملہ استعمال کیا ہے۔

امام سیوطی نے ذیل الموضوعات: ص ۳۵ میں اس کے متعلق لکھا کہ ”کذبہ یحییٰ بن یحییٰ النیسابوری و قال البخاری منکر الحدیث“۔

یحییٰ بن یحییٰ نیشاپوری نے حفص کو کذاب کہا ہے اور امام بخاری نے اس کو منکر الحدیث بتلایا ہے۔

اور علامہ عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی نے ”الرفع والتکمیل“ میں لکھا ہے کہ ”اذا قال البخاری فی راوٍ ”منکر الحدیث“ فیعنی به انه لا تحل الروایة عنه“ یعنی امام بخاری جس راوی کو منکر الحدیث لکھیں تو اس سے روایت لینا درست نہیں ہوتا۔

ابن عدی نے ”الکامل: ۷۹۴/۲“ میں لکھا کہ حفص نے مذکورہ سند سے متعدد حدیثیں سنائی ہیں جن کو حکم بن ابان سے نقل کرتا ہے، جب کہ خود حکم میں بھی ضعف ہے اور اس سے زیادہ ضعف تو حفص میں ہے گویا روایت کا اصل نقص حفص کی بنیاد پر ہے نہ کہ حکم کی بنیاد پر۔

اس میں ایک راوی محمد بن الفضل ہے، ابن طرخان اور دارقطنی نے اس کو ضعیف کہا ہے۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ”لا اعرفہ“ کہا ہے۔

(لسان المیزان: ۲/۴۹۱ و ۴۶۳؛ و المیزان: ۴/۹)

اس میں ایک راوی ”حمد بن نوح“ ہے، اس کے متعلق البانی نے لکھا ہے کہ ”لم أجد له ترجمة“ مجھے ان کا ترجمہ کہیں نہیں ملا۔

(الضعیفہ: ۶/۴۰۴)

الرفع و التكميل في الجرح و التعديل للشيخ عبد الحی: ۱۲۹، ۱۴۹، ۱۵۰؛ السلسلة الضعيفة: ۶/۴۰۴
لللبانی؛ تذكرة الموضوعات: ۱/۱۹؛ كشف الخفاء: ۲/۲۵۱؛ تنزيه الشريعة: ۱/۱۵۴، ۲۷۲ تا ۲۷۳



(۸۲) من زرع حصد

ترجمہ: جو بوئے گا وہ کاٹے گا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، ملا علی قاری اور شیخ عجلوئی نے اس روایت کے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے۔

ملا علی قاری ”الاسرار المرفوعة: ۲۳۲“ پر لکھتے ہیں ”لیس بحديث في المبني وهو صحيح في المعنى في الدنيا والعقبی“ یعنی یہ الفاظ تو حدیث نبوی کے نہیں ہیں، لیکن اس کا معنی دنیا اور آخرت دونوں اعتبار سے صحیح ہے، کہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ جو شخص کھیتی بوتا ہے وہی کاٹ کر گھر لاتا ہے، اور جو کھیتی کی فکر اور محنت نہیں کرتا وہ کچھ نہیں پاتا، یہی معاملہ آخرت کا بھی ہے، کہ جو آدمی یہاں پر جو اور جب عمل کرے گا آخرت میں ویسا ہی انجام پائے گا۔

امام سخاویؒ نے ”المقاصد الحسنة: ص ۱۳۴“ میں یہی بات فرمائی کہ یہ روایت حدیث نبویؐ تو نہیں ہے لیکن اس کا مضمون صحیح ہے، آیت کریمہ: ”یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضراً“ (آخرت میں ہر شخص اپنی ہر وہ نیکی جو اس نے اس دنیا میں کی ہوگی اس کو حاضر پائے گا) سے روایت کے مضمون کی تائید ہوتی ہے، مگر اس کا حدیث ہونا ثابت نہیں ہے۔

(المقاصد الحسنة: ۴۱۳؛ كشف الحفاء: ۲۵۱/۲؛ الأسرار المرفوعة: ۲۳۲؛ اسنی المطالب: ۲۲۸)



(۸۳) من صلی خلف تقی فکانما صلی خلف نبی

ترجمہ: جس نے کسی متقی شخص کے پیچھے نماز پڑھی اس نے گویا کسی نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: اس حدیث کو اگرچہ علامہ مرغینانیؒ نے ہدایہ جلد اول ۲۳۶ ”باب الامامة“ میں ذکر کیا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ امام سخاویؒ، شیخ عجلوٹیؒ، علامہ طاہر بیٹٹیؒ، علامہ زیلعیؒ، علامہ ابن الہمامؒ، ملا علی قاریؒ اور علامہ شوکانیؒ یہ سبھی حضرات اس حدیث کے موضوع ہونے کے قائل ہیں۔

امام سخاویؒ فرماتے ہیں کہ: ”وما وقع فی الهدایة للحنفیة بلفظ، من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی“ ”لم اقف علیه بهذا اللفظ“۔

(المقاصد: ۳۰۴)

یعنی حنفیہ کی ہدایہ میں ”من صلی خلف عالم تقی“ والی جو روایت ہے مجھے ان لفظوں میں اس روایت کی کوئی خبر نہیں۔

ملا علی قاریؒ نے کہا ”لا اصل له“ شیخ عبدالفتاح ابو غده اس پر تعلیقاً لکھتے ہیں:

”قال الامام الكمال ابن الهمام فى حاشية ”فتح القدير: ۲۴۶/۱“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ أعلم بهذا الحديث“ و سبقه الحافظ الزيلعى فى نصب
الرأية: ۲۶/۲ فقال غريب و هذا اصطلاح منه لنفسه فى الحديث الذى لم
يجد له اصلاً يقول فيه ”غريب“. (المصنوع مع الحاشية لأبى غدة: ۱۸۶)

یعنی ابن ہمام نے مذکورہ حدیث پر حاشیہ لگایا کہ اس روایت کا صحیح حال اللہ ہی بہتر
جانتا ہے، اور ان سے پہلے حافظ زیلعی نے ”نصب الرأية فى تخريج أحادیث
الهداية“ میں کہا کہ یہ حدیث غریب ہے، اور یہ امام زیلعی کی اصطلاح ہے کہ جب وہ کسی
حدیث کی اصل نہیں پاتے تو اس وقت غریب کا اطلاق کرتے ہیں، یعنی کہ یہ روایت ان کے
نزدیک بھی بے اصل ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری نے ”البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۳۹۷/۳“
میں اس کے متعلق لکھا کہ ”قال ابن امير حاج و لم يجده المخرجون“ احادیث کی
تخریج کرنے والے محدثین و علماء کو یہ روایت نہیں ملی، نیز علامہ شامی نے بھی یہی بات کہی
ہے کہ ”قال فى الحليلة: لم يجده المخرجون“۔

(مقاصد حسنة: ص ۳۰۴؛ كشف ج ۲/ص ۲۹۷؛ الفوائد المجموعة: ج ۱/ص ۳۲؛

تذكرة الموضوعات: ج ۱/ص ۲۸۷؛ الاسرار: ص ۲۳۵ رد المحتار على در المختار ج ۱/ص ۳۷۷)

تنبیہ: علماء اور ارباب ورع و تقویٰ کی امامت و فضیلت پر مشتمل دوسری روایات پائی جاتی
ہیں۔ مثلاً:

(الف) ”قدموا خياركم تزكو صلوتكم“۔ (دیلمی)

یعنی امامت کے لیے اپنے اچھے افراد کو آگے کیا کرو تو تمہاری نماز اچھی ہوگی۔

(ب) ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم خیارکم، و فی روایۃ

”علمائکم“ فانہم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم۔ (حاکم، وطبرانی)

یعنی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری نماز مقبول ہو تو چاہئے کہ تمہارے اچھے افراد تمہاری

امامت کریں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ تمہارے علماء امامت کریں، کیوں کہ ان کی حیثیت

تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان بھیجے ہوئے وفد کی ہوگی۔

(ج) اجعلوا ائمتکم خیارکم فیما بینکم و بین ربکم۔ (دارقطنی)

یعنی اپنے اور اپنے رب کے درمیان امام، اپنے اچھے افراد کو بناؤ۔

(المقاصد الحسنة: ص ۳۰۳؛ نصب الراية: ج ۲/ ص ۱۷)



(۸۴) من عرف نفسه استراح

ترجمہ: جو شخص اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے آرام سے رہتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، شیخ عجلونی، شیخ ابن الخلیل الطرابلسی، ملا علی قاری وغیرہم نے اس حدیث

کو موضوع قرار دیا ہے۔

تحقیق: امام سخاوی نے مقاصد: ۱/ ۲۲۰ میں اس کو سفیان بن عیینہ کا قول بتلایا ہے، اور اس کا

مطلب یہ ہے کہ جس کو اپنی حیثیت و حقیقت کا صحیح علم ہوگا اس کو کسی مدح و ثناء سے کوئی نقصان

نہیں ہوگا؛ عموماً آدمی خود کو اپنی حیثیت و واقعہ سے اوپر خیال کرتا ہے اس لیے کسی کی مذمت یا

معمولی مدحت و تعریف سے اپنی اہانت تصور کرتا ہے، اور ایک بے چینی میں مبتلا رہتا ہے، یا یہ

کہ آدمی کسی خوبی سے خالی ہے، مگر اس کی طرف جب اس خوبی کی نسبت کی جانے لگتی

ہے، تو عجب و کبر اور خوش فہمی جیسے امراض کا شکار ہو جاتا ہے، پھر جب اس کے ناخوش عواقب و نتائج سامنے آتے ہیں تو پریشان ہوتا ہے، اس کے برخلاف جس کو اپنی خوبی و خامی کی صحیح صورت حال کا علم ہوگا وہ اس قسم کی مضرتوں سے محفوظ اور چین کی زندگی میں ہوگا۔

علامہ عجلوٹی لکھتے ہیں کہ اسی انداز کی بات حضرت فضیل بن عیاضؒ نے بھی فرمائی ہے کہ ”من عرف الناس استراخ“، یعنی جو لوگوں کے متعلق یہ اچھی طرح جان لے کہ یہ نفع و ضرر کے مالک نہیں ہیں تو وہ آدمی ہمیشہ چین و سکون سے رہتا ہے، پھر آگے اس روایت کے متعلق علامہ عجلوٹیؒ نے صراحت کے ساتھ حدیث ہونے کی نفی فرمائی ہے، فرماتے ہیں: ”لیس فی المرفوع بل رواہ ابن ابی الدنیا عن ابن عیینہ بلفظ لیس یضر المدح من عرف نفسه“۔

یعنی یہ روایت حدیث نبوی نہیں ہے، سفیان بن عیینہ کا قول ہے جو اس طرح ان سے منقول ہے ”لیس یضر المدح من عرف نفسه“ جو آدمی خود کو پہچانتا ہوتا ہے دوسروں کی ثنا خوانی سے نقصان میں نہیں ہوتا ہے۔

(المقاصد الحسنیہ: ص ۴۱۹؛ الأسرار المرفوعة: ص ۲۳۸؛

کشف الخفاء ج ۱/ ص ۴۳۲، ۲۰۲/۲۶۲؛ اللؤلؤ المرصوع: ج ۱/ ص ۱۹۱)



(۸۵) (الف) من عرف نفسه عرف ربه

(ب) من عرف نفسه عرف ربه ومن عرف ربه كل لسانه.

ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

ترجمہ: جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا، اور جس نے اپنے رب

کو پہچان لیا اس کی زبان محتاط ہو گئی۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، صغائیؒ، نوویؒ، ابن تیمیہؒ، سیوطیؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، عجلوٹیؒ، ابن درویش وغیرہم؛ ان تمام محدثین نے اس روایت کو موضوع کہا ہے۔

امام سخاویؒ نے مقاصد حسنہ: ۴۱۹/۱ میں اور شیخ ابو المنظر السمعانی نے لکھا ہے کہ ”لَا يَعْرِفُ مَرْفُوعًا وَ انَّمَا يَحْكِي مِنْ قَوْلِ يَحْيَى بْنِ مُعَاذٍ“ یعنی یہ روایت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ہے، بل کہ یحییٰ بن معاذؒ کا قول ہے، اور بعض نے ابوسعید الخدریؒ کا قول بتلایا ہے۔ علامہ ابن الجوزیؒ، علامہ صغائیؒ، امام سیوطیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلوٹیؒ یہ سب ہی حضرات اس روایت کو موضوع کہتے ہیں۔ علامہ نوویؒ نے فرمایا ”لیس بثابت“ اس کا حدیث نبوی ہونا ثابت نہیں۔

امام سیوطیؒ نے ذیل الموضوعات: ص ۲۰۳؛ اور الحاوی للفتاوی: ج ۲/ص ۲۲۶ میں

لکھا ہے کہ ”هَذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِصَحِيحٍ“۔

فائدہ: یہ جملہ اگرچہ حدیث نہیں ہے مگر اس کا مضمون صحیح ہے، کیوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو اپنی جہالت کا پتہ ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کے علم کا یقین ہوگا، اور جس کو اپنا فانی ہونا معلوم ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کے بقا کا علم ہوگا، اور جو اپنے عجز و ضعف کو جانتا ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یقین ہوگا، نیز یہ مضمون آیت کریمہ ”وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مِنْ سَفَاهَةٍ“ سے بھی بہت قریب ہے، کیوں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ملتِ ابراہیمی سے بیزار وہی ہو سکتا ہے، جو اپنے ذاتی احوال و صفات سے ناواقف ہوگا، یعنی اپنی ذاتیات اور احوال و صفات کو سمجھنے کی جس میں صلاحیت ہوگی وہ یقیناً ملتِ ابراہیم کی حقیقت کو سمجھ لے گا

اس لیے کہ ملتِ ابراہیمیہ انسان کی فطرت سلیمہ کی آواز کا دوسرا نام ہے، اور جس میں اتنی اہلیت ہوگی وہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت حاصل کرے گا۔ (الاسرار المرفوعة: ۲۳۸)

علامہ ابن الغرسؒ نے کہا کہ یہ حدیث ثابت نہیں پھر بھی صوفیاء کی کتابیں اس روایت سے بھری پڑی ہیں، بالخصوص شیخ محی الدین ابن العربیؒ وغیرہ نے تو اس روایت کو بہت وزن دیا ہے حتیٰ کہ ابن عربیؒ نے تو کہا اگرچہ یہ حدیث روایت ثابت نہیں، مگر ہمارے نزدیک بطریق کشف اس کا ثبوت ہے مگر یاد رہے کہ نقدِ احادیث کے میدان میں کشف اور کشفیات کا کوئی اعتبار نہیں۔

علامہ فیروز آبادی صاحب القاموس جنہوں نے شیخ ابن العربیؒ پر کئے جانے والے اعتراضات کے جواب میں جو ”الرد علی المعترضین علی الشیخ ابن العربیؒ“ نامی کتاب تصنیف کی ہے انہوں نے اس کتاب میں اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ ”لیس من الأحادیث النبویة علی ان اکثر الناس يجعلونه حدیثاً، و لا یصح اصلاً۔ و انما یروی فی الاسرائیلیات، یا انسان اعرف نفسک تعرف ربک۔“

(ج ۲/ ص ۳۷)

حاصل یہ کہ یہ جملہ بالکل حدیث نہیں ہے؛ لوگوں نے اس کو حدیث کا نام دے دیا ہے۔ البتہ اسرائیلیات میں ایک جملہ نقل کیا جاتا ہے کہ: یا انسان اعرف نفسک تعرف ربک۔ اے انسان تو اپنے نفس کو پہچان، تو تجھ کو تیرے رب کی پہچان نصیب ہو جائے گی۔ مگر یہ روایت بھی غیر معتبر ہے۔

(السلسلة الضعيفة: ج ۱/ ۶۸؛ كشف الخفاء: ۲/ ۲۶۲؛ المقاصد الحسنة: ۱/ ۲۵۲، ۲۲۰)

موضوعات الصنعانی: ۱/ ۲؛ الدرر المنتشرة: ۱/ ۱۸؛ تذکرة الموضوعات؛ موضوعات الصغری: ۱۸۹؛

موضوعات کبری: ۲۳۸؛ اسنی المطالب: ۲۳۴)

(۸۶) من علامة الساعة التدافع على الإمامة

ترجمہ: امامت کے لیے ایک دوسرے کو ڈھکیلنے کی نوبت کا آجانا قیامت کی علامات میں سے ہے۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، ملا علی قاری، صاحب اسنی المطالب اور شیخ عجلوئی نے اس روایت کو موضوع بتلایا ہے۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ ”لیس بحديث ومعناه صحيح ذكره ابن
الديبع. وقد ورد عن سلامة بنت الحر مرفوعاً ان من اشراط الساعة ان
يتدافع اهل المسجد لا يجدون اماما يصلى بهم، رواه احمد وابوداؤد، وابن
ماجه“۔

الأسرار المرفوعة: ۲۴۵؛ اسنی المطالب: ۲۴۹ میں اس کو ”لیس
بحديث“ کہا گیا ہے۔

اسی طرح امام سخاوی لکھتے ہیں کہ ”معناه ثابت وفي ثامن المجالسة
للدينوري من جهة عبد الرزاق سمعت أبي يقول عن بعض اهل العلم قال
اقيمت الصلوة فجعل القوم يتدافعون، هذا يقدم هذا و هذا يقدم هذا، فلم
يزالوا كذا لك حتى خسف بهم“۔ (المقاصد الحسنة: ۴۳۳)

یعنی اس روایت کا مضمون ثابت ہے علامہ دینوری نے شیخ عبد الرزاق کی سند سے
ذکر کیا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ نماز کے لیے اقامت ہو چکی ہوگی مگر کوئی امامت کے
لیے آگے نہ بڑھے گا اور ہر کوئی دوسرے کو آگے کرے گا مگر کوئی آگے بڑھنے کے لیے تیار نہیں

ہوگا، اور ایسی حالت پر رہتے رہتے ایک دن زمین تلے دھنسا دیا جائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ یہ روایت ”من علامة الساعة التدافع على الامامة“ ان الفاظ میں کلام نبوی نہیں ہے، مگر اس کا مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ مسند احمد، ابوداؤد وغیرہ کی سلامہ بنت الحر کی مرفوع روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

(المقاصد الحسنة: ۴۳۳؛ اسنی المطالب: ۲۴۹؛ الأسرار المرفوعة: ۲۴۵؛ كشف الخفاء: ۲۸۷/۲؛
المصنوع: ۱۹۷؛ سنن أبی داؤد: ۱۵۹؛ مسند احمد: ۳۸۱/۶؛ ابن ماجہ: ۳۱۴/۱)



(۸۷) من علم اخاه آية من كتاب الله فقد ملك رقبته

ترجمہ: جس شخص نے اپنے بھائی کو کتاب اللہ کی ایک آیت سکھا دی وہ اس کی گردن کا مالک ہو گیا۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: یہ روایت، مذکورہ الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، اسی وجہ سے علامہ ابن تیمیہ، امام سخاوی، ملا علی قاری، شیخ عجلونی اور علامہ طاہر یثقی وغیرہم نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، البتہ اسی کے ہم معنی ایک روایت امام طبرانی نے حضرت ابو امامہؓ سے نقل فرمائی ہے جو ثابت ہے، مجمع الزوائد: ۱/۴ پر ہے۔ ”عن ابی امامة الباهلی قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم عبدا آية من كتاب الله فهو مولاه لا ينبغي ان يخذله ولا يستأثر عليه. رواه الطبرانی في الكبير“۔

یعنی ابو امامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی بندہ خدا کو قرآن مجید کی ایک آیت بھی سکھا دی تو وہ سکھانے والا اس کا مالک ہو گیا لہذا یہ مناسب نہیں کہ اس کو بے قدر کرے یا اس پر اپنی ترجیح دکھلائے۔

اور اسی انداز کی بات حضرت شعبہؒ نے بھی فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں:

”من کتبت عنه أربعة أحاديث أو خمسة فانا عبده حتى اموت بل في لفظ عنه. ما كتبت من أحد حديثا إلا و كنت له عبدا ما حثي“.

(مقاصد حسنه، كشف الخفاء)

یعنی جس شخص سے بھی میں نے چار، پانچ حدیثیں حاصل کی، میں موت تک اس کا غلام ہوں بل کہ ایک روایت میں یوں منقول ہے کہ جس کسی سے میں نے ایک حدیث بھی اخذ کی میں تاحیات اس کا غلام بن گیا۔

(مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۷۴/۱؛ كشف الخفاء: ۲/۲۶۵؛ المقاصد: ۴۲۱؛

المصنوع: ۱۹۰؛ الذیل للسیوطی: ۲۰۳؛ الأسرار المرفوعة: ۲۳۹)



(۸۸) من فتنة العالم أن يكون الكلام أحب إليه من الإستماع

ترجمہ: ایک عالم کے لیے بڑے خطرے کی بات ہے کہ اس کو سننے سے زیادہ بولنے کا شوق ہو حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ابن الجوزیؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلوٹیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، ابن السید درویشؒ اور علامہ عراقیؒ یہ سبھی محدثین اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ نے موضوعات صغریٰ: ۱۹۷ اور موضوعات کبریٰ: ۲۳۶ دونوں کے

اندر لکھا ہے کہ: ”ذكر الحديث بطوله في الاحياء وقال العراقي رواه أبو نعيم و

ابن الجوزي في الموضوعات و كذا ذكره في المختصر“.

یعنی یہ حدیث امام غزالیؒ کی احیاء میں مفصل مذکور ہے، جس کے متعلق علامہ عراقیؒ کا

کہنا ہے کہ ابو نعیم اور ابن الجوزیؒ نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔ شیخ عبدالفتاح ابو غندہ نے ملا علی قاریؒ کی مذکورہ عبارت پر حاشیہ لگاتے ہوئے لکھا ہے کہ امام غزالی نے یہ روایت آفاتِ علم اور علماء حق اور علماء سوء کے بیان کے ذیل میں ذکر کی ہے جو ایک طویل حدیث ہے؛ اس میں ایسی ایسی باطل باتیں ہیں جن کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اسی وجہ سے امام ابن الجوزیؒ نے اس کو اپنی موضوعات میں شمار کراتے ہوئے لکھا ہے کہ ”یہ روایت مرفوعاً اور حضرت معاذؓ سے موقوفاً منقول ہے، مگر نہ تو مرفوعاً اس کا ثبوت ہے نہ موقوفاً یعنی نہ تو یہ روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے نہ حضرت معاذؓ نے“۔ (المصنوع: ۱۹۷)

امام ابن الجوزی نے یہ روایت ”من فتنۃ العالم أن یکون.....“ مکمل ذکر فرمائی اور اس کی سند پر مفصل کلام بھی فرمایا، قارئین کی ضیافت کے لیے یہاں پوری روایت نقل کی جا رہی ہے، اس روایت کو ابن الجوزی نے دو سندوں سے ذکر کیا ہے:

(الف) انبأنا محمد بن ناصر الحافظ قال انبأنا الحسن بن احمد الفقيه قال حدثنا محمد بن أحمد الحافظ قال انبأنا محمد بن عبد الله الشافعي قال حدثنا جعفر الصايغ قال حدثنا خالد بن يزيد أبو الهيثم حدثنا جبارة (جنادة) بن مغلس قال حدثنا مندل بن علي عن أبي نعیم عن محمد بن زياد السلمي عن معاذ بن جبل قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”ان من فتنۃ العالم أن يكون الكلام أحب إليه من الاستماع، وفي الكلام تنميق و زيادة ولا يؤمن على صاحبه فيه الخطأ، وفي الصمت سلامة و غنم، و من العلماء من يخزن علمه و لا يحب أن يوجد عند غيره فذاك في السرك الأول من النار. و من العلماء من يكون في علمه منزلة السلطان

فان رد عليه شيء من قوله وتهون بشيء من حقه غضب فذاك في الدرک
 الثانی من النار ، ومن العلماء من يجعل حديثه و غرائب علمه في أهل
 الشرف واليسار من الناس ولا يرى أهل الحاجة له أهلاً ؛ فذاک في
 الدرک الثالث من النار . و من العلماء من يستفزه الزهو والعجب فان وعظ
 عنف وان وعظ أنف فذاک في الدرک الرابع من النار . و من العلماء من
 نصب نفسه للفتيا فيفتي بالخطأ والله يبغض المتكلفين فذاک في الدرک
 الخامس من النار . و من العلماء من يتعلم من اليهود والنصارى ليغزو علمه
 فذاک في الدرک السادس من النار . و من العلماء من يتخذ علمه مروءة و
 نبلاً وذكراً في الناس فذاک في الدرک السابع من النار . بالصمت فيه يغلب
 الشيطان ، وایاک أن تضحک من غيره عجب أو غشى في غير أرب .
 یہ روایت مرفوع مسند ہے۔

ترجمہ: عالم کا مرض یہ ہے کہ کسی کی بات سننے کے مقابلہ میں خود بات کرنا اس کو پسند زیادہ ہوتا ہے،
 جب کہ بولنے میں کمی بیشی اور ملاوٹ کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے، اور عموماً بات کرنے والے خطاب سے
 محفوظ و مامون نہیں ہوتے اور خاموش رہنے میں سلامتی کا پہلو ہوتا ہے، بعض علماء ایسے ہوتے ہیں
 کہ اپنا علم اس طرح بچا بچا کر رکھتے ہیں کہ کسی اور کے پاس اس علم کا ہونا پسند نہیں کرتے، ایسے لوگ
 جہنم کے پہلے طبقے میں ہوں گے، اور ایک جماعت علماء کی ایسی ہے کہ وہ اپنے علمی غرور میں باد
 شاہوں کی طرح ہوتے ہیں اگر ان کی کوئی بات رد کر دی گئی یا ان کے حقوق مفروضہ میں کوئی کمی کی گئی
 تو غضبناک ہو جاتے ہیں، یہ جہنم کے دوسرے طبقے میں ہوں گے، اور ان ہی علماء کا ایک گروہ ایسا
 ہے جن کو باحیثیت اور اہل ثروت لوگوں کے درمیان اپنے علمی غرائب و عجائب سنانے سے زیادہ

دلچسپی ہے، حاجت مندوں کو اپنے ان افادات کا اہل ہی نہیں سمجھتے یہ لوگ جہنم کے تیسرے طبقے میں ہوں گے، بعض وہ علماء بھی ہیں جن کو عجب اور خود بینی نے اس قدر مغرور بنا رکھا ہے کہ اگر وہ کسی کو نصیحت کریں تو سخت رویہ اختیار کریں، اور اگر ان کو کوئی نصیحت کرنا چاہے تو ناگوار تصور کریں، یہ لوگ جہنم کے چوتھے طبقے میں ہوں گے، اور ایک جماعت علماء کی ایسی ہے جنہوں نے از خود فتویٰ دینے کی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہے، پھر یہ فتویٰ دینے میں غلطیاں کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ تکلف والوں کو پسند نہیں کرتا ہے، یہ لوگ جہنم کے پانچویں طبقے میں ہوں گے، اور کچھ وہ علماء ہیں جو اپنی علمی پختگی کے خیال سے یہود و نصاریٰ سے علم سیکھتے ہیں، ایسے لوگ جہنم کے چھٹے طبقہ میں ہوں گے، اور کچھ ایسے علماء ہیں جو اپنے علم کو عوام میں شہرت، عزت اور شرافت کا ذریعہ بناتے ہیں یہ لوگ جہنم کے ساتویں طبقے میں ہوں گے، اسلئے آدمی اگر علم کیساتھ خاموشی کی عادت بنا لے تو شیطان پر غالب رہے گا، اور تم اپنے آپ کو بدون سبب ہنسنے اور بلا ضرورت کہیں جانے سے بچاؤ۔

(موضوعات ابن الجوزی: ص ۱۹۴)

(ب) وانبأنا بهذا الحديث محمد بن ناصر قال ابو سهل من معدويه قال انبأنا ابو الفضل محمد بن الفضل القرشي قال انبأنا أبو بكر بن مردويه قال حدثنا أحمد بن عبيد الله قال حدثنا علي بن الحسين بن سلم قال حدثنا أبو الأزهرى النيسار بوری قال حدثنا فردوس الكوفی قال حدثنا طلحة بن زيد الحمصی عن عمرو بن الحارث عن یزید عن ابن أبی حبيب عن أبی یوسف المعافری عن معاذ بن جبل بمعناه موقوفاً و لم یرفعه۔
یہ روایت موقوف ہے۔

ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ: ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ ”ہذا حدیث باطل سنداً موقوفاً لم یقلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا معاذ“۔

پھر لکھتے ہیں ”پہلی سند میں ایک راوی خالد بن یزید ہے جس کے متعلق یحییٰ اور ابو حاتم رازی نے فرمایا کہ ”ہو کذاب“ وہ کذاب ہے، دوسرا راوی ”جنادہ بن مغلس“ ہے جس کے بارے میں عبد اللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کے سامنے جنادہ سے سنی ہوئی روایت پیش کی تو انہوں نے ان روایتوں کا انکار کیا، اور کہا ”ہی موضوعۃ وہی کذب“ یہ ساری گھڑی ہوئی جھوٹی روایتیں ہیں۔

ابن حبان کہتے ہیں کہ جنادہ اسانید کو الٹ پلٹ کر دیتا تھا، اور مرسل کو موصول و مرفوع بنا دیا کرتا تھا۔

اور تیسرا راوی مندل بن علی ہے، جس کی احمد، یحییٰ اور نسائی نے تضعیف کی ہے، اور ابن حبان نے قابل ترک بتلایا ہے۔

دوسری سند میں طلحہ بن یزید ہے، جو بقول امام نسائی متروک الحدیث ہے، اور امام ابن حبان کی رائے کے مطابق ”لا یحل الاحتجاج بخبرہ“ ہے، یعنی اس کی روایت کو قابل احتجاج سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

(الموضوعات: ج ۱/ص ۱۹۳؛ اسنی المطالب: ۲۴۹؛ الإحياء العلوم: ۶۲/۱؛ الأسرار المرفوعة: ۲۴۶؛ المصنوع: ۱۹۷؛ تذکرۃ الموضوعات: ۲۴/۱؛ کشف الخفاء: ۲۶۷/۲؛ تخریج لاحادیث الإحياء: ۱۴۶/۱؛ اللآلی: ۲۲۳/۱؛ تنزیہ الشریعة: ۲۶۹/۱؛ الفوائد المجموعة: ۲۸۸؛ اللؤلؤ الموضوع: ۶۰۹)



(۸۹) من قص اظفاره مخالفا لم ير في عينيه رمداً

ترجمہ: جو شخص اپنے ناخن مخالف ترتیب سے کاٹے اس کو کبھی آشوب چشم کی شکایت نہیں ہوگی
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، ملا علی قاری، شیخ عجلونی، صاحب اسنی المطالب، علامہ پٹی وغیرہم نے
اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

المقاصد الحسنة: ۴۲۴ میں ہے۔

”و هو في كلام غير واحد من الأئمة منهم ابن قدامة في ”المغني“ و
الشيخ عبد القادر في ”الغنية“ و لم أجده“۔
یعنی یہ روایت کئی اکابر کے کلام میں پائی جاتی ہے، مثلاً شیخ ابن قدامہ نے
”المغنی“ میں اور شیخ عبد القادر جیلانی نے ”غنية الطالبين“ میں اس کو نقل فرمایا ہے، مگر
مجھے یہ روایت، حدیث مرفوع کی حیثیت سے نہیں ملی۔

المصنوع: ص ۱۹۱ میں ملا علی قاری نے بھی اس کو موضوع کہا ہے، اس کے
حاشیہ میں شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے امام سخاوی کا مذکورہ کلام نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ شیخ
ابن قدامہ اور شیخ جیلانی اگرچہ فقہ حنبلی کے پہاڑ ہیں مگر حدیث میں تو ماہرین حدیث سے ہی
بات لی جائے گی، اور فقہ میں فقہ کے شہسواروں سے ہی استفادہ کیا جائے گا۔

امام سخاوی ”مقاصد“ میں اور شیخ الامام محمد بن عبد الباقي الزرقاني ”مختصر المقاصد“
میں لکھتے ہیں: ”قص الاظافر“ لم يرد في كفيته و لا في تعيين يوم له، عن
النبي صلى الله عليه وسلم شيء، و ما يعزى لعلي ثم للحافظ ابن حجر من

النظم فی ذلک فباطل عنہما“۔ یعنی ناخن کاٹنے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ تو کوئی خاص کیفیت منقول ہے، نہ ہی کسی دن کی تخصیص، اور اس سلسلہ میں جو کچھ بھی حضرت علیؓ اور حافظ ابن حجرؒ کی طرف منسوب ہے، وہ سب باطل ہے۔

(اسنی المطالب: ص ۲۳۹؛ المصنوع: ص ۱۹۱؛ المقاصد الحسنة: ص ۴۲۴ اور ص ۳۰۶؛

الأسرار المرفوعة: ص ۲۴۱؛ كشف الخفاء: ص ۲/ج ۲/ص ۲۷۱؛

مختصر المقاصد الحسنة: ص ۱۴۶؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱/ص ۱۶۰)



(۹۰) من قضی صلوٰۃ من الفرائض فی آخر جمعة من شهر رمضان کان ذلک جابراً لکل صلوٰۃ فاتتہ فی عمرہ إلی

سبعین سنة.

ترجمہ: جو شخص رمضان کے آخری جمعہ کو کوئی فوت شدہ فرض نماز کی قضاء کرے تو یہ نماز اس کے ستر سال کی فوت شدہ نمازوں کے لیے کافی ہو جائے گی۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ، شیخ عجلوئیؒ، علامہ عبدالحی لکھنویؒ اور علامہ شوکانیؒ نے بڑے شد و مد کے ساتھ اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

علامہ شوکانیؒ نے اس روایت کو اپنی کتاب ”الفوائد المجموعة فی الأحادیث الموضوعية: ص ۴۴“ میں اس طرح ذکر کیا ہے۔ ”من صلی فی آخر جمعة من رمضان الخمس صلوات المفروضة فی اليوم و الليلة قضت عنه ما اخل به من صلاة سنة“۔

یعنی جس نے رمضان کے آخری جمعہ میں دن و رات کی پانچ فرض نماز ادا کی تو یہ اس کے ایک سال کی قضاء نمازوں کے لیے کفارہ ہو جائیں گی۔
پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ شوکانی لکھتے ہیں۔

”هذا موضوع بلا شك لم اجده في شيء من الكتب التي جمع مصنفوها فيها الأحاديث الموضوعة لكن اشتهر عند جماعة من المتفقهة بمدينة صنعاء في عصرنا هذا و صار كثير منهم يفعلون ذالك و لا ادرى من وضع لهم فبح الله الكذابين“۔

یعنی یہ روایت موضوع ہے اور اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں ہے بل کہ اس روایت کا تو ان کتابوں میں کہیں نام و نشان نہیں جن کے مصنفین نے احادیث موضوعہ کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، لیکن ہمارے زمانہ میں شہر صنعاء میں فقہاء کی جماعت میں یہ روایت کافی مشہور ہے اور بہت سارے لوگ اس پر عمل پیرا بھی ہیں، لیکن ہمیں نہیں معلوم کہ اس کا وضع کرنے والا کون ہے، اللہ ان کذابین و وضاعین کا منہ کالا کرے۔

علامہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اپنے رسالہ ”عجالہ نافعہ“ میں احادیث موضوعہ میں پائے جانے والے قرآن وضع کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ ”الخامس أن يكون مخالفاً لمقتضى العقل وتكذبه القواعد الشرعية مثل القضاء العمري ونحو ذالك“

پانچواں قرینہ یہ ہے کہ اس کا مضمون مقتضائے عقل کے خلاف ہو اور قواعد شرعیہ سے اس کی تکذیب ہوتی ہو جیسے قضاء عمری والی حدیث یا اس جیسی دوسری روایات۔

ملا علی قاریؒ نے مذکورہ بالا روایت (من قضی صلوۃ..... الخ) کو موضوعات کبریٰ میں نقل فرما کر لکھا کہ ”باطل قطعاً لانہ مناقض للاجماع علی ان شیئاً من العبادات

لا يقوم مقام فائتة سنوات“۔

یعنی یہ روایت قطعی طور پر باطل ہے۔ اس لیے کہ اجماع کے خلاف ہے، امت کا اجماع ہے کہ کوئی بھی عبادت سالہا سال کی فوائت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، پھر آگے لکھتے ہیں: ”ثم لا عبره بنقل ”النهاية“ و لا ببقية شراح الهداية“ فانهم ليسوا من المحدثين ولا اسندوا الحديث الى احد من المخرجين“۔

یعنی ہدایہ کی شرح ”نہایہ“ اور اسی طرح دوسرے شراح ہدایہ کے نقل کا یہاں کوئی اعتبار نہیں کیوں کہ یہ لوگ نہ تو محدث ہیں نہ ہی انہوں نے اس روایت کو کسی ایسے محدث کی طرف منسوب کیا ہے جو احادیث کی تخریج کرنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی مخرج تک سند حدیث کا اتصال کیا ہے۔

(الفوائد المجموعة: ۵۴؛ كشف الخفاء: ۲/۲۷۲؛ الأسرار المرفوعة: ۲۴۲؛ الآثار المرفوعة: ۵۸؛ المصنوع: ۱۹۱؛ الاجوبة الفاضلة: ۳۰؛ العجالة النافعة؛ عمدة الرعاية: ۱/۱۳)

علامہ عبدالحی لکھنویؒ کا ایک نہایت محققانہ کلام:

چوں کہ یہاں پر صاحب نہایہ اور بعض شراح ہدایہ کی بات کو ساقط الاعتبار بتلایا گیا ہے، اور اسی طرح بعض دوسرے مواقع پر بعض کتب فقہ اور فقہاء کی عبارت و اقوال پر اعتماد نہیں کیا گیا، جو بعض ذہنوں کے لیے باعث تشویش بات ہو سکتی ہے، اس لیے مقام کی مناسبت سے علامہ لکھنویؒ کا ایک نہایت محققانہ اور اعتدال و انصاف پر مبنی بصیرت افروز کلام ذکر کیا جا رہا ہے، جس سے ان شاء اللہ یہ خلجان دور ہو جائے گا۔ یہ پوری تحقیق علامہ لکھنویؒ کی کتاب ”الاجوبة الفاضلة“ کے حاشیہ میں شیخ عبدالفتاح ابوغندہ نے جمع فرمائی ہے۔

علامہ لکھنویؒ نے اپنی کتاب ”عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية“ کے

مقدمہ میں ملا علی قاریؒ کے اس کلام کو ذکر کرتے ہوئے تعلیقاً فرمایا کہ ملا علی قاریؒ کے مذکورہ کلام سے ایک بہت ہی مفید بات معلوم ہوئی کہ کتب فقہ، مسائل فقہ کے باب میں بلاشبہ معتبر اور قابل اعتماد ہیں؛ اسی طرح ان کے مصنفین بھی اپنے میدان میں تبحر و کمال کے درجہ پر فائز ہیں۔ مگر ان تمام محاسن کے باوجود احادیث کے سلسلہ میں ان پر کئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور محض ان کتابوں میں احادیث کا ذکر آنے سے کوئی قطعی فیصلہ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ کتنی احادیث موضوعہ فقہ کی کتب معتبرہ میں مذکور ہیں، جیسے ”لسان اہل الجنة العربية و الفارسیة الدریة“ ”من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی“ اسی طرح ”علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل“ وغیرہ۔ لیکن ہاں اس کتاب کا مؤلف محدث ہو تو اس کی ذکر کردہ حدیث پر اعتماد کیا جاسکتا ہے؛ اسی طرح کوئی بھی ثقہ مصنف منقول حدیث کی سند، حدیث کی کسی کتاب تک بیان کر دے تو وہ قابل قبول ہو سکتی ہے، اور صاف بات یہ ہے کہ ”لکل مقام مقال و لکل فن رجال“ اللہ تعالیٰ نے ہر بات کا موقع و محل الگ بنایا ہے، اور ہر فن کے لیے علیحدہ رجال پیدا کئے ہیں۔ اور اپنی مخلوقات میں سے ہر ایک کے لیے کسی نہ کسی نوع کی فضیلت کو مخصوص کر دیا جو دوسروں میں مفقود ہوتی ہے، چنانچہ بعض محدثین کے دامن میں روایت کا وافر حصہ القاء فرمایا لیکن فقہ اور اصول فقہ سے ان کو تہی دامن رکھا جب کہ بعض فقہائے کرام میں مسائل فقہیہ کے ضبط کرنے کی تو خوب صلاحیت رکھی لیکن احادیث نبویہ کے ملکہ مبارکہ سے عاری رکھا، اس لیے اب ہم پر یہ بات ضروری ہے کہ ہم ہر ایک کو اس کے مقام و مرتبہ میں رکھیں، اور میں نے اس موضوع پر اپنے رسالہ ”ردع الأخوان مما أحدثوه فی اخر جمعة رمضان“ میں سیر حاصل بحث کی ہے۔

شیخ ابوعدہ یہاں حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ لکھنویؒ نے اس موضوع کی تحقیق میں

رسالہ مذکورہ کے بیس سے متجاوز صفحات پر بڑا ہی شاندار کلام کیا ہے۔

اس مقام کے مطابق خلاصہ کلام کے طور پر اس کا کچھ حصہ ذکر کیا جا رہا ہے، فرماتے ہیں کہ ”زاد اللیب، أنیس الواعظین، إدارة العابدین اور مفاتیح الجنان“ (مغرب) میں مرقوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”من فاتته صلوات ولا یدری عددہا فلیصل یوم الجمعة أربع رکعات نفلًا بسلام واحد ویقرأ فی کل رکعة بعد الفاتحة اية الكرسي سبع مرات، وانا اعطیناک الکوتر خمس عشرة مرة قال علی بن ابی طالب سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول وان فاتته صلوات سبع مائة سنة كانت هذه الصلوة كفارة لها قالت الصحابة: انما غیر الإنسان، أى من هذه الامة. لما فاته وما فات من الصلوات من ابیه وامه ولفوات اولاده“۔

یعنی اگر کسی کی اتنی نمازیں فوت ہو جائیں کہ ان کی تعداد کا علم بھی نہ ہو تو ایسے شخص کو جمعہ کے دن چار رکعت نفل ایک ساتھ ادا کرنا چاہیے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ ”آیۃ الكرسي“ اور پندرہ مرتبہ ”سورۃ الکوتر“ پڑھے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کسی کی سات سو سال کی بھی نمازیں فوت ہو گئیں ہو تو یہ نماز ان تمام چھوٹی ہوئی نمازوں کے لیے کفارہ ہو جائے گی، صحابہ نے عرض کیا کہ اس امت کی عمریں تو صرف ۷۰ سال یا ۸۰ سال کی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ نماز خود اس کی، اس کے والد کی، والدہ کی اور اس کے اولاد وغیرہ کی فوت شدہ نمازوں کے لیے بھی کفارہ ہے۔

نیز ”من صلی فی آخر جمعة من رمضان اربع رکعات قبل الظهر كانت كفارة لفوائت جميع عمره“۔

یعنی جس شخص نے رمضان کے آخری جمعہ میں ظہر سے قبل چار رکعات پڑھی تو یہ نماز اس کی زندگی کے فوت شدہ نمازوں کے لیے کفارہ ہوگی۔ یہ اور ان جیسی غیر ثابت احادیث کتب مذکورہ میں پائی جاتی ہیں، جو صریح البطلان ہیں، پھر علامہ لکھنویؒ نے ان احادیث کے ابطال اور ان کے ناقلین پر اعتماد کرنے والوں کی تردید کے ارادہ سے فرمایا کہ ملا علی قاریؒ نے اپنی ”الموضوعات“ میں ایک قاعدہ کلیہ ذکر فرمایا کہ احادیث نبویہ، مسائل فقہیہ اور تفاسیر قرآنیہ کو کتب متداولہ ہنی سے اخذ کرنا درست ہے، اس لیے کہ دیگر کتب غیر محفوظہ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کتابیں زنادقہ کی وضع کی شکار ہو گئیں ہوں یا ملحدین کے الحاد سے ملحق ہو گئیں ہو۔

پھر علامہ لکھنویؒ نے ان احادیث کے بطلان کی دلیل دیتے ہوئے کئی ایک وجہیں ذکر کی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان مصنفین نے ان روایات کو بے سند ذکر کیا اور نہ ہی کسی مخرج تک متصل السند بیان فرمایا اور بے سند حدیث کو قبول کرنا اہل عقل و دانش کی شان کے خلاف ہے کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان ناقلین کے مابین ایسے ہر خطہ بیابان ہیں جن میں بسا اوقات سواروں کی سواریاں ہلاک ہو جایا کرتی ہیں اور منزل تک رسائی نہیں ہو پاتی، لہذا ان کے صرف ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا و کذا“ کہنا اس وقت تک حلال نہیں ہے، جب تک کہ اس کے پاس اس روایت کی اقل درجہ میں سہی کوئی وجہ روایت نہ موجود ہو۔

لیکن اگر کسی کو اشکال ہو کہ یہ روایتیں تو مشہور ہیں لہذا ان کی سندوں کی تحقیق کی ضرورت نہیں؟ تو اس اشکال کا دفعیہ یہ ہے کہ مشہور سے مراد اگر معنی اصطلاح عند الاصولین ہے، تب بھی سند بیانی ان کی روایت کی تحقیق و تفتیش پر موقوف ہوگی۔

اور اگر مشہور سے مراد مطلق مشہور ہے اگرچہ وہ خواص و عوام کے زبان زد ہیں تب بھی ناقابل انتفاع ہیں اس لیے اس جیسی شہرت محدثین کے پارلیمنٹ میں ساقط الاعتبار ہے، کیوں کہ کتنی ایسی احادیث ہیں جو عوام کی زبان پر مشہور ہیں یا خواص کی کتابوں میں مسطور ہیں حالاں کہ شریعت میں ان کی اصل مفقود ہے، اور وہ موضوع یا حد درجہ ضعیف ہیں۔ مثلاً:

”لولاک لما خلقت الأفلاک، علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل، یوم صومکم یوم نحرکم، لسان أهل الجنة العربية و الفارسیة الدریة وغیرہ۔ جیسا کہ یہ ابن الجوزیؒ کی کتاب ”الموضوعات“ امام سیوطیؒ کی ”اللاالی المصنوعة اور الدرر المنتشرة“ علامہ سخاویؒ کی ”المقاصد الحسنة“ ملا علی قاریؒ کی ”الموضوعات“ وغیرہ مصنفات کو زیر مطالعہ رکھنے والے شخص پر مخفی نہیں۔

علامہ سخاویؒ نے ”فتح المغیث“ میں لکھا ہے کہ مشہور کی دو صورتیں ہیں:

ایک مشہور عند المحدثین یعنی یہ کہ دو سے زائد راویوں سے مروی ہو۔

دوسری مشہور عند الناس یعنی صرف عوام الناس کے مابین وہ مشہور ہوا اگرچہ کہ اس کی صرف ایک سند ہو یا ایک سے زائد ہو یا یہ کہ اس کی کوئی بھی سند نہ ہو وہ بھی اس صورت میں شامل ہے، جیسے ”علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل اور ولدت فی زمن الملك العادل کسری“ (کہ میں عادل حکمران شاہ کسری کے دور میں پیدا ہوا) اس طرح کی بہت سی احادیث مشہورہ لوگوں کے مابین مشہور ہیں لیکن دنیائے حدیث میں مشہور عند الناس

کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا بل کہ مشہور عندالمحدثین کے قول کو قابل تسلیم سمجھا جاتا ہے۔
 اگر کوئی یہ سمجھے کہ ان روایات کا جلیل القدر اور شہیر الذکر حضرات ناقلین سے منقول
 ہونا ہی سند کی حیثیت رکھتا ہے؟ تو ایسے سمجھدار شخص کو یہ بات جاننا ضروری ہے کہ بے سند
 حدیث بالکل ہی قابل قبول نہیں اگرچہ اس کا قائل معتمد ہی کیوں نہ ہو اور خصوصاً جب کہ ناقل
 نقاد حدیث میں سے نہ ہو۔ نیز کسی شخصیت کا جلیل القدر ہونا اس کے منقولات کو قبول کرنے کو
 مستلزم نہیں۔

ذرا ایک نظر جلیل القدر امام غزالیؒ کی تصنیف ”احیاء علوم الدین“ پر ڈالئے
 جس میں بے سند اور غیر معتمد احادیث بکثرت موجود ہیں، جیسا کہ یہ بات علامہ عراقیؒ کی
 ”تخریج احادیث احیاء علوم الدین“ کے مطالعہ سے واضح گف ہو جاتی ہے، نیز جلیل القدر حنفی
 فقیہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ کو لے لیجئے ان کی عظیم المرتبت کتاب ہدایہ میں بھی اخبار غریبہ
 وضعیفہ اور غیر معتمد روایات ہیں جو علامہ زیلعیؒ اور ابن حجرؒ کی ”تخریج احادیث الہدایہ“
 کے پڑھنے سے آشکارہ ہو جاتی ہے۔

ان ساری باتوں کے جاننے کے باوجود بھی اگر کوئی شخص کہے کہ یہ روایات تو ثقات
 سے منقول ہیں اور ثقات سے خرافات و واهیات کا واقع ہونا امر مستبعد ہے؟
 تو میں یہ کہتا ہوں کہ دیندار و ثقہ سے ان کا وقوع امر مستبعد نہیں ہے لیکن ہاں! میں یہ
 بھی نہیں کہتا ہوں کہ انہوں نے علم بالکذب کے باوجود ان کو نقل کیا بل کہ انہیں دوسروں کے
 کہنے سے دھوکہ ہو گیا کیوں کہ وہ نہ تو خود محدث تھے اور نہ ہی کسی محدث ناقد کی طرف اس کی
 نسبت کی ”والعبرة فی هذا الباب لهم لا لغيرهم“ یعنی دنیاۓ حدیث میں محدث
 کے قول کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ کسی اور کا۔

واقعہ: جب میں نے ملا علی قاریؒ کی وہ عبارت جو ”من قضی صلوة سن الفرائض الخ“ کے موضوع ہونے پر دال ہے، بعض لوگوں کو لکھ کر ارسال کیا تو انہوں نے کہا کہ صاحب نہایت کے مقابل میں ملا علی قاریؒ ناقابل اعتبار ہیں، اور قابل اعتبار صاحب نہایت کا نقل کرنا ہے نہ کہ ملا علی قاریؒ کا فیصلہ۔

لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات ایسے جاہل نے کہی ہوگی جو کہ مرتبہ محققین اور فقہاء کے مابین فرق سے بے بہرہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر میدان کے کچھ جانباز پیدا کئے ہیں، اور ہر بات کا ایک مقام و موقع مقرر کر دیا ہے، اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہر ایک کو اس کا مقام و مرتبہ دیں۔

چنانچہ جب اجلہ فقہاء بھی تنقید احادیث سے واقف نہ ہوں تو ہم تحقیق محدثین کے بغیر بے سند و غیر مستند روایات کو تسلیم نہیں کریں گے، معتبرین کے کلام کی طرح ان کا کلام قابل قبول نہیں سمجھیں گے؛ اسی طرح ہر صاحب فن کو اس فن میں حیثیت دیتے جائیں۔

ان تمام تفصیلات کے بعد اب صاحب نہایت کو ذرا مرکز توجہ بنائیے کہ اگرچہ وہ اجلہ فقہاء کی صف میں ہیں لیکن زمرہ محدثین کے رتبہ تک ان کی رسائی نہیں، اس لیے ان کی بے سند روایات کو اس وقت تک قابل تسلیم نہیں سمجھیں گے جب تک کہ ان کے لائق اعتبار ہونے پر محدثین کی ایک جماعت صراحت نہ کر دے کیوں کہ یہ بات مسلم ہے کہ ”العبرة فی هذا الباب لهم لا لغيرهم“۔

شیخ عبدالفتاح ابو غندہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ قیمتی تحقیقات ہیں کہ اگر علم و تحقیق کا کوئی شیدائی اس کے لیے مہینوں کا سفر کرے تو بھی بے غنیمت ہے۔ کیوں کہ یہ ساری باتیں حقائق کا لب لباب اور صاف و بے داغ سراپا خیر خواہی و سچائی پر مبنی ہیں اسی لیے میں نے یہاں

تطویل کلام کو مناسب سمجھا۔

اللہ پاک۔ امام لکھنویؒ پر بارانِ رحمت نازل فرما کر انہیں دین کی پاسبانی کا بدلہ

عطا فرمائیں۔ آمین! (الأجوبة الفاضلة مع الحاشية: ص ۳۰ تا ۳۴)

(۹۱) من کثرت صلوٰتہ باللیل حسن وجہہ بالنہار

ترجمہ: رات میں جس شخص کی نمازیں زیادہ ہوتی ہیں دن میں اس کا چہرہ منور ہوتا ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ سخاویؒ، علامہ صفائیؒ، ابن جوزیؒ، عجلونیؒ، ملا علی قاریؒ اور شیخ پٹمیؒ؛ ان تمام

محدثین نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ روایت متعدد سندوں سے مروی ہے، مگر اس کی کوئی

اصل نہیں ہے، ابن ماجہؒ اور شیخ قضاویؒ نے اس کو صحیح خیال کر کے اس کی تخریج بھی کی ہے، مگر یہ

روایت صحیح تو کیا ہوتی ضعیف بھی نہیں، باتفاق محدثین موضوع ہے۔

علامہ ابن عدیؒ نے اس کو ثابت ماننے والوں پر سخت تردید کی ہے اور محدث ابن

طاہرؒ کہتے ہیں کہ شیخ قضاویؒ کا اس روایت کو صحیح سمجھنا اس کی مختلف اسانید کی بناء پر تھا، اور یہ ان

کی چوک ہے، ان کی حفاظِ حدیث کے مقام تک رسائی نہیں تھی۔

مقاصد حسنہ میں ہے کہ ”واتفق ائمة الحديث ابن عدی و الدارقطنی و

العقيلي وابن حبان و الحاكم على انه من قول شريك“۔

ابن عدیؒ، دارقطنیؒ، عقيليؒ، ابن حبانؒ اور حاکمؒ ان تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ

روایت کلام نبوی نہیں بل کہ حضرت شریکؒ کا قول ہے، جس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک مرتبہ

حضرت ثابتؒ حضرت شریک کی خدمت میں تشریف لائے، ثابت ایک نیک صالح بزرگ آدمی تھے اور شریک کچھ مزاح پسند طبیعت رکھتے تھے، اس وقت شریک ایک دوسری حدیث کی سند طلباء کو اس طرح لکھوا رہے تھے۔

”حدثنا الأعمش عن أبي سفيان عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم“ ابھی حدیث کا متن پڑھانا باقی تھا، اتنے میں حضرت ثابتؒ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کے زہد و ورع اور چہرے کی نورانیت سے متاثر ہو کر بول پڑے ”من كثرت صلواته بالليل حسن وجهه بالنهار“ تو ثابت نے یہ سمجھ لیا کہ شیخ شریکؒ نے جو سند پڑھی اسی سند کا یہ متن ہے، چنانچہ ثابت یوں روایت نقل کرنے لگے۔

”عن شريك عن الأعمش عن أبي سفيان عن جابر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كثرت صلواته بالليل حسن وجهه بالنهار“ پھر ثابت سے کئی لوگوں نے مثلاً اسحاق ابن بشر الکافی، عبد اللہ ابن شبرمہ الشریکی اور عبد الحمید بن بحر وغیرہ نے اس کی روایت کر دی اور شدہ شدہ یہ حدیث نبوی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

حالانکہ شریک اس وقت مذکورہ سند سے جو حدیث سنانا چاہتے تھے وہ یہ تھی:

”يعقد الشيطان على قافية رأس أحدكم اذا هو نام ثلاث عقد الخ“۔

(توضیح الافکار للصغاني: ۸۸/۲؛ تدريب الراوي: ۱۸۸؛ حاشية المصنوع: ۱۹۳)

(الموضوعات: ۱۰۹/۲؛ المقاصد الحسنة: ۲۲۳/۱؛ المصنوع: ۱۹۳)

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ: ”قال بعض السلف من كثرت صلواته الخ

وقد اسنده ابن ماجه في سننه عن اسماعيل قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من كثرت صلواته الخ. والصحيح انه موقوف“۔

(تفسير ابن کثیر: ۳۶۱/۷)

یعنی بعض سلف فرماتے ہیں کہ روایت مذکورہ ”من کثرت صلواتہ..... کو اگرچہ امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی حیثیت سے ذکر فرمایا ہے؛ مگر صحیح بات یہ ہے کہ یہ روایت حدیث مرفوع نہیں ہے، بل کہ موقوف ہے۔

تفسیر قرطبی میں امام قرطبیؒ نے ”سیمامہم فی وجوہہم من اثر السجود“ کے تحت اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: وقال ابن العربی دسہ قوم فی حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی وجہ الغلط و لیس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہ ذکر بحرف۔

یعنی: الغرض شیخ ابن العربی فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے اس روایت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں غلط طریقے سے شامل کر دی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں ایک حرف بھی ثابت نہیں ہے، ابن کثیرؒ، امام قرطبیؒ، اور ابن العربیؒ تینوں حضرات اس کے حدیث ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر القرطبی: ۱۶/۲۹۳)

ابن الجوزیؒ نے یہ روایت دو صحابی سے مرفوعاً نقل کی ہے، ایک حضرت جابرؓ سے دوسرے حضرت انسؓ سے۔

حضرت انسؓ کی روایت کے بعد لکھا ہے: حضرت جابرؓ کی روایت کے متعلق لکھا ہے کہ یہ روایت چھ طرق سے مروی ہے، مگر ایک بھی طریق کھوٹ سے پاک نہیں ہے۔

پہلی سند میں عبد الحمید ابن بحرؒ ہے جس کے بارے میں ابن حبان نے کہا: ”یسرق

الحديث ويحدث عن الثقات ما ليس من حديثهم لا يصح الاحتجاج به بحال“۔

یعنی یہ شخص حدیثوں کی چوری کیا کرتا تھا، اور ثقات کے حوالہ سے ایسی حدیثیں

سناتا تھا جن کا ان سے ثبوت نہیں ہوتا تھا، لہذا اس کی روایات سے کام لینا کسی بھی حالت میں جائز نہیں۔

اور بقیہ سندوں میں ضعیف، مجہول، اور کذاب افراد پائے جاتے ہیں مثلاً محمد بن ایوب ضعیف ہے، محمد بن جزار اور اس کا باپ دونوں مجہول ہیں اور عدوی کذاب ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارے میں لکھا کہ ”ہذا حدیث لا یصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ یعنی اس حدیث کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ثبوت نہیں ہے کیوں کہ اس کی سند میں عثمان بن دینار واقع ہے جس کے متعلق عقیلی کا کہنا ہے کہ اس سے اس کی لڑکی حکامہ بے بنیاد باطل روایات نقل کیا کرتی تھی نیز عقیلی نے کہا ”وہذا الحدیث باطل لا أصل لہ“۔

(الموضوعات لابن الجوزی: ۱۰۹/۲؛ المقاصد الحسنة: ۲۲۴؛ الموضوعات للصفانی: ۲/۱؛
کشف الحفاء: ۲۴۴/۲؛ تذکرۃ الموضوعات: ۴۸/۱؛ الاسرار المرفوعة: ۲۴۲)



(۹۲) موت العالم موت العالم

ترجمہ: عالم کی موت عالم کی موت ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: یہ عبارت حدیث نبوی نہیں ہے، کسی شخص کا قول ہے، ذخیرہ احادیث میں اس کا ذکر نہیں ملتا، ہاں اس کا مضمون اپنی جگہ صحیح ہے کہ عالم کی موت اتنا بڑا خسارہ ہے کہ اس کو عالم کی موت کہنا بجا ہے، اس قسم کا مضمون جس سے عالم کی موت کا بڑا خسارہ ہونا بعض دوسری روایات میں وارد ہے۔ مثلاً:

(الف) موت العالم مصيبة لا تجبر، وثلمة لا تسد، وهو نجم طمس وموت قبيلة ایسر من موت عالم، رواه الطبرانی فی الكبير عن أبی الدرداء مرفوعاً.
یعنی عالم کی موت ایسی مصیبت ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی، اور ایسا خلا ہے جس کو پُر نہیں کیا جاسکتا، وہ ایک ستارہ ہے جو ڈوب گیا، اور قبیلہ کی موت سہل تر ہے عالم کی موت سے۔
(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ج ۱/ ص ۱۲۴؛ کنز العمال: ج ۱۰/ ص ۴۹۱)

(ب) إذا مات العالم إنشلم فی الإسلام ثلمة ولا یسدھا شیء إلى یوم القيامة. عن علی من قوله وهو معضل.

یعنی جب عالم کا انتقال ہوتا ہے تو اسلام میں ایک رخنہ پڑ جاتا ہے جس کو کوئی چیز تار و قیامت پُر نہیں کر سکتی۔

(ج) عن جابر مرفوعاً موت العالم ثلمة فی الاسلام لا یسدھا اختلاف اللیل والنهار.

یعنی عالم کی موت ایسا خلا ہے جس کو زمانہ کی گردش پُر نہیں کر سکتی۔

(د) ما قبض اللہ عالمًا إلا کان ثغرة فی الاسلام لا تسد، عن ابن عمر مرفوعاً.
یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی عالم کی روح کو قبض کرتے ہیں تو اسلام میں ایک ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جس کی بھر پائی نہیں ہو پاتی۔

مذکورہ بالا (چاروں) روایات کا حاصل یہ ہے کہ عالم کی موت سے اسلام میں ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے، جو قیامت تک کسی چیز سے پُر نہیں کیا جاسکتا۔

(هـ) آیت شریفہ ”أولم یروا أنا نأتی الأرض ننقصها من أطرافها“۔ (الرعد: ۴۱)
یعنی کیا وہ اس امر کو نہیں دیکھ رہے ہیں کہ ہم زمین کو ہر چہار طرف سے برابر کم

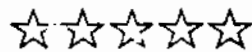
کرتے چلے آتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ”ای موت علماء ہا و فقہاء ہا“ یعنی امت کا نقصان اور خسارہ علماء و فقہاء کی موت کے ذریعہ ہوگا۔

(و) امام بیہقیؒ نے حضرت ابو جعفرؒ سے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”موت عالم احب الی ابلیس من سبعین عابدًا“۔ یعنی ایک عالم کی موت ابلیس کے نزدیک ستر عابدوں کی موت سے زیادہ محبوب ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۴۵؛ الاسرار المرفوعة: ص ۱۷۷؛ كشف الخفاء: ج ۱/ ص ۹۹)

تذکرۃ الموضوعات: ج ۱ ص ۲۱ / کنز العمال



(۹۳) موتوا قبل ان تموتوا

ترجمہ: مرنے سے پہلے مر جاؤ۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، عجلوٹیؒ اور ابن حجر عسقلانیؒ یہ سبھی حضرات اس کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاویؒ کہتے ہیں ”قال شيخنا انه غير ثابت“۔ (مقاصد الحسنة: ۴۲۶)

یعنی ہمارے شیخ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔

نیز ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں ”قال العسقلانی انه غير ثابت و قلت هو من

كلام الصوفية و المعنى موتوا اختياراً قبل ان تموتوا اضطراراً، المراد

بالموت الاختياري ترك الشهوات واللّهوات وما يترتب عليها من الزلات

و العقلاۃ“۔ (الاسرار الحسنۃ: ۲۴۶؛ المصنوع: ۱۹۸؛ کشف: ۲۹۱/۲)

یعنی علامہ عسقلانیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث موضوع ہے، اور میں (ملا علی قاری) کہتا ہوں کہ یہ فقرہ کلام صوفیاء کی قبیل سے ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اضطراری موت سے پہلے اختیاری موت مر جاؤ اور اختیاری موت سے مراد شہوت و لذت اور کھیل کود کی چیزوں کو چھوڑ دینا اور ان کے نتیجہ میں وجود میں آنے والی لغزشتوں اور غفلتوں سے بچ جانا ہے۔



(۹۴) الناس علی دین ملوکھم (وفی رواۃ) ملیکھم

ترجمہ: پبلک اپنے بادشاہوں کے طور طریق پر چلتی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاوی، ملا علی قاری، شیخ عجلونی، علامہ شوکانی، علامہ پٹنی، شیخ ابن الخلیل طرابلسی، شیخ امیر کبیر الممالکی، شیخ سلیمان بن صالح الخراشیؒ ان تمام حضرات نے اس روایت کو بے اصل اور موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ لکھتے ہیں: ”لا اعرفہ حدیثاً وقد رویناہ عن الفضیل بن عیاض انہ قال مامعناہ“ یعنی میں اس کو حدیث نہیں سمجھتا، ہاں فضیل بن عیاض سے اسی قسم کا ایک مضمون منقول ہے، پھر امام سخاویؒ نے وہ مضمون نقل فرمایا کہ حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا کہ اگر میرے پاس کوئی قبولیت کے قابل کوئی ادعاء ہوتی تو میں بادشاہ وقت کو اس کا سب سے زیادہ مستحق قرار دیتا، کیوں کہ بادشاہ کے صلاح و فساد کیساتھ عوام کا صلاح و فساد وابستہ ہے۔

پھر امام سخاوی نے طبرانی کبیر اور طبرانی اوسط کے حوالہ سے حضرت ابوامامہؓ کی سند سے ایک مرفوع حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس سے اوپر کی ذکر کردہ روایت کے مضمون کی تائید ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”لا تسبوا الائمة وادعوا لهم بالصلاح فان صلاحهم لكم صلاح“۔

ترجمہ: اپنے مقتداؤں (حکمران وغیرہ) کو برا نہ کہو بلکہ ان کے لیے دعاء خیر کرتے رہا کرو کیوں کہ ان کی صلاح میں تمہاری صلاح پوشیدہ ہے۔

اسی طرح بیہقی نے کعب احبار کا یہ قول نقل فرمایا ہے: ”ان لكل زمان ملکا يبعثه الله على نحو قلوب اهله فاذا اراد صلاحهم بعث عليهم مصلحا واذا اراد هلكتهم بعث فيهم مترفيهم“۔

ترجمہ: ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ اہل زمانہ کے دلوں کے مطابق بادشاہ منتخب کرتا ہے، لوگوں کے قلوب کی صلاح و اصلاح مقصود ہوتی ہے تو مصلح بادشاہ کو بھیجتا ہے، اور جب لوگوں کی ہلاکت پیش نظر ہوتی ہے تو ان ہی کے عیش پرستوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے۔

اسی طرح امام سخاوی نے شیخ دینوری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عمر بن خطاب کے زمانہ میں کسری کا تاج شاہی جب آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ تاج لا کر دینے والا اللہ کی قسم کوئی امانتدار آدمی ہو سکتا ہے، تو ایک شخص نے کہا اے امیر المؤمنین آپ اللہ تعالیٰ کی امانت کے بارے میں امین ہیں تو آپ کی قوم بھی امین ہے، اگر آپ میں خیانت کا اثر ہوتا تو قوم بھی خائن ہوتی۔

شیخ عجلونی نے ”کشف الخفاء ج ۲/ ص ۳۱۱“ میں شیخ نجم الدین غزی کے حوالہ سے روایت مذکورہ کی توضیح میں عمر بن عبدالعزیز کا یہ قول ذکر فرمایا ہے کہ: ”السلطان سوق فما

راج عندہ حمل الیہ“ یعنی بادشاہ کی حیثیت بازار اور منڈی کی ہوا کرتی ہے، اس لیے جس قسم کا مال وہاں چلتا ہوگا ویسا ہی مال پہنچایا جائے گا، حافظ بن کثیر نے ”البدایہ والنہایہ“ میں ولید بن عبد الملک کے ترجمہ کے تحت بڑی عمدہ بات لکھی ہے، جس سے روایت مذکورہ ”الناس علی دین ملوکہم“ کے مضمون کی بہت ہی جلی اور واضح مثال سامنے آتی ہے، لکھتے ہیں کہ بادشاہ اگر شرابی، لوطی، بخیل و حریص ہوگا تو قوم بھی ویسی ہی ہوگی، اور اگر بادشاہ شریف، سخی، بہادر ہوگا تو قوم کا بھی یہی حال ہوگا، ولید بن عبد الملک کا سارا منصوبہ عمارتوں سے متعلق ہوا کرتا تھا، تو اس کے دور میں لوگ بھی اسی خیال میں مشغول تھے، کہ آپس کی ملاقاتوں میں پوچھتے تم نے کتنی عمارت کھڑی کی، پھر اس کے بھائی سلیمان کی ساری سوچ عورتوں کے ارد گرد گھومتی رہتی تو اس کے عوام کا بھی یہی حال رہا کی لوگ یہی مذاکرے کرتے کہ تمہارے پاس کتنی بیویاں ہیں؟ کتنی لونڈیاں ہیں؟ اور جب حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کا مبارک دور آیا تو وہ چوں کہ تلاوت قرآن، نماز اور عبادت میں مستغرق رہتے تھے، تو ان کے زمانہ میں لوگ آپس کی ملاقاتوں میں ایک دوسرے سے یہ سوال کرتے کہ تم نے آج کتنی تلاوت کی؟ کتنے وظیفے کئے؟ گذشتہ رات کتنی نفلیں پڑھی؟ (حاشیہ المصنوع ۱۹۸، ۱۹۹)

الغرض! روایت مذکورہ کا مضمون تو بہت عمدہ اور مطابق واقع ہے، مگر حدیث نبوی

نہیں ہے۔

(المقاصد الحسنہ ص ۴۴۱؛ النخبۃ البہیہ ج ۱، ص ۲۱؛ الاسرار المرفوعۃ؛ المصنوع ۱۹۸؛

کشف الحفاء ج ۲ ص ۳۱۱؛ الفوائد المجموعۃ؛ تذکرۃ الموضوعات ج ۱ ص ۱۸۳)



(۹۵) (الف) الناس كلهم هالكون إلا العالمون و العالمون
كلهم هالكون إلا العاملون و العاملون كلهم هالكون إلا
المخلصون و المخلصون على خطر عظیم.

(ب) الناس هلکی إلا العالمون و العالمون هلکی إلا العاملون
و العاملون هلکی إلا المخلصون و المخلصون على خطر
عظیم . (وفی بعض الروایات غرقى، و فی بعضها موتی)

ترجمہ: سارے لوگ برباد ہیں سوائے علماء کے اور سارے علماء برباد ہیں سوائے علم پر عمل
کرنے والوں کے اور تمام عمل کرنے والے بھی برباد ہیں سوائے اخلاص والوں کے اور
اخلاص والے بڑے پر خطر مرحلہ میں ہیں۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ صفائی اپنی موضوعات: ج ۱ ص ۲ میں لکھتے ہیں ”هذا الحديث مفترى و
ملحون و الصواب فى الاعراب الا العالمين و العاملين و المخلصين“.
یعنی یہ حدیث من گھڑت ہے اور لفظی اعتبار سے غلط بھی ہے، کیوں کہ ”العالمون،
العاملون، المخلصون کی جگہ العالمین، العاملين، المخلصین ہونا چاہیے تھا، اور
اگر کسی تاویل سے اس کو صحیح بھی قرار دیا جائے، پھر بھی یہ روایت حدیث نبوی نہیں ہے۔
علامہ عجلوٹی، علامہ طاہر پٹی اور شیخ ابن درویشؒ یہ سب حضرات اس روایت کو

بے سند اور موضوع قرار دیتے ہیں:

صاحب اسنی المطالب اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ:

”موضوع و هذا الحديث ذكره السمرقندی في كتاب تنبيه الغافلين

و ولع به اهل الوعظ وهذا الكتاب فيه كثير من الموضوع فلا يعتمد عليه“

یعنی یہ روایت موضوع ہے اس کو شیخ سمرقندی نے اپنی کتاب ”تنبيه الغافلين“

میں ذکر کیا ہے، اور واعظین کو اس سے بہت دلچسپی ہے، اور اس کتاب میں بکثرت موضوع

احادیث پائی جاتی ہیں، اس لیے یہ کتاب قابل اعتماد نہیں ہے۔

(كشف الخفاء: ۳۱۲/۲؛ تذكرة الموضوعات: ۲۰۰/۱؛ اسنی المطالب: ۲۶۲، موضوعات الصغاني: ۲/۱)

تنبيه: شیخ البانی لکھتے ہیں:

”هوشیه بکلام الصوفیه و مثله قول سهل بن عبد الله التستری

الناس کلهم سکاری الا العلماء و العلماء کلهم حیاری الا من عمل به.

رواه الخطیب فی ”اقتضاء العلم و العمل“ ثم روى من طریق اخرى عنه قال

.الدنيا جهل و موات الا العلم و العلم كله حجة الا العمل به، و العمل كله

هباء الا الاخلاص و الاخلاص على خطر عظیم حتی یختم به. قلت و هذا

اقرب الى هذا الحديث فلعله هو اصله رفعة بعض جهلة الصوفية“۔

(السلسلة الضعيفة للالبانی: ج ۱/ ص ۷۸)

یہ روایت کلام صوفیاء کے قبیل سے ہے، حضرت سہیل بن عبد اللہ تستری سے اس

کے مانند ایک قول منقول ہے جس کو شیخ خطیب نے ”اقتضاء العلم و العمل“ میں نقل

فرمایا ہے ”الناس کلهم سکاری الا العلماء و العلماء کلهم حیاری الا من عمل به“

یعنی یہ سارے لوگ مدہوش ہوں گے سوائے اہل علم کے، اور سارے اہل علم حیران ہوں گے سوائے علم پر عمل کرنے والوں کے۔

اور ایک دوسری سند سے یہ قول بھی حضرت سہل تستریؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”الدنيا جهل وموات الا العلم، والعلم كله حجة الا العمل به و العمل كله هباء الا الاخلاص والاخلاص على خطر عظيم“ دنیا کی ہر شے جہالت اور موت کے مترادف ہے، بجز علم کے اور ہر علم بھی آدمی کے خلاف حجت ہے، بغیر عمل کے اور ہر عمل بھی سارا کا سارا کالعدم ہے بغیر اخلاص کے اور اخلاص بڑی پرخطر چیز ہے۔

شیخ البائیؒ کہتے ہیں کہ یہ مقولہ، حدیث مذکورہ بالا سے زیادہ قریب ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ شیخ تستریؒ کا یہی قول اس حدیث موضوع کی اصل ہے، یعنی شیخ کے اسی قول کو بعض جاہل صوفیاء نے حدیث مرفوع سمجھ لیا اور اس کو آگے چلتا کر دیا۔



(۹۶) نظرة في وجه العالم احب إلى الله من عبادة

ستين سنة صيامًا و قيامًا

ترجمہ: عالم کے چہرہ پر نظر ڈالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساٹھ سال کی نماز اور روزہ جیسی عبادت سے زیادہ محبوب ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، شیخ عجلوٹیؒ، علامہ شوکانیؒ، علامہ طاہر یثربیؒ اور علامہ ابن القیمؒ جوڑیؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاویؒ لکھتے ہیں کہ یہ روایت سمعان بن المہدی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کی ہے، مگر سمعان کا حال یہ ہے کہ وہ وضاعین (حدیثیں گھڑنے والوں) میں سے ہے؛ اسی طرح امام ویلمیؒ نے بھی یہ روایت قدرے تغیر کے ساتھ بغیر سند کے حضرت انسؓ کے حوالہ سے اس طرح نقل کی ہے۔

”النظر الى وجه العالم عبادة، وكذا الجلوس معه، والكلام، و الأكل“.

یعنی عالم کو دیکھنا اور اس کے ساتھ بیٹھنا، بات کرنا اور کھانا، عبادت ہے۔

مگر یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

(العلل المتناہية: ص ۲۲۸، كشف الخفاء: ج ۲ ص ۱۰۸۹ / الفوائد المجموعة: ج ۱ / ص ۲۸۷؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱ / ص ۱۳۰؛ الأسرار المرفوعة: ص ۲۵۳؛ المقاصد الحسنة: ص ۴۴۶؛ مختصر المقاصد الحسنة: ص ۱۹۶)



(۹۷) (الف) نوم العالم عبادة (ب) نوم العلماء عبادة

ترجمہ: عالم کا سونا عبادت ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ملا علی قاریؒ نے ”الموضوعات الكبرى: ص ۲۵۵“ میں فرمایا ہے: ”لا اصل له في المرفوع هكذا“، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں اس انداز کی کوئی حدیث نہیں اور اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ عجلوٹیؒ نے ”كشف الخفاء“ میں موضوعات کے ذیل میں اس حدیث کو نقل فرمایا ہے، اور لکھا ہے کہ امام غزالیؒ نے ”احیاء“ میں اس روایت کو حدیث کی حیثیت

سے لکھا ہے، اور اس کے ساتھ ”ونفسہ تسبیح“ (عالم کی سانس تسبیح کا درجہ رکھتی ہے) کی زیادتی بھی ذکر فرمائی ہے، لیکن انہوں نے نہ تو اس کا کوئی مخرج بتلایا کہ کس محدث نے کس کتاب میں اس کو لکھا ہے، اور نہ ہی یہ لکھا کہ کس صحابی سے حدیث منقول ہے۔

(کشف الحفاء: ۲/۳۲۵، ۳۲۹)

صاحب تخریج احادیث احیاء، علامہ عراقیؒ نے بھی اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے فرماتے ہیں: ”والمعروف فیہ الصائم دون العالم“۔

تنبیہ: البتہ یہاں دو باتیں قابل توجہ ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ واقعی عالم کا سونا عبادت ہے کیوں کہ عالم اپنے علم کی بنیاد پر اپنی نیند میں یہ نیت کرے کہ سو کر نشاط حاصل کروں گا، پھر طاعت میں دل جمعی سے مشغول ہو جاؤں گا تو اس کا یہ سونا بھی عبادت بن جائے گا۔

پہلی بات تو یہ کہ یہ روایت اگرچہ حدیث نبوی نہیں ہے، مگر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بات اسی انداز کی ارشاد فرمائی ہے جس کو ابو نعیمؒ نے ”حلیۃ الأولیاء“ میں نقل کیا ہے، وہ یہ ہے۔

”نوم علی علم خیر من صلوة علی جہل“ عالم کا سونا جاہل کی نماز

(عبادت) سے بہتر ہے۔ (الأسرار المرفوعة: ۲۵۵)

اور پھر اسی مضمون سے اخذ کر کے کسی نے ”نوم الظالم عبادة“ کا جملہ تیار کر دیا (کہ ظالم کا سونا بھی عبادت ہے) کیوں کہ جب تک ظالم سویا ہوگا اتنی دیر تک تو ظلم سے باز رہے گا، تو گویا سونا اس کے حق میں عبادت بن گیا۔

اب یہاں ایسا لگتا ہے کہ حضرت سلمان فارسیؒ کے مذکورہ مقولہ سے کسی نے دھوکہ کھا کر اس مضمون کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے ”نوم العالم

عبادۃ“ کو حدیث مرفوع کہہ دیا۔

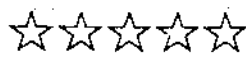
دوسری بات یہ کہ روزہ دار کے متعلق ایک حدیث امام بیہقی نے ایک ضعیف سند سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نوم الصائم عبادۃ وصمتہ تسبیح وعملہ مضاعف و دعائہ

مستجاب و ذنبہ مغفور“۔ (الأسرار المرفوعة: ۲۵۵؛ حلیہ الاولیاء: ۵/۸۳، الاحیاء: ۱/۲۳۲)

یعنی روزہ دار کا سونا عبادت ہے، اس کا خاموش رہنا تسبیح ہے، اس کا ہر عمل دو گنا ثواب رکھتا ہے، اس کی دعا مقبول ہوتی ہے، اور اس کا گناہ بخش دیا جاتا ہے۔

اس میں ”نوم الصائم عبادۃ“ مذکور ہے، مگر غلطی سے ”نوم العالم عبادۃ“ مشہور ہو گیا۔ چنانچہ تخریج احیاء: ۱/۳۱۳ میں علامہ عراقی نے لکھا ہے کہ ”قلت المعروف الصائم دون العالم“ یعنی محدثین کے نزدیک حدیث میں ”نوم الصائم“ وارد ہے نہ کہ ”نوم العالم“ ملا علی قاریؒ کی تحقیق سے بھی یہی واضح ہے کہ یہ روایت صائم سے متعلق ہے نہ کہ عالم سے۔ (الأسرار المرفوعة: ۲۵۶)

خلاصہ یہ ہے کہ ”نوم العالم عبادۃ“ کلام نبوی نہیں ہے، ہاں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ قول سے اس کے مضمون کی تائید ہوتی ہے۔



(۹۸) ولدت فی زمن الملك العادل

ترجمہ: میں انصاف پرور بادشاہ (نوشیرواں) کے زمانہ میں پیدا ہوا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، عجلوئیؒ، علامہ پٹنیؒ، علامہ صفائیؒ اور علامہ شوکانیؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاویؒ نے فرمایا ”لا أصل له“ امام زرکشیؒ فرماتے ہیں: ”کذب باطل“ یہ روایت جھوٹی اور باطل ہے، بل کہ علامہ ابن السمعانیؒ نے اپنی سند کے ساتھ بتلایا کہ قاضی ابوبکر الحیرمیؒ کہتے ہیں کہ ”کہ ایک بزرگ نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی اور سوال کیا کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ ”انک ولدت فی زمن الملك العادل“۔ یعنی آپ عادل بادشاہ کے زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں۔

تو میں نے اس کے متعلق ابو عبد اللہ الحاکمؒ سے پوچھا کہ اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ جھوٹ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی بات ارشاد نہیں فرمائی ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حاکم ابو عبد اللہؒ نے صحیح جواب دیا ہے، یعنی میں نے یہ بات نہیں بیان کی ہے۔

شیخ حلیمیؒ نے بھی ”شعب الایمان“ میں اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

امام سخاویؒ کہتے ہیں کہ حافظ ابن رجبؒ نے ابن قدامہؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ ابن قدامہؒ نے فرمایا کہ ”قد جاءني الحديث ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ولدت في زمن الملك العادل كسرى“۔

مگر ابن قدامہؒ کی طرف اس کی نسبت ثابت نہیں ہے، کیوں کہ ناقل اور ابن قدامہؒ

کی درمیانی سند میں انقطاع پایا جاتا ہے۔ (المقاصد الحسنة: ۴۵۴)

امام سیوطیؒ نے بھی ”الدرر المنتشرة في الاحاديث المشتهرة: ۲۰/۱“ میں

اس کو ”کذب باطل“ لکھا ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ”قال السيوطي قال البيهقي في شعب الايمان تكلم شيخنا ابو عبد الله الحافظ في بطلان ما يرويه بعض الجهلاء عن نبينا صلى الله عليه وسلم ”ولدت في زمن الملك العادل يعني أنوشيروان“۔

(الأسرار المرفوعة: ۲۵۹)

امام سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے شعب الايمان میں لکھا کہ ہمارے شیخ ابو عبد اللہ حافظ نے اس روایت کے بطلان پر کلام کیا ہے، جس کو جہلاء، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: ”ولدت في زمن الملك العادل يعني انوشيروان“ جب کہ یہ ثابت نہیں ہے۔

(المقاصد الحسنة: ص ۴۵۴؛ المصنوع: ص ۲۰۴؛ الأسرار المرفوعة: ص ۲۵۹؛

موضوعات الصغاني: ج ۱/ ص ۲؛ تذكرة الموضوعات: ج ۱/ ص ۸۸)



(۹۹) الولد سر لأبيه

ترجمہ: اولاد اپنے باپ کی ترجمان ہوتی ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سخاویؒ، عجلوٹی، ملا علی قاریؒ، پٹنی، صفائی، سیوطیؒ اور سید ابن درویشؒ؛ یہ تمام حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

امام سخاویؒ اور ملا علی قاریؒ نے فرمایا: ”لا اصل له“ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اور شیخ عبدالعزیز الدیریؒ نے اس جملہ کا مطلب یہ بتلایا ہے کہ آدمی اپنے باپ کے

اوصاف سیکھتا ہے، اور اس کے مزاج و طبیعت سے متاثر ہو کر اس کے نقش پر چلتا ہے، اور ایسا تو ہر کسی کی صحبت کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کے اندر ہم نشینوں کے اچھے اثرات منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اور اسی انداز کی بڑی عمدہ بات ان دو شعروں میں کہی گئی ہے۔

عن المرء لا تسئل وسل عن قرينه فكل قرين بالمقارن يقتدى

یعنی آدمی کے متعلق نہ سوال کرو (کہ کیسا ہے؟) بل کہ اس کے ساتھی اور ہم نشین

کے بارے میں پوچھو کہ وہ کیسا ہے کیوں کہ ہر شخص اپنے ساتھی کا اثر قبول کرتا ہی ہے۔

بأبه اقتدى عدی فی الکرم ومن يشابه ابه فما ظلم

یعنی عدی ابن حاتم نے اپنے والد حاتم طائی کی روش کو اختیار کیا اور باپ کے نقش پر

چلنا کوئی جرم نہیں ہے۔ (کشف الخفاء: ۲/۳۳۸)

خلاصہ: یہ کہ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ اولاد میں باپ کے اوصاف و اثرات منتقل ہوتے ہیں مگر ”الولد سر لأبيه“ کو حدیث نبوی کہنا صحیح نہیں۔

(المقاصد: ۴۵۳/الاسرار: ۲۵۹؛ کشف: ج ۲/۱۹۱۱ ج ۲/۳۳۸؛ الفوائد المجموعه: ۱/۱۳۷؛

تذکرۃ الموضوعات: ۱/۹۳۶؛ الدرر المنتشرة: ج ۱/ص ۴۶۱؛ اسنی المطالب: ۲۶۷)



امام ابوحنیفہ سے متعلق روایات

سیدنا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے متعدد مرفوع روایات نقل کی جاتی ہیں؛ مگر ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں بل کہ سب موضوع ہیں، جب کہ امام ابوحنیفہؒ کی علمی و فقہی بصیرت، ورع و تقویٰ اور آپ کا فضل و کمال اس قدر مبرہن اور روشن ہے کہ ان جیسی بے سند جعلی روایات کی قطعاً ضرورت نہیں۔

علامہ ابن حجر مکیؒ نے اپنی کتاب ”الخيرات الحسان في مناقب أبي حنيفة النعمان“ میں امام سیوطی وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ صحیحین وغیرہ کی وہ روایت جس میں وارد ہے کہ

”ان النبي صلى الله عليه وسلم قال لو كان الإيمان عند الثريا و في

لفظ لو كان العلم معلقاً عند الثريا لتناوله رجال من أبناء فارس“۔ (بخاری و مسلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر ایمان روئے زمین سے اٹھ کر ثریا پر پہنچ جائے تو بھی باشندگانِ فارس کے کچھ بندے اس کو حاصل کر لیں گے۔

یہ روایت امام ابوحنیفہؒ اور ان جیسے دوسرے حضرات پر منطبق ہوتی ہے، اس لیے اس

صحیح روایت کے ہوتے ہوئے بے سند، اور موضوع روایات سے دلچسپی لینے کی کیا ضرورت؟

تاہم وہ بے سند اور موضوع روایات بغرض تحقیق کسی قدر تفصیل سے ذکر کی جاتی

ہیں، تاکہ کھرے کھوٹے کی تمیز میں آسانی ہو۔

(۱۰۰) (الف) یكون فی امتی رجل اسمه النعمان و کنیتہ

أبو حنیفۃ هو سراج امتی.

(ب) سیکون فی امتی رجل یقال له أبو حنیفۃ هو سراج امتی.

ترجمہ: دونوں روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام نعمان اور کنیت ابوحنیفہ ہوگی وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔

حکم: دونوں موضوع ہیں۔

تحقیق: علامہ ابن الجوزی، امام سیوطی، ابن العراق، کنائی، علامہ صفائی، علامہ شوکانی، علامہ خطیب بغدادی اور علامہ پٹنی یہ تمام حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

ابن الجوزی لکھتے ہیں کہ علامہ خطیب بغدادی نے فرمایا کہ اس روایت کی سند میں

ایک راوی ابو عبد اللہ محمد ابن سعید المروزی البورقی ہے، اسی نے اس روایت کو وضع کیا ہے اور یہ شخص وضاعین میں سے تھا، اس نے بہت سی منکر اور غیر معتبر روایات گھڑ کر ثقات کے حوالہ سے لوگوں کے سامنے پیش کر دی ہیں، ان میں سب سے زیادہ فحش اور غلط یہ روایت ہے، اس نے یہ روایت خراسان میں پھر عراق میں دوسری سند سے سنائی اور اس میں یہ اضافہ کر دیا: ”سیکون

فی امتی رجل یقال له محمد ابن ادریس فتنۃ علی امتی اضر من ابلیس“۔

یعنی میری امت میں محمد بن ادریس نامی ایک شخص پیدا ہوگا جو امت کے لیے ابلیس

سے زیادہ خطرناک فتنہ ثابت ہوگا۔ (العیاذ باللہ!)

ملا علی قاریؒ ”ابو حنیفہ سراج امتی“ لکھ کر لکھتے ہیں کہ ”موضوع باتفاق المحدثین“ یعنی یہ روایت تمام محدثین کے نزدیک بالاتفاق موضوع ہے۔

(اللالی: ۱/۴۵۷؛ تنزیہ الشریعة: ۲/۳۰؛ الفوائد المجموعة: ۱/۴۲۰؛ اللؤلؤ المرصوع: ۷؛

تاریخ الخطیب: ۱۳/۳۳۵؛ تذکرۃ الموضوعات: ۱/۱۱۱؛ الأسرار المرفوعة: ۴۷؛

الموضوعات لابن الجوزی: ۱/۳۵۵)

(ج) سیأتی من بعدی رجل اسمه النعمان بن ثابت و

یکنی أبا حنیفۃ لیحییٰ دین اللہ و سنتی علی یدیہ.

ترجمہ: عنقریب میرے بعد ایک شخص آئے گا جس کا نام نعمان بن ثابت ہوگا اور اس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی جو اپنے ہاتھوں اللہ کے دین کو اور میری سنتوں کو زندہ کرے گا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: امام سیوطیؒ، کنائیؒ، ابن الجوزیؒ، شیخ خطیب بغدادیؒ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں کئی راوی مجروح ہیں، محمد بن یزید متروک الحدیث ہے، سلیمان بن قیس اور ابوالمعلیٰ دونوں مجہول ہیں، ابان پر کذب کی تہمت ہے، ابن عدی کا کہنا ہے کہ محمد بن یزید تو سرقہ فی الحدیث کیا کرتا تھا یعنی روایت کو غیر معروف راوی کی طرف منسوب کر دیا کرتا تھا، اور حدیثیں گھڑتا بھی تھا۔ ”میزان الاعتدال“ میں بھی لکھا ہے کہ محمد بن یزید یسرق الحدیث ویضع.

(اللالی: ۱/۴۵۸؛ تنزیہ الشریعة: ۲/۳۰؛ تاریخ بغداد: ۲/۲۸۹؛

الموضوعات لابن الجوزی: ۱/۳۵۵؛ میزان الاعتدال)

(د) یكون فی امتی رجل یقال له النعمان بن ثابت یکنی أبا حنیفة
سیجدد اللہ سنتی علی یدیه۔

یعنی میری امت میں ایک آدمی پیدا ہوگا جس کو نعمان بن ثابت کے نام سے یاد کیا
جائے گا اس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر میری سنت زندہ کرے گا۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: ابن الجوزی، امام سیوطی اس کو موضوع قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں، اس کا ایک راوی
جو بیاری ہے جو کذاب وضاع ہے بل کہ ابن العراق کنائی تو اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ
”ناہیک بہ کذابا“ یعنی دنیاے کذب کا امام ہے۔

(الموضوعات: ۱/ ۳۵۵، اللالی: ۱/ ۴۵۸، تنزیہ الشریعة: ۲/ ۳۰)

(ه) یكون فی امتی رجل یقال له النعمان بن ثابت یکنی ابا حنیفة یحیی اللہ
علی یدیه دینی و سنتی۔

یعنی میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کو کہا جائے گا نعمان بن ثابت اس کی
کنیت ابو حنیفہ ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر میرا دین اور میری سنت زندہ فرمائیں گے۔
حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: یہ روایت سلیمان بن عیسیٰ کی سند سے وارد ہے اور سلیمان متہم بالوضع ہے۔

ابن جوزی لکھتے ہیں کہ ”قال أبو حاتم کان کذاباً، و قال ابن عدی یضع

الحدیث“۔

یعنی یہ شخص بقول ابو حاتم کذاب تھا، اور ابن عدی کے قول کے مطابق واضح حدیث

تھا۔ اس لیے علامہ ابن الجوزیؒ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

الحاصل! یہ ساری روایات غیر معتبر ہیں۔

(الموضوعات لابن الجوزی: ۱/۳۵۶؛ كشف الخفاء: ۱/۳۳)

(واو) یكون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادريس اضرب علی امتی من ابليس

و یكون فی امتی رجل یقال له ابو حنیفة هو سراج امتی، هو سراج امتی۔

یعنی میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا، جس کو محمد بن ادريس کے نام سے جانا

جائے گا، وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوگا، اور ایک آدمی آئے گا

جس کو ابو حنیفہ کہا جائے گا وہ میری امت کا چراغ ہوگا، وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ ابن الجوزیؒ، امام سیوطیؒ، ابن العراق کنائیؒ، علامہ شوکانیؒ، شیخ ابوالحسن

القادوسیؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ، ملا علی قاریؒ یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع قرار دیتے ہیں۔

اس کی سند میں دوراوی کذاب و وضاع واقع ہوئے ہیں۔

ابن جوزیؒ تحریر فرماتے ہیں:

هذا حدیث موضوع لعن الله واضعه وهذه اللعنة لا تفوت احد

الرجلین و هما مامون و الجویباری و کلاهما لا دین له و لا خیر فیہ و کان

یضعان الحدیث قال ابن حبان کان مامون رجلا من احد رجلین حدث عمن

لم یرہ و کان الجویباری کذابا دجالا یضع علی الذین یروی عنهم ما لم

یحدثوه لا یحل ذکره فی الكتب إلا علی سبیل الجرح فیہ، و ذکر هذا

لحدیث أبو عبد الله الحاکم فی کتاب ”المَدخل“ إلى کتاب الإِکلیل فقال

قیل لمامون بن احمد الا ترى إلى الشافعی و إلى من تبع له بخراسان، فقال حدثنا أحمد بن عبد الله فذكر الحديث. فبان بهذا ان الواضع له مامون الذي ليس بمامون.

(الموضوعات: ص ۳۵۴؛ اللالی المصنوعة: ج ۱/ ص ۳۵۷؛

تنزیه الشریعة: ج ۲/ ص ۳۰؛ تذکرة الموضوعات للفتن: ج ۱/ ص ۱۱۱)

یعنی یہ من گھڑت حدیث ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گھڑنے والے پر لعنت کرے اور اس لعنت کے مستحق مامون اور جو بیاری ہیں؛ یہ دونوں ایسے ہیں کہ جن کا کوئی مذہب نہیں جن میں کوئی بھلائی نہیں، حدیثیں گھڑنا ہی ان کا کام تھا۔ ابن حبان نے بتلایا کہ مامون کا شمار بھی انہیں لوگوں میں تھا جو ایسے لوگوں سے روایات سناتے تھے جن کو انہوں نے دیکھا نہیں ہے؛ اور جو بیاری ایسا کذاب اور دجال ہے کہ اپنے شیوخ کے حوالہ سے ایسی من گھڑت حدیثیں سناتا ہے جو انہوں نے بیان نہیں فرمائی ہیں؛ ان روایات کا ذکر کتابوں میں اس پر جرح کی غرض سے کیا جائے تو درست ہے ورنہ ان کے تذکرہ کی اجازت نہیں ہے۔

اس حدیث کو امام ابو عبد اللہ حاکم نے اپنی کتاب ”المدخل إلى کتاب الإکلیل“ میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مامون بن احمد سے سوال کیا کہ امام شافعیؒ اور خراسان میں ان کے متبعین کے متعلق کیا خیال ہے تو اس نے احمد بن عبد اللہ کی سند سے حدیث مذکور سنا ڈالی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا وضع کرنے والا مامون ہے جس کی حیثیت مامون نہیں ہے، بل کہ بہت پر خطر ہے۔

(الموضوعات: ۳۵۴/۱؛ اللالی: ۳۵۷/۱؛ تنزیه الشریعة: ۳۰/۲؛ تذکرة الموضوعات للفتن: ۱۱/۱)



(۱۰۱) (الف) يوم الأربعاء يوم نحس مستمر

ترجمہ: بدھ کا دن مسلسل نحوست کا دن ہے۔

(ب) آخر الأربعاء في الشهر يوم نحس مستمر

ترجمہ: مہینہ کا آخری بدھ مسلسل نحوست کا دن ہے۔

حکم: موضوع ہے۔

تحقیق: علامہ پٹنی، ملا علی قاری، شیخ عجلوئی، امام سخاوی، یہ سبھی حضرات اس روایت کو موضوع کہتے ہیں۔

شیخ عجلوئی کہتے ہیں کہ یہ روایت ابن عباسؓ کی سند سے منقول ہے، جس کی تخریج ابن مردویہ اور خطیب بغدادی نے ”من الشهر“ کے الفاظ کے ساتھ کی ہے۔ امام سیوطی نے جامع کبیر میں لکھا ہے کہ اس روایت کو کعب نے ”غرد“ میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے، مگر اس کی سند میں ایک راوی مسلمہ بن الصلت ہے جو متروک ہے۔ ابن الجوزی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، طیور نے ایک دوسری سند سے ابن عباسؓ کا قول ہونا بتلایا ہے، ابن رجبؒ نے اس کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔

تنبیہ: ”يوم الأربعاء“ (بدھ) سے متعلق متعدد روایات پائی جاتی ہیں بعض میں بدھ کی فضیلت و اہمیت وارد ہے، اور بعض اس کی نحوست و مذمت پر مشتمل ہیں، مثلاً:

اہمیت سے متعلق:

(الف) خلق اللہ یوم الأربعاء الأنهار و الأشجار.

یعنی بدھ کے دن اللہ تعالیٰ نے انہار و اشجار کو پیدا کیا۔

(ب) عن عائشةؓ انها قالت ان احب الأيام إلى يخرج فيه مسافر و

انکح فيه و اختن فيه صبی یوم الأربعاء.

یعنی حضرت عائشہؓ کا فرمان ہے کہ سب سے اچھا دن مسافر کے لیے اور نکاح و ختنہ

کے لیے بدھ کا دن ہے۔

(ج) ما بدئ بشیء یوم الأربعاء الاثم.

یعنی جس کام کی ابتداء بدھ کے دن کی جائے وہ ضرور مکمل ہو جاتا ہے۔

نذمت سے متعلق:

(الف) یوم الأربعاء یوم نحس مستمر.

یعنی بدھ کا دن مسلسل نحس کا دن ہے۔

(ب) آخر الاربعاء من الشهر یوم نحس مستمر.

یعنی مہینہ کا آخری بدھ مسلسل نحس کا دن ہے۔

(ج) فيه (فی یوم الأربعاء) ولد فرعون و فيه ادعی الالهية و فيه

أهلكه الله تعالى و فيه ارسل الله الريح على قوم عاد.

یعنی بدھ کے دن فرعون پیدا ہوا اور اسی دن خدائی کا دعویٰ کیا اور اسی دن اللہ تعالیٰ

نے اس کو ہلاک کیا اور اسی دن اللہ نے قوم عاد پر ہوا کا عذاب نازل کیا۔

(د) یوم الأربعاء لا اخذ ولا عطاء.

یعنی بدھ کا دن نہ لینے کا دن ہے نہ دینے کا۔

(۵) امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باجتناہ الحجامۃ یوم
الأربعاء فانه الیوم الذی اصیب فیہ ایوب علیہ السلام بالبلاء وما یدو جذام
ولا برص الا یوم الأربعاء وليلة الأربعاء.

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بدھ کے دن پچھنا لگوانے سے منع فرمایا
اس لیے کہ اس دن حضرت ایوب علیہ السلام کو مصیبت لاحق ہوئی اور جس کسی کو بھی کوڑھ یا
برص کی بیماری لگتی ہے تو بدھ کے دن ہی لگتی ہے۔

(و) حدیث النہی عن قص الأظفار فی یوم الأربعاء.

یعنی بدھ کے دن ناخن کاٹنے کی ممانعت کی حدیث۔

(ح) یوم الأربعاء یوم نحس قریب الخطاء یشیب فیہ الولدان.

یعنی بدھ کا دن منحوس دن ہے، جس میں غلطیاں زیادہ سرزد ہوتی ہیں، بچے بوڑھے

ہو جاتے ہیں۔ (کشف الخفاء: ۱۳/۱؛ المقاصد الحسنة: ۴۷۹؛ الموضوعات: ۷۱/۲)

ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ”أخرجہ الطبرانی فی الأوسط عن جابرؓ

قال السخاوی لا أصل له وفي فضله والتفسير منه احادیث کلها واهية (یہ

حدیث ”یوم الأربعاء یوم نحس مستمر“ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول

ہے، جس کو طبرانی نے نقل کیا ہے، سخاویؒ نے اس کے متعلق فرمایا: ”لا أصل له“ اس کی کوئی

اصل نہیں ہے، اور بدھ کے دن کی فضیلت و مذمت سے متعلق بہت سی احادیث نقل کی جاتی

ہیں مگر وہ سب کی سب غیر معتبر ہیں۔ (الأسرار المرفوعة: ص ۲۷۵)

بل کہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ہفتہ کے دنوں کے متعلق جو روایت بھی رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی جاتی ہے وہ ساری موضوع اور من گھڑت ہے۔ مثلاً:

ایک روایت بہت کثرت سے نظر آتی ہے ”یوم السبت یوم مکر و خدیعة،

و یوم الأحد یوم غرس و بناء، و یوم الاثنين یوم سفر و طلب رزق، و یوم

الثلاثاء یوم حديد و بأس، و یوم الأربعاء یوم لا اخذ ولا عطاء، و یوم الخميس

یوم طلب حوائج و یوم الجمعة یوم خطبة نکاح“۔

ترجمہ: سنیچر کا دن سازش اور دھوکہ کا دن ہے، اتوار کا دن بونے اور تعمیر کرنے کا دن ہے، پیر کا

دن سفر اور روزی طلب کرنے کا دن ہے، اور منگل کا دن لوہے اور سختی کا دن ہے، بدھ کا دن

لین دین نہ کرنے کا دن ہے، جمعرات کا دن حاجت طلبی اور بادشاہ کے یہاں جانے کا دن

ہے، جمعہ کا دن خطبہ اور نکاح کا دن ہے۔

یعنی اس روایت کے متعلق علامہ طاہر پٹنی فرماتے ہیں کہ اس کی ایک سند ابو سعید

خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے، دوسری سند ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے

سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے مگر ہر سند میں ضعفاء و مجہولین پائے جاتے ہیں،

اس لیے یہ روایت موضوع ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات: ص ۸)

علامہ ابن الجوزی ”بدھ“ سے متعلق روایات نقل کر کے فرماتے ہیں: ”ہذہ

الأحادیث لا تصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ یعنی یہ روایات

بے سند، بے اصل، اور ساقط الاعتبار ہیں کیوں کہ یہ روایات تین صحابی ابن عباس، ابن عمر اور

جابر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے منقول ہیں، اور کوئی بھی سند علت سے خالی نہیں ہے۔

ابن عباس کی تین سند ہے اور جس میں مسلمہ بن اصلت ہے، جس کو امام ابو حاتم

رازی نے متروک الحدیث فرمایا ہے اور ابن عباس کی تیسری سند میں ”الحسن بن عبید اللہ

الأبراری“ نام کاراوی واقع ہے جو کذاب ہے۔

ابن عمرؓ کی حدیث میں عثمان بن مطر ہے جس کے متعلق ابن حبان فرماتے ہیں

”وكان عثمان بن مطر يروى الموضوعات عن الاثبات لا يحل الاحتجاج به“

ترجمہ: عثمان بن مطر ثقافت کے حوالہ سے روایتیں نقل کرتا تھا لیکن اس پر بھروسہ نہیں۔

حدیث جابر کے متعلق فرماتے ہیں: و أما حديث جابر فلم يروه غير

ابراهيم. قال الدارقطني ”و هو متروك“.

یعنی جابرؓ کی حدیث صرف ابراہیم بن ابی حنیہ سے مروی ہے جس کو دارقطنی ”متروک“

کہتے ہیں۔ (الموضوعات: ۷۳/۲؛ المقاصد الحسنة: ص ۳۶۲؛ كشف الخفاء: ج ۱/ ص ۱۱۸۸)



مصادر ومراجع

قرآن مجيد

احاديث القصاص

اسنى المطالب

الاجوبة الفاضلة

الاسرار

البحر الرائق شرح كنز الدقائق

الرسالة

الرفع والتكميل فى الجرح والتعديل

امداد البارى

انتقاد المغنى عن الحفظ و الكتاب

آثار الحديث

التذكرة فى الاحاديث المشتهرة

التوضيح

تاريخ اصبهان

تاريخ بغداد للخطيب

تاريخ نيشاپور

تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق

تحفة الاحوذى

تخريج احياء

تدريب الراوى

التذكرة فى احاديث المشتهرة

ابن تيمية

محمد الحوت

مولانا عبد الحى لكهنوى

ملاعلى قارى

ابن نجيم مصرى

امام شافعى

مولانا عبد الحى لكهنوى

مولانا عبد الجبار الأعظمى

حسام الدين القدسى

ذاكر علامه خالد محمود

امام زر كشى

خطيب بغدادى

مباركپورى

حافظ عراقى

علامه سيوط

الزر كشى

محمد بن طاهر پٹنی
 شيخ مقدسى
 عماد الدين ابن كثير الدمشقى
 امام قرطبي
 علامه زمخشرى

علامه ابن حجر عسقلانى
 ابن عراق
 ابن همام دمشقى
 امام صغانى
 علامه سيوطى
 شيخ الغزى
 امام ابو عيسى ترمذى
 ابو هلال عسكرى
 شيخ محمد تقى امينى
 امام جزرى
 ابو نعيم اصبهانى
 علام نووى
 الشيخ ابو غده
 علامه سيوطى

امام طيبى

تذكرة الموضوعات

تذكرة الموضوعات

تفسير ابن كثير

تفسير قرطبي

تفسير كشاف

تكميل الارشاد

تلخيص الحبير

تنزيه الشريعة

التكيت و الافادة

توضيح الافكار

الجامع الصغير

الجد الحثيث

جامع الترمذى

جمهرة الامثال

حديث كا درايتى معيار

حصن حصين

حلية الاولياء

حاشيه مسلم

حاشية المصنوع

الحاوى

خير الاصول

الخلاصة فى معرفة الحديث

الخيرات الحسان فى مناقب أبى حنيفة النعمان

علامه حصكفي	الدر المختار
الصغاني	الدر الملتقط
علامه زيلعي	الدراية
امام سيوطي	الدر والمنتشرة
	دراسات في الجرح والتعديل
علامه سيوطي	ذيل الموضوعات
ابن عابدين شامي	رد المحتار
حضرت امام شافعي	الرسالة
ابن القيم	زاد المعاد
شيخ الباني	سلسلة الضعيفة
الدكتور مصطفى السباعي	السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي
امام بن ماجه	سنن ابن ماجه
امام ابو داود السجستاني	سنن ابي داود
امام دارقطني	سنن دارقطني
امام دارمي	سنن دارمي
امام نسائي	سنن النسائي
امام نووي	شرح مسلم
	شرح المنازل
امام نووي	شرح المذهب
امام بيهقي	شعب الايمان
امام بخاري	الصحيح للبخاري
امام ابن حبان	صحيح ابن حبان
امام مسلم	صحيح مسلم

شيخ البانى	صحيح وضعيف الجامع للصغير
عقيلي	الضعفاء
ابن سعد	الطبقات
ابن جوزي	العلل المتناهية
شاه عبد العزيز	عجالة النافعة
شيخ عبد الله الاسعدى	علوم الحديث
شيخ صبحي	علوم الحديث
علامه عبد الحى لكهنوي	عمدة الرعاية
علامه عيني	عمدة القارى
سفاريني	غذاء الالباب شرح منظومة الادب
عبد القادر جيلاني	غنية الطالبين
محمد بن على الشوكاني	الفوائد المجموعة للشوكاني
امام بن حجر عسقلاني	فتح البارى
امام سخاوى	فتح المغيـث
علامه شبير احمد عثمانى	فتح الملهم
مولانا اسير ادروى	فن اسماء الرجال
الشيخ تقى الدين ندوى	فن اسماء الرجال
علامه انور شاه كشميرى	فيض البارى
الشيخ المناوى	فيض القدير
شيخ خطيب بغدادى	كتاب الكفاية فى علم الرواية
ابن عدى	الكامل
الشيخ عجلونى	كشف الخفاء
على متقى	كنز العمال

الآلی

اللؤلؤ المرصوع

لسان المیزان

المجروحین

مجمع الامثال

مجمع الزوائد

المحدث الفاصل

مختصر المقاصد

المدخل

المستدرک

مسند احمد

مسند الفردوس

مسند دارمی

مشکوٰۃ المصابیح

المصنوع

مصنف ابی شیبہ

معجم طبرانی

معجم کبیر

معرفة علوم الحديث

المغنی

مفتاح الجنة

المقاصد الحسنة

امام سیوطی

ابن خلیل طرابلسی

ابن حجر عسقلانی

ابن حبان

المیدانی

الهیثمی

رامهرمزی

محمد بن عبد الباقي الزرقانی

لابن الحاج

حاکم ابو عبد الله نیشاپوری

امام احمد بن حنبل

علامہ دیلمی

امام دارمی

خطیب بغدادی

ملا علی قاری

ابوبکر بن ابی شیبہ

امام طبرانی

طبرانی

حاکم نیشاپوری

ابن قدامہ

امام سیوطی

امام سخاوی

المقنع	شيخ ابن الملقن
المنار المنيف	علامه ابن القيم
مقدمه مسلم	امام مسلم
مقدمه ابن الصلاح	ابن الصلاح
مقدمه دوس ترمذی	مفتی تقی عثمانی
مقدمة المصنوع	شيخ ابو غدة
مكارم الاخلاق	ابن ابی الدنيا
مكارم الاخلاق	الخرالطی
مكارم الاخلاق	الطبرانی
منتهی المدارک	شيخ فرغانی
الموضوعات	علامه ابن الجوزی
موضوعات کبیر	ملا علی قاری
موضوعات الصغانی	امام صغانی
میزان الاعتدال	امام ذهبی
النخبة البهیة	شيخ محمد امیر الکبیر المالکی
نصب الراية فی تخريج احادیث الهدایة	علامه زیلعی
نوادرا للحديث	شيخ محمد یونس جونپوری
نهاية	ابن الاثیر الجزری
هدایة	مرغینانی

مصنف کی دوسری مطبوعات

(۱) اللؤلؤ والمرجان فی لطائف القرآن

(قرآن کے تعبیری جواہر پارے)

- ☆ ترجمہ قرآن، جلالین، بیضاوی کے طلبہ و اساتذہ کی علمی مشکلات کا حل
- ☆ قرآن کے مخصوص اسلوب و تعبیر کے معنوی نکات و اسرار و رموز
- ☆ خلاف ظاہر آیات کی وجوہ و علل
- ☆ مترادفات کے معنوی فروق

(۲) التحفة المرضیة فی تحقیق آیام الأضحیة

(قربانی کے دن تین نہ کہ چار)

- ☆ مسئلہ مذکورہ سے متعلق مدلل، مفصل، محقق، تشفی بخش لا جواب کتاب

(۳) الإیکسیر فی قواعد التفسیر

قرآن مجید کی صحیح تفسیر کے لیے ۷۰ قواعد کا حسین مجموعہ

اس میں شان نزول، طریقہ تفسیر، مآخذ تفسیر، ضائر و مبہمات، اظہار و اضمار، تقدیم و تاخیر، تعریف و تنکیر، امر و نہی اور مطلق و مقید جیسے اہم عناوین سے متعلق ایسے قواعد و ضوابط مذکور ہیں جن سے ہر نوع کی مشکل باسانی حل کی جاسکتی ہے۔

MAROOFI KUTUB KHANA

Jamia Isha'at ul Uloom, Akkal Kuwa

Nandurbar (Maharashtra) INDIA